Scanned by iqbalmt

فردوسِ ابلیس

دوسرا اور آخری حصہ

حسن بن صباح اور اُس کی بہشت کی پُراسرار داستان

عنایت اللہ

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور ۷۲۴۲۶۹

Scanned by iqbalmt

پیش لفظ

"فردوسِ ابلیس" کا پہلا حصہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اب دوسرا حصہ ملاحظہ فرمایئے جو آخری ہے۔ اس میں یہ داستانِ ابلیس ختم ہو جاتی ہے۔

پہلے حصے میں آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حسن بن صباح اصل میں کیا تھا' وہ کس طرح ابھرا اور کیسے کیسے دلچسپ اور سنسنی خیز ہتھکنڈوں اور کیسی کیسی فریب کاریوں سے مخلوقِ خدا کے دلوں پر اور ان کے سوچنے کی صلاحیتوں پر غالب آ گیا۔ تاریخ میں چند اور شخصیتوں نے فریب کاری اور قتل و غارت میں شہرت پائی اور ان کے نام تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں لیکن حسن بن صباح کی ابلیسیت کے سامنے یہ تاریخی شخصیتیں ایسی ہیں جیسے سورج کے سامنے چراغ رکھ دیئے جائیں۔

حسن بن صباح نے سب سے بڑا اور انتہائی گھناؤنا فراڈ اللہ کے عظیم دین اسلام کے ساتھ کھیلا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اہلِ سُنّت ظاہر کرتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اس کا دائرۂ عمل سلطنتِ اسلامیہ کے اندر تھا اور حکومت اہلِ سُنّت کی تھی۔

اس نے اپنی ابلیسیّت کی تبلیغ میں ہمیشہ اسلام کا نام لیا' اسلام کے حوالے سے بات کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیتا تو اس پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی لیکن باطنی طور پر وہ اللہ کا بھی منکر اور اللہ کے رسولؐ کا بھی منکر تھا۔ لوگ اسلام اور رسالتؐ کے معاملے میں بہت ہی جذباتی تھے لیکن علم سے بے بہرہ تھے۔ اس کے نتیجے میں وہ حسن بن صباح کے جال میں آتے گئے۔

اس کے ساتھ ہی حسن بن صباح کو یہ سہولت مل گئی کہ آج کل کے برادری سسٹم کی طرح اُس دَور میں لوگوں کے الگ الگ قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے سردار کا حکم مانتا تھا۔ اکثر سردار عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ حسن بن صباح نے لوگوں کے مذہبی جذبات کو دُکھتی رگ کی طرح مٹھی میں لیا اور ان کے سرداروں کی عیش پرستی کو پیشِ

Scanned by iqbalmt

نظر رکھا۔ یہ ان سرداروں کی دُکھتی رگ تھی۔ حسن بن صباح نے انہیں اپنی تربیت یافتہ لڑکیوں کے ذریعے شیشے میں اُتار لیا۔

لوگ جب دل و جان سے اس ابلیس کے مرید ہو جاتے تو وہ انہیں اسلام کے احکامات اور پابندیوں سے آزاد کر دیتا تھا۔ کہتا تھا کہ اسلام انسان پر کوئی جبر نہیں کرتا۔ جو جی میں آئے کرو۔

"فردوسِ ابلیس" میں آپ کو یہ ساری تفصیلات واقعات کی صورت میں ملیں گی۔ کچھ بھولے بھالے اور بعض بڑے ہی چالاک اور ہوشیار کردار جن میں حسن بن صباح کے خون کے پیاسے بھی تھے' اس کے جال میں آتے اور پھر اسی کے گن گاتے یوں دیکھیں گے جیسے سکرین پر فلم چلتی دیکھ رہے ہوں۔

ایک اور وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے ملک میں "تاریخی ناول" وبا کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ طرزِ تحریر بے حد جذباتی ہوتا ہے۔ فلمی قسم کا رومان لازمی سمجھا جاتا ہے۔ ان ہی دو اجزاء سے ناول میں ایسی چاشنی پیدا ہو جاتی ہے جو پڑھنے والوں کو نشے جیسا لطف دیتی ہے' اسی لئے "تاریخی ناول" ہمارے ہاں بہت مقبول ہوئے ہیں لیکن ان میں تاریخی حقائق برائے نام اور ناول یعنی افسانہ زیادہ ہوتا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ ان نام نہاد تاریخی ناولوں کے مصنفین نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہی نہیں۔

"فردوسِ ابلیس" کو بھی قارئین کرام تاریخی ناول ہی کہتے ہیں لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میری یہ کاوش ناول کم اور تاریخ زیادہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے صحیح' مستند اور مکمل تاریخ پیش کی ہے' مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں کے حوالے بھی ساتھ ساتھ دیئے ہیں' البتہ اس تاریخی داستان کو تاریخ کے مضمون کی طرح خشک' بے مزہ اور بور نہیں رہنے دیا۔ اسے ایک دلچسپ ناول کے انداز سے لکھا ہے اور ایک حقیقت کو افسانے سے زیادہ پُرلطف بنا دیا ہے۔

کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ پڑھئے اور دیکھئے کہ میرا دعویٰ کہاں تک صحیح ہے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

تاریخوں میں آیا ہے کہ برکیارق نے سلطان بنتے ہی تین حکم دیئے۔ ایک یہ کہ سلطان ملک شاہ کو زہر دینے والے باطنی کو اُسی طرح سزائے موت دی جائے جس طرح سلطان نے وفات سے پہلے حکم دیا تھا دوسرا یہ کہ اُس باطنی کی بہن روزینہ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ وہ اُس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس نے تیسرا حکم یہ دیا کہ یہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ سلطان کو ایک باطنی نے زہر دے کر مارا ہے۔ ہر کسی کو یہ بتایا جائے کہ سلطان طویل علالت کے بعد فوت ہوئے ہیں۔

اس تیسرے حکم کی تعمیل تو کی گئی لیکن موت کا اصل باعث پوشیدہ نہ رکھا جا سکا۔ سلطان ملک شاہ کی موت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا نہ وہ کوئی عام آدمی تھا کہ لوگ سنتے اور رسمی سا افسوس کر کے بھول جاتے۔ ملک شاہ کوئی روایتی سلطان یا بادشاہ بھی نہیں تھا کہ رعایا کو افسوس نہ ہوتا۔ لوگ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ آج ایک مر گیا ہے تو کل دوسرا بادشاہ آجائے گا۔ سلطان ملک شاہ کی موت تو یوں تھی جیسے سلطنتِ اسلامیہ کا سب سے زیادہ مضبوط ستون گر پڑا ہو۔

باطنی ابلیسیت کے طوفان کو روکنے والا یہی ایک شخص ہی تو تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک وہ اس طوفان کو نہیں روک سکا تھا اور ابلیسیت پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی لیکن سلطان ملک شاہ نے اپنی پوری توجہ اور اپنے پورے ذرائع اور اپنی پوری جنگی طاقت اسی کے خلاف مرکوز کر رکھی تھی۔ وہ اسلام کا پاسبان تھا۔ اسلام کے اصل نظریے اور روح کی آبیاری کرنے والا ملک شاہ ہی تھا۔ وہ صرف اپنے خاندان کو ہی عزیز نہ تھا

Scanned by iqbalmt

ملکہ رعایا کا بچہ بچہ اُس کا نام احترام اور محبت سے لیتا تھا۔

وہ جب فوت ہُوا تو اس کے گھر میں جو کہرام بپا ہُوا وہ جنگل کی آگ کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے سارے شہر میں پھیل گیا۔ ایک ہجوم تھا جو اس کے گھر پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دربان کسی کو اندر جانے سے روک نہ سکے تھے۔ خود دربان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ ان سب کے سامنے اس باطنی جعلی درویش کو پکڑ کر باہر لائے اور اُسے زدوکوب کیا جا رہا تھا۔ گھر کی عورتیں چیخ چلّا رہی تھیں کہ اس کافر نے سلطان کو زہر دے دیا ہے۔ اس قسم کی صورتِ حال میں سلطان کی موت کا اصل باعث پوشیدہ نہ رکھا جا سکا۔

ایک تو سارے شہر میں برکیارق نے اعلان کروا دیا کہ سلطان ملک شاہ فوت ہو گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہر طرف قاصد دوڑا دیے گئے کہ تمام سلطنت میں یہ اطلاع پہنچ جائے۔ اس اعلان کے ساتھ دوسرا اعلان یہ بھی کروا دیا کہ کل نمازِ جنازہ کے بعد تمام لوگ گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھے ہو جائیں' ایک باطنی کو سزائے موت دی جائے گی۔

اس اعلان سے قدرتی طور پر ہر کسی کے ذہن میں یہ سوال اُبھرا کہ اس باطنی کو سزائے موت کیوں دی جائے گی۔

سلطان ملک شاہ کا سرکاری عملہ' گھر کے ملازمین اور دیگر شاہی خاندان سے کوئی نہ کوئی تعلق رکھنے والے افراد کچھ کم تعداد میں نہ تھے۔ جذبات کی گرما گرمی میں ہر فرد جو اس راز سے واقف تھا' یہ سوال پوچھنے والوں کو صحیح جواب دیتا اور غصّے کا اظہار یوں کرتا تھا کہ کل اس کافر کو کتّوں سے پھڑوایا جائے گا۔

○

اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جنازہ اُٹھا اس وقت تک جہاں جہاں تک اطلاع پہنچ سکتی تھی وہاں وہاں سے لوگ سیلاب کی طرح اُمنڈ کر مرو میں آ گئے تھے۔ نمازِ جنازہ گھوڑ دوڑ کے میدان میں پڑھائی گئی۔ اس کے بعد سلطان ملک شاہ کو قبر میں اتارا گیا اور جب قبر میں مٹی ڈال دی گئی تو اُس باطنی کو میدان میں لایا گیا جس نے سلطان مرحوم کو زہر دیا تھا۔ اس کی سزا کے لئے گڑھا پہلے سے تیار تھا اسے گڑھے میں کھڑا کر دیا گیا جو اس کے گھٹنوں سے ذرا اوپر تک گہرا تھا۔

گڑھے میں مٹی ڈال کر مٹی کو اچھی طرح کوٹ کوٹ کر دبا دیا گیا اس شخص کے بازو کھول دیے گئے۔ ایک طرف سے چار خونخوار شکاری کتّے لائے گئے۔ اس شخص کے

قریب لا کر کتّے کھول دیے گئے۔ اس باطنی کے جسم پر کوئی بُو مَل دی گئی تھی جس پر کتّے ٹوٹ پڑے۔ تماشائیوں کا ہجوم دُور کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اُس باطنی کی چیخیں زمین و آسمان کو ہلا رہی تھیں آخر اس نے بڑی ہی بلند آواز میں نعرہ لگایا —— "امام حسن بن صباح زندہ باد" —— یہ اس کی آخری آواز تھی۔ اس وقت تک کتّے اس کی کھال اُدھیڑ چکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں کتّوں نے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیا۔ اس کا سر دُور جا پڑا اور پھر کتّے اس کے جسم کے ٹکڑے اٹھا کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔

لوگوں کو یہ نہ بتایا گیا کہ اس شخص کو یہ سزا کیوں دی گئی ہے لیکن لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ اس نے سلطان ملک شاہ کو زہر دیا ہے۔ ایسی غصیلی آوازیں اور ایسی للکار بھی سنائی دی کہ اس شخص کے خاندان کے بچے بچے کو یہاں لا کر کتّوں سے پھڑوا دو۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اس کے گھر کو آگ لگا دو۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔

اس سوال کا صحیح جواب صرف روزینہ دے سکتی تھی جو اس باطنی کی بہن تھی۔ اُس وقت روزینہ سلطان کے محل کے ایک کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اُسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی قسمت کا کیا فیصلہ ہو گا۔

سلطان ملک شاہ سپردِ خاک ہو گیا اور اُس کا قاتل اپنے انجام کو پہنچ گیا اور سلطان کے گھر میں روزینہ ایک مسئلہ بن گئی۔ اس خاندان کی کوئی عورت روزینہ کو قبول نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ سلطان کے قاتل کی بہن تھی۔ یہ شک بے جا نہ تھا کہ وہ بھی قتل کی اس سازش میں شریک تھی۔ سب دیکھ رہے تھے کہ اُس نے سلطان کے بڑے بیٹے برکیارق کو دامِ محبت میں گرفتار کر لیا تھا اور برکیارق نے اعلان کر دیا تھا کہ کوئی بھی روزینہ سے بازپُرس کی جرأت نہ کرے اور وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرے گا۔

برکیارق نے تو یہ اعلان کر دیا تھا لیکن برکیارق کی ماں کے لئے یہ شادی قابلِ قبول نہیں تھی۔ وہ شام کے وقت کسی کو بتائے بغیر اُس کمرے میں چلی گئی جہاں روزینہ اکیلی بیٹھی تھی۔ تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ سلطان ملک شاہ مرحوم کی بیوی کس قدر غمگین اور اداس ہو گی۔ روزینہ نے اسے دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ لڑکی!" —— سلطان مرحوم کی بیوہ نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا —— "میں تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔ تمہیں صرف میرے بیٹے نے ہی پسند

Scanned by iqbalh

نہیں کیا تھا بلکہ مرحوم سلطان نے اور میں نے بھی تمہیں دل سے پسند کیا اور فیصلہ کر دیا تھا کہ برکیارق تمہارے ساتھ شادی کر لے لیکن جو ہُوا وہ تمہارے سامنے ہے۔ میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں کہ اُس شخص کی بہن کو اپنی بہو بنا کر ایک سلطان کے خاندان کی فرد بنا لوں جس نے صرف مجھے ہی بیوہ نہیں کیا بلکہ مرحوم کی دو اور بیویاں بھی بیوہ ہوئی ہیں اور لوگوں سے پوچھنا کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ سلطنتِ سلجوقیہ بیوہ ہو گئی ہے۔ میں تمہیں کوئی سزا سنانے نہیں آئی۔ میں تمہارے ساتھ ایک نیکی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں جانا ہے۔ میں دو چار محافظوں کے ساتھ باعزت طریقے سے تمہیں وہاں تک پہنچانے کا انتظام کر دوں گی"۔

"محترم خاتون!" —— روزینہ نے غم سے بوجھل آواز میں کہا ——"یہ تو بعد کا حادثہ ہے کہ سلطان میرے بھائی کے ہاتھوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس صورت میں بھی ہونا چاہئے کہ آپ سب مجھے دھتکار دیں میں اس سے پہلے کی بات آپ کو سناتی ہوں۔ برکیارق نے جب مجھے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے تو میں نے انکار کر دیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ میں شاہی خاندان کے قابل نہیں۔ ہم آپ کے مقابلے میں بہت چھوٹے لوگ ہیں خاتون محترم! برکیارق نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اُس کے ساتھ یہاں آؤں اور سلطان مرحوم اور آپ مجھے دیکھیں۔ میں نہیں آ رہی تھی۔ آئی اس لئے کہ میرے بھائی نے یہاں آنا تھا اور وہ مجھے اکیلا سرائے میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ اُس کی نیت یعنی میرے بھائی کی نیت کیا تھی۔ میں یہاں آ گئی سلطان مرحوم نے مجھے دیکھا....."

"وہ باتیں مجھے کیوں سناتی ہو!" —— سلطان مرحوم کی بیوہ نے کہا ——"میں نے تمہیں کوئی سزا نہیں دینی میں کہہ چکی ہوں کہ تمہیں باعزت طریقے سے رخصت کروں گی"۔

"میری عرض ہے کہ میں جو کہنا چاہتی ہوں وہ آپ سن لیں" —— روزینہ نے کہا ——"میں یہ بتا رہی ہوں کہ میں برکیارق کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر چکی تھی۔ برکیارق نہیں مان رہا تھا۔ سلطان مرحوم نے اور آپ نے بھی مجھے قبول کر لیا تو میں خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد جو خوفناک اور انتہائی غم ناک صورت پیدا ہوئی، اس کے پیشِ نظر میں اپنے آپ کو اس احترام اور عزت کی حق دار نہیں سمجھتی جو آپ مجھے دے

رہی ہیں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ جس طرح آپ نے میرے بھائی کو سزائے موت دی ہے۔ اسی طرح مجھے بھی سزائے موت دیں۔ میں سلطان مرحوم کے قاتل کی بہن ہوں۔ میں رحم کی طلب گار نہیں"۔

"کیا تمہیں معلوم تھا کہ تمہارا بھائی سلطان کو زہر دینا چاہتا ہے؟" —— بیوہ نے پوچھا۔

"نہیں!" —— روزینہ نے بڑی زور سے سر ہلا کر کہا ——"اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں برکیارق کو یتیم نہ ہونے دیتی اور اسے دھوکہ نہ دیتی۔ میں کوئی بات چھپا نہیں رہی۔ سچ بول رہی ہوں۔ سچ یہ ہے کہ برکیارق پہلا آدمی ہے جسے میں نے دل و جان سے چاہا ہے اور برکیارق مجھے اس سے بھی زیادہ چاہتا ہے۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ میں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر سکوں۔ میں اب برکیارق کی بیوی نہیں بنوں گی۔ مجھے اپنے بھائی کی نیت کا علم تھا یا نہیں، یہ الگ بات ہے لیکن یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ میں سلطان کے قاتل کی بہن ہوں۔ مجھے سزائے موت ملنی چاہئے"۔

"تم لوگ آخر آئے کہاں سے تھے؟" —— سلطان کی بیوہ نے پوچھا ——"کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ تمہارا بھائی باطنی ہے؟..... یہ میں کیسے مان سکتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ حسن بن صباح کے فدائین میں سے تھا"۔

"محترم خاتون!" —— روزینہ نے کہا ——"ہمارا کوئی ایک ٹھکانہ ہوتا تو میں آپ کو بتاتی کہ ہم کہاں سے آئے ہیں۔ بھائی نے بتایا تھا کہ ہم اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں میرے ماں باپ مر گئے تھے اور اس بھائی نے مجھے پالا پوسا تھا۔ میں نے اسے خانہ بدوش ہی دیکھا۔ چھوٹا موٹا کاروبار کرتا تھا جس سے ہمیں دو وقت کی روٹی اور سفر کے اخراجات مل جاتے تھے۔ ہم کئی ایک شہروں اور قصبوں میں ایک ایک سال اور دو دو سال بھی رہے ہیں۔ بھائی مجھے ہمیشہ چار دیواری میں بند رکھتا تھا اس لئے میں نہیں بتا سکتی کہ باہر اس کی سرگرمیاں اور دلچسپیاں کیا تھیں اور وہ کن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ وہ ہر سال حج کا ارادہ کرتا تھا جو پورا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ میرے فرض سے فارغ ہو کر حج کا فریضہ ادا کرنے کا عزم کئے ہوئے تھا"۔

اس گفتگو کے دوران روزینہ روتی رہی، آنسو پونچھتی رہی اور کبھی تو وہ سسکنے لگتی تھی۔

Scanned by iqbalmt

"میرے بیٹے نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہی شادی کرے گا" ۔۔۔ سلطان کی بیوہ نے کہا — "وہ میری نہیں مانے گا اور وہ کسی کی بھی نہیں مانے گا۔ کیا تم اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر سکتی ہو؟"۔

"انکار ہی تو کر رہی ہوں" — روزینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا — "میں یہ جو کہتی ہوں کہ مجھے بھی سزائے موت دے دیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں قاتل کی بہن ہوں اور اس کے ساتھ تھی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں' کوئی گھر اور میرا کوئی وارث نہیں' میرے لئے ایک ہی پناہ ہے اور وہ قبر ہے۔ میں آپ سے عرض کرتی ہوں کہ مجھے قبر میں اتار دیں۔ میں آپ کو فیصلہ سنا چکی ہوں کہ آپ کے خاندان کی فرد نہیں بنوں گی نہ اپنے آپ کو اس کا حق دار سمجھتی ہوں"۔

برکیارق کی ماں روزینہ کے رونے سے' اس کے بولنے کے انداز سے اور اس کے بار بار یہ کہنے سے کہ اسے سزائے موت دی جائے' اتنی متاثر ہوئی کہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس لڑکی کو بھٹکنے کے لئے یا کسی غلط آدمی کے ہاتھ چڑھ جانے کے لئے تنہا نہ چھوڑے۔ یہ تو برکیارق کی ماں کا فیصلہ تھا کہ اُس کا بیٹا اس لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا لیکن وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ لڑکی کو کہاں بھیجے۔ ویسے بھی وہ سلطان مرحوم کی طرح رحم دل عورت تھی۔

"میں تمہیں اپنے گھر سے نکالنا نہیں چاہتی روزینہ!" — سلطان کی بیوہ نے کہا — "اگر میں تمہاری شادی کسی اور آدمی سے کروا دوں تو تم قبول کر لوگی؟"۔

"میں بلا سوچے کوئی جواب نہیں دے سکتی" — روزینہ نے کہا — "خدا کی قسم' ابھی تو میرے دل اور دماغ پر اس قدر بوجھ ہے کہ میں یہی ایک فیصلہ کئے ہوئے ہوں کہ مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں"۔

"میں تمہیں زندہ رہنے کا حق دیتی ہوں" — سلطان کی بیوہ نے کہا — "تم سوچ لو پھر مجھے بتا دینا' میں تمہارا کوئی بہتر بندوبست کر دوں گی"۔

"محترم خاتون!" — روزینہ نے کہا — "آپ یہ کام کریں کہ برکیارق کے دل سے مجھے نکال دیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے قائل کریں کہ میرا خیال چھوڑ دے۔ بیشک وہ سلطان ہو گیا ہے اور اُس نے سلطان کی حیثیت سے حکم دیا ہے کہ وہ میرے ساتھ ہی شادی کرے گا لیکن اُس کا یہ حکم مجھے اچھا نہیں لگا۔ بیٹے ماؤں کو حکم دیتے اچھے

نہیں لگتے بلکہ یہ گناہ ہے۔ میں اس گناہ میں شریک نہیں ہونا چاہتی"۔

سلطان کی بیوہ نے سر جھکا لیا جیسے اسے کوئی اور سوچ آ گئی ہو۔ کمرے کا دروازہ کھلا۔ ماں نے اور روزینہ نے دیکھا' دروازے میں برکیارق کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے ماں کا اس کمرے میں آنا اچھا نہیں لگا۔

○

"آپ کا احترام مجھ پر فرض ہے ماں!" — برکیارق نے اپنی ماں سے کہا — "لیکن یہ پوچھنا میرا حق ہے کہ آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟..... میرا خیال ہے کہ آپ اسے یہ کہنے آئی ہیں کہ یہ قاتل کی بہن ہے اس لئے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا"۔

برکیارق روزینہ کے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس کی ماں اسے کیا کہہ رہی ہو گی۔

"برکیارق!" — روزینہ نے کہا اور ذرا رک کر بولی — "معاف رکھنا مجھے برکیارق نہیں بلکہ مجھے سلطانِ محترم کہنا چاہئے..... آپ کی والدہ نے جو کچھ کہا اور جو کچھ میں نے انہیں کہا ہے وہ میں لفظ بہ لفظ سنا دیتی ہوں"۔

روزینہ نے وہ تمام باتیں جو اس کے اور برکیارق کی والدہ کے درمیان ہوئی تھیں' سنا دیں۔

"تمہیں اس فیصلے پر عمل کرنا ہو گا جو میں سنا چکا ہوں" — برکیارق نے کہا — "میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں تمہیں حکم دے کر اپنی بیوی بناؤں گا۔ یہ میرے دل کی آواز اور میری روح کا مطالبہ ہے"۔

"روح کی آواز روح ہی سن سکتی ہے سلطانِ محترم!" — روزینہ نے کہا — "میری روح مر گئی ہے۔ میرے بھائی نے سلطان کو ہی زہر نہیں دیا بلکہ میری روح کو بھی زہر دے کر مار ڈالا ہے۔ میرے ضمیر پر بڑے ہی گھناؤنے جرم کا بوجھ ہے۔ میں یہاں سے بھاگ جاؤں گی اور میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے بھاگ جانے دیں"۔

"میرے عزیز بیٹے!" — برکیارق کی ماں بول پڑی — "تم ابھی نوجوان ہو۔ میری عمر دیکھو۔ میں نے دنیا دیکھی ہے اور انسانوں کو پڑھا ہے۔ میں تمہیں اس شادی کی اجازت دے سکتی ہوں لیکن آگے جو کچھ ہو گا وہ میں جانتی ہوں"۔

"یہ بتاؤ روزینہ!" — برکیارق نے پوچھا — "تم نے میری ماں سے کہا ہے کہ تمہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ تمہارے بھائی کی باہر سرگرمیاں کیا تھیں اور وہ کن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا' وہ باطنی کیسے بنا؟..... اُس نے مرنے سے پہلے امام حسن بن صباح کا نعرہ لگایا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حسن بن صباح کے فدائین میں سے تھا..... وہ فدائی کیسے بنا تھا؟ تم جانتی ہو گی!"

"میں کچھ بھی نہیں جانتی" — روزینہ نے جواب دیا — "وہ مجھے اَلمُوت لے گیا تھا۔ وہاں ہم سات آٹھ مہینے رہے تھے۔ میں نے آپ کی والدہ محترمہ کو بتایا ہے کہ مجھے وہ چار دیواری میں بند رکھتا تھا اور مجھے کچھ بھی نہیں بتاتا تھا کہ وہ باہر کیا کرتا ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ باطنیوں سے جا ملا تھا اور جیسے کہ آپ کہہ رہے ہیں وہ فدائی بن گیا ہو گا۔ میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ روزینہ' اللہ کرے تمہیں کسی نیک آدمی کے پلّے باندھ دوں تو میں حج کا فریضہ ادا کر لوں"۔

"ماں!" — برکیارق نے کہا — "آج ہی تو ہم نے اپنے عظیم باپ کو دفن کیا ہے۔ غم اور دکھ ابھی تازہ ہے۔ کچھ دن گزر جانے دیں۔ اس لڑکی کو یہیں رہنے دیں۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا' کچھ دن انتظار کر لیں"۔

"سلطانِ محترم!" — روزینہ نے کہا — "آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ کو میری یہ خوبی پسند آئی ہے کہ میں وہی بات کرتی ہوں جو میرے دل میں ہوتی ہے..... میں سچ بولتی اور سچ سنتی ہوں خواہ وہ کتنا ہی تلخ ہو۔ میرے ذہن میں گناہ کا تصور ہی نہیں آیا۔ اس لئے مجھ میں اخلاقی جرأت بھی ہے۔ میں آپ کو آپ کا باپ واپس نہیں دے سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی جان دے دوں شاید اس سے آپ کے اور آپ کی والدہ محترمہ اور خاندان کے دوسرے افراد کی تسکین ہو جائے۔ یہ میری روح کی آواز ہے کہ مجھے بھی سزائے موت ملنی چاہیے۔ میں آپ کی والدہ محترمہ کو بتا چکی ہوں کہ میں زندہ رہوں گی بھی تو کس کے لئے؟"

"میرے لئے!" — برکیارق نے کہا — "میں جو فیصلہ کر چکا ہوں' اس پر قائم رہوں گا لیکن اپنی ماں سے اجازت لینے کے لئے میں کچھ دن انتظار کروں گا"۔

یہ حسین و جمیل لڑکی برکیارق کے اعصاب پر تو پہلے ہی غالب آچکی تھی لیکن اب اس نے جو باتیں کیں اور جس انداز سے کیں اس سے وہ اور زیادہ متاثر ہوا۔ اس کی ماں

بھی کشش و پیچ میں پڑ گئی اور ماں بیٹے نے فیصلہ کیا کہ روزینہ کو کچھ دن یہیں رکھا جائے اور پھر کچھ فیصلہ کیا جائے۔

○

مَرو پر غم و غصے کی جو گھٹا چھا گئی تھی وہ سلطان کی موت کی خبر کے ساتھ ساتھ تمام تر سلطنتِ سلجوقیہ پر چھا گئی۔ ساری سلطنت ماتم کدہ بن گئی۔

اَلمُوت میں خوشیوں کا ہنگامہ تھا۔ وہاں سلطان ملک شاہ کی موت کی خبر پہنچی تو باطنی گھروں سے نکل آئے اور خوشی سے ناچنے کودنے لگے۔ جشن کا سا سماں بندھ گیا۔ مَرو چونکہ دار السلطنت تھا اس لئے اس شہر میں باطنیوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ جوں ہی سلطان مرحوم کے قاتل کو کتوں نے چیر پھاڑ دیا ایک جاسوس اَلمُوت کی طرف چل پڑا تھا۔

"یا امام!" — اس جاسوس نے حسن بن صباح سے کہا تھا — "سب سے بڑا دشمن مارا گیا ہے۔ دفن بھی ہو گیا ہے اور اُس کی گدّی پر اُس کا بڑا بیٹا برکیارق بیٹھ گیا ہے"۔

"اور قاتل کا کیا بنا؟" — حسن بن صباح نے پوچھا۔

"اسے آدھا زمین میں گاڑ کر کتوں سے مروایا گیا ہے" — جاسوس نے بتایا تھا۔

"اُس کے ساتھ ایک لڑکی تھی" — حسن بن صباح نے پوچھا تھا — "کچھ معلوم ہے وہ کہاں ہے؟"

"سلطان کے گھر میں ہے" — جاسوس نے جواب دیا تھا — "اس نے نئے سلطان کو پہلے ہی اپنے جال میں لے لیا تھا"۔

"کیا وہ اکیلی کچھ کر سکے گی؟" — حسن بن صباح نے پوچھا — "اس سوال کا جواب دو تین دنوں بعد آجائے گا" — جاسوس نے کہا تھا — "میں سلطان ملک شاہ کے دفن ہونے کے بعد اپنے آدمی کی سزائے موت دیکھ کر چل پڑا تھا"۔

حسن بن صباح نے اپنے جاسوس کو فارغ کر دیا اور اپنے مصاحبوں اور نائبین کو بلایا۔ وہ فوراً "سلطان ملک شاہ کی موت کی خبر سن کر خوشی اور فتح کا واویلا کرنے لگے۔

"دیکھ لیا تم نے!" — حسن بن صباح نے کہا — "میں نے کچھ عرصہ پہلے تم لوگوں کو ایک اصول بتایا تھا کہ کسی خاندان کو تباہ کرنا ہو تو ضروری نہیں کہ اُس کے ہر فرد کو قتل کر دیا جائے بلکہ اتنا ہی کیا جائے کہ اس خاندان کے سربراہ کا دماغ خراب کر دو۔ اسے عیش و عشرت میں ڈال دو اور اسے یہ یقین دلا دو کہ تم آدمی دنیا کے بادشاہ ہو اور تم

Scanned by iqbalmt

جیسا کوئی نہیں۔ اس پر کوئی نشہ طاری کر دو۔ ایک خوبصورت اور چالاک عورت سے بڑھ کر کوئی ایسا نشہ نہیں جو کسی زاہد اور پارسا کی توبہ اور قسمیں نہ توڑ سکے۔ کسی خاندان کو تباہ کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس خاندان پر ایک شیطان عورت آسیب کی طرح غالب کر دو۔ تم نے ایسے خاندان دیکھے ہوں گے جو عورت اور دولت پر تباہ ہوئے ہیں"۔

"یا امام!" ۔۔۔ ایک مصاحب نے کہا ۔۔۔ "ہم نے دیکھ لیا ہے"۔

"کسی سلطنت کو تباہ کرنا ہو تو" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "اُس کے حکمران کو عظمت کے راستے سے ہٹا دو اور اُس کے دل سے رعایا کی محبت نکال دو پھر بھی کام نہ بنے تو اسے قتل کر دو"۔

"یا امام!" ۔۔۔ ایک مصاحب نے پوچھا ۔۔۔ "یہ کام تو ہو گیا۔ اب بتائیں کہ اس سے آگے کیا کرنا ہو گا"۔

"یہ کام وہ لڑکی کرے گی" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ لڑکی بڑی تیز ہے اور اپنا کام کرنے کے لئے ہر ڈھنگ کھیل سکتی ہے۔ اس لڑکی کا انتخاب میں نے خود کیا تھا۔ اب یہ کرنا ہے کہ کوئی ایسا عقل مند آدمی مَرو جائے جو روزینہ کے ساتھ رابطہ رکھے..... مجھے کون بتا سکتا ہے کہ یہ لڑکی قابلِ اعتماد ہے اور جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ کر لے گی"۔

"میں بتا سکتا ہوں یا امام!" ۔۔۔ ایک آدمی بولا ۔۔۔ "اس کی تربیت میری نگرانی میں ہوئی ہے۔ مَرو میں اس کے ساتھ ایک تجربہ کار آدمی اور دو بڑی خرانٹ عورتیں موجود ہیں"۔

"تم جانتے ہو ہم نے مَرو میں کیا کرنا ہے" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "ہمارے اس فدائی نے وہاں زمین ہموار کر دی ہے۔ اس نے سلطنتِ سلجوقیہ کا سر کاٹ دیا ہے۔ اب اس کا باقی جسم دو حصوں میں کاٹنا ہے"۔

"ہاں امام!" ۔۔۔ ایک آدمی نے کہا ۔۔۔ "سلطنتِ سلجوقیہ کے دارالسلطنت میں خانہ جنگی کرانی ہے۔ یہ کام روزینہ کرا لے گی"۔

"ملک شاہ کا بڑا بیٹا برکیارق جوان آدمی ہے" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی میں اس کی فطرت اور خصلت کے متعلق تمام معلومات حاصل

کر چکا ہوں۔ وہ تو یوں سمجھو جیسے موم ہے۔ اگر روزینہ ثابت قدم رہی تو وہ اس موم کو پگھلا کر اپنے سانچے میں ڈھال لے گی۔ روزینہ بہت ہی حسین لڑکی ہے۔ میں اسے ذاتی طور پر جانتا ہوں"۔

"یا امام!" ۔۔۔ اُس کے ایک مصاحب نے کہا ۔۔۔ "آپ یہ بات کیوں دُہراتے ہیں ایک بار آپ نے ہم سب کو بتا دیا ہے کہ ملک شاہ کے قتل کے بعد کیا کرنا ہے۔ یہ ہم پر چھوڑیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے یا نہیں"۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو" ۔۔۔ حسن بن صباح نے کہا ۔۔۔ "کہ میرے حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو ان سب کا کیا انجام ہو گا جنہیں یہ حکم دیا گیا تھا"۔

○

یہ داستان اُس دَور میں داخل ہو گئی تھی جو بلاشک و شبہ حسن بن صباح کا دَور تھا۔ ابلیسیت نُقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اس سے مَرو اور رے جیسے شہر بھی محفوظ نہیں رہے تھے۔

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ حسن بن صباح نے ایک جنّت بنائی تھی۔ اس جنّت میں جو داخل ہوتا تھا وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے کچھ عرصے کے لئے وہاں سے نکال لیا جاتا تو وہ واپس اسی جنّت میں جانے کو تڑپتا تھا۔ اسے کہا جاتا کہ وہ فلاں فلاں بڑی شخصیت کو قتل کر آئے تو وہ ہمیشہ اسی جنّت میں رہے گا۔ اس طرح وہ آدمی جا کر دو تین بتائے ہوئے آدمیوں کو قتل کر دیتا اور بعد میں اسے بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس جنّت کی حقیقت اس سے کچھ مختلف تھی جو تاریخ نے بیان کی ہے۔

بیشتر مؤرخوں نے حسن بن صباح کی جنت کو جس طرح بیان کیا ہے اس کی تفصیل "آئمۂ تلبیس" میں ان الفاظ میں ملتی ہے: "حسن بن صباح نے جانبازوں کی ایک جماعت تیار کی اور اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے ان کی لوحِ دل پر یہ بات ثبت کرا دی کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح تمام دنیا کا مالک اور اس دنیا میں بڑا قادر ہے۔ اس تعلیم و تلقین کے علاوہ اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس کی وجہ سے اس جماعت کو جان سپاری پر آمادہ کرنا بالکل چٹکی بجانے کا کام تھا.....

"اس نے قلعہ الموت کے اردگرد نظر فریب مرغزاروں اور جاں بخش نزہت گاہوں میں نہایت خوبصورت محل، بُرج اور کوشکیں تعمیر کروائیں۔ عالیشان محلات کی

Scanned by iqbalm

دلآویزی اور خوشنمائی' باغوں اور مرغزاروں کی نزہت اور تر و تازگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ ان کے بیچوں بیچ جنّت کے نام سے ایک نہایت خوش نما باغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان مہیّا کئے جو انسان کے لئے موجب تفریح ہو سکتے ہیں' مثلاً اشیائے تعیش' ہر قسم کے میوہ دار درخت' پھول' چینی کے خوبصورت ظروف' بلوری' طلائی اور نقرئی سامان' بیش قیمت فرش' یونان کے اسبابِ تعیشات' پُر تکلف سامان خورد و نوش' نغمہ و سرور' جنّت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنوایا.....

"نلوں کے ذریعے سے محلات میں پانی' دودھ' شراب اور شہد جاتا تھا۔ ان سب لذائذ کے علاوہ دل بہلانے کے لئے پری تمثال کمسن نازنینیں موجود تھیں۔ ان ماہوشوں اچھوتیوں کی سادگی وضع اور ان کے حسن و جمال کی دلربائی وہاں دیکھنے والوں کو یہ یقین دلاتی تھی کہ یہ عالمِ سفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کی پیکر ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ اس جنّت میں داخلے کے بعد زائر کے دل پر فرحت کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت اور مسرّت کو دنیاوی نہیں بلکہ اخروی یقین کرے.....

"یہاں کے حور و غلمان کا تمام کاروبار بالکل رازداری سے انجام پاتا تھا۔ ہر وہ چیز جس کی باہر سے مہیّا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی' اس حُسنِ اسلوب سے فراہم کی جاتی تھی کہ کسی کو کبھی سراغ نہ لگ سکتا تھا.....

"حسن بن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ کے خوبصورت' تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر بیان باور کرنے اور ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی' فدائین کی جماعت میں بھرتی کر لیتا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن بن صباح کے ہر ایک حکم کی بلاعذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے تھے.....

"بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں' شاید ان ایام میں ایک غیر معلوم اور غیر معمولی چیز تھی اور غالباً" حسن بن صباح ہی پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہوگا۔ جب فدائی امیدواری کا دور ختم کر لیتا تو حسن بن صباح اسے بھنگ کے اثر سے بے ہوش کر کے جنت میں بھجوا دیتا جہاں وہ جاں پرور حوروں کی گود میں آنکھ کھولتا اور اپنے آپ کو ایسے عالم میں پاتا جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں شاید بڑے بڑے شاہانِ عالم کو بھی نصیب نہیں تھیں.....

"یہاں وہ انواع و اقسام کی نزہت گاہوں کی سیر کرتا' حوروں کے حسن سے

آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا' ان کی صحبت اس کی جاں ستانی کرتی اور ان مہوشوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر مئے ارغوانی کے جام اڑاتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں اور بہترین قسم کے میوے کھاتا اور ہر طرح کے تعیشات میں محو رہتا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ان محبت شعار حوروں کی محبت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ جاتا کہ پھر مدت العمر مٹ نہ سکے' تب وہی حوریں بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح کے پاس بھجوا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کر وہ اپنے تئیں شیخ کے قدموں میں پاتا اور جنت کے چند روزہ قیام کی خوشگوار یاد اُس کو سخت بے چین کر دیتی.....

"حسن بن صباح اس کو جنّت میں بھیجے جانے کی پھر امید دلاتا اور کہتا کہ جنّت کے دائمی قیام کی لازمی شرط جاں ستانی اور جاں سپاری ہے۔ وہ شخص جس کے دل پر گزشتہ لذات اور عیش و عشرت کا اثر اتنا مضبوط پڑ چکا تھا اور حوروں کی ہم نشینی کی تصویر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی' وہ حسن بن صباح کے احکام کی تعمیل میں کس طرح کوتاہی کر سکتا تھا!.....

"چنانچہ جب حسن بن صباح کو کسی دشمن کا قتل کرانا منظور ہوتا تھا تو ایک فدائی نوجوان کو حکم دیتا کہ جا فلاں شخص کو قتل کر کے قتل ہو جا' مرنے کے بعد فرشتے تجھے جنّت میں پہنچا دیں گے.....

"یہ فدائی اپنے حوصلے سے بڑھ کر مستعدی دکھاتا تاکہ کس طرح جلد جنت میں پہنچ کر وہاں مسرّتوں سے ہمکنار ہو۔ یہی وہ خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا بھی اشارہ دیا جاتا وہ وہاں کوئی روپ بھر کر جاتے' رسائی اور آشنائی پیدا کرتے' اس کے معتمد بنتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے تھے"۔

تاریخ کی یہ تحریری شہادت مصدقہ تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اُس دور میں محلات کی تعمیر چند دنوں یا چند مہینوں میں ناممکن تھی۔ جس قسم کے محلات مؤرخوں نے بیان کئے ہیں ان کی تعمیر کیلئے پچیس تیس سال درکار تھے۔ پھر پھل دار درختوں کا جو ذکر آتا ہے' وہ اس لئے مشکوک ہے کہ درخت اتنی جلدی تناور نہیں ہو سکتا کہ وہ پھل اور میوہ جات دینے لگتا۔ مؤرخوں اور ان کے بعد آنے والے تاریخ نویسوں نے ایک دوسرے کی تحریروں میں زیبِ داستان اور مبالغہ آرائی کے ذریعے اضافے کئے اور ہمارے سامنے

Scanned by Iqbalmt

اس جنت کا نقشہ آ گیا جو اللہ کی بنائی ہوئی جنت سے بھی زیادہ خوشنما اور دل فریب لگتا ہے۔ دودھ شہد اور شراب کے نلکوں کو تو شاید تصور میں لایا جا سکے اور لایا بھی جا رہا ہے لیکن ان کا وجود بھی مشکوک ہے۔

پھر یہ سب کیا تھا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ حسن بن صباح نے جنت بنائی تھی۔ اس کے قاتل فدائین نے اسی جنت میں جنم لیا تھا۔ ان قاتلوں کی اگلی نسلیں حسن بن صباح کی موت کے بعد بھی قاتل ہی کہلاتی رہیں اور ان نسلوں نے کرائے کے قتل کی وارداتوں میں نام حاصل کیا تھا۔

داستان گو قبل از مسیح کے دور میں کچھ دیر کیلئے جاتا ہے۔ ایسی ایک جنت کا ذکر یونان کی دیو مالائی داستانوں میں ملتا ہے۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب یونان والوں نے پوجا کرنے کیلئے کئی دیو تا اور دیویاں تخلیق کر لی تھیں۔ یہ معبود آسمانوں پر بھی رہتے تھے اور زمین پر بھی۔ ایک داستان میں اس جنت کا ذکر ملتا ہے جس کی خوشنمائی اور دلکشی کی تفصیلات پڑھو یا سنو تو حسن بن صباح کی جنت سامنے آ جاتی ہے لیکن وہ یونانی داستان لکھنے والے تھے جنہوں نے اس جنت کی حقیقت بھی بیان کر دی تھی۔ اس جنت کا تجزیہ آج کے سائنسی دور میں جب دیگر علوم بھی نقطہ عروج پر ہیں، کرو تو یقین آ جاتا ہے کے وہ جنت ہی تھی لیکن اس کی حقیقت کیا تھی؟

حقیقت یہ تھی کہ یونان میں ایک پہاڑ تھا۔ اس پہاڑ میں ایک غار تھا جو دور اندر تک چلا گیا تھا لیکن سیدھا نہیں بلکہ بھول بھلیوں کی صورت میں۔ اُس وقت کے بادشاہ نے اس غار کے اندر کوئی ایسی جڑی بوٹیاں رکھ دی تھیں جن کی بُو اس سارے غار میں پھیل گئی تھی۔ تھوڑے تھوڑے عرصے بعد یہ جڑی بوٹی ترو تازہ پھر وہاں بکھیر آتے تھے۔

بادشاہ اپنے کسی مخالف کو یا کسی اور وجہ سے کسی آدمی کو کوئی لالچ دے کر اس غار میں بھیج دیتا تھا۔ وہ شخص اس غار میں دور اندر تک جاتا تو اسے اندر حوریں نظر آنے لگتی تھیں اور اسے یوں نظر آتا جیسے وہ اس کے استقبال کیلئے بے تاب ہوں وہ ان حوروں کے ساتھ عیش و عشرت کرتا اور پھر اسے یہ حوریں ایسے ایسے کھانے پیش کرتیں جو زمین پر رہنے والے انسانوں نے کبھی دیکھے اور کبھی سنے نہیں تھے۔ یہ تجربہ بھی کیا گیا کہ اندر

جانے والے اور کچھ دن اندر رہنے والے شخص کو باہر لائے تو وہ مرنے مارنے پر اُتر آیا اور دوڑ کر پھر غار میں چلا گیا۔ وہ اس جنت میں سے کسی قیمت پر نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پھر اندر چلا جاتا اور چند دنوں میں ہی مر جاتا اور تھوڑے عرصے بعد اس کی ہڈیاں رہ جاتیں۔

حقیقت یہ تھی کہ اس غار کے اندر چھوٹی چھوٹی چٹانیں ستونوں کی طرح ابھری ہوئی تھیں اِن چٹانوں کو وہ حور و غلمان سمجھ لیتا تھا اور یہ چٹانیں اسے حور و غلمان ہی کی شکل میں نظر آتی تھیں۔ وہ جو مرغن اور عجیب و غریب کھانے کھاتا تھا وہ کنکریاں اور مٹی ہوتی تھی۔

یہ اس بُو کا اثر تھا جو جڑی بوٹیوں سے اٹھتی اور غار کی اندرونی فضا میں پھیلی رہتی تھی۔ اس بُو میں نشے کا ایسا اثر تھا جو ذہن کو انتہائی خوبصورت اور دل فریب تصور دیتا تھا۔ یہ دیو مالائی داستان بہت ہی طویل ہے جس میں تخیلاتی اور ان ہونے واقعات بھی شامل کئے گئے ہیں لیکن داستان لکھنے والے نے دانشمندی کا یہ ثبوت دیا ہے کہ اس جنت کی اصل حقیقت پوری طرح بیان کر دی ہے۔

داستان گو ضروری سمجھتا ہے کہ یونان کی اس دیو مالائی داستان کا ایک باب مختصراً بیان کر دے۔ اس میں وہ عقل و دانش کا راز نظر آتا ہے جو ہر انسان کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔ یہ داستان لکھنے والا لکھتا ہے کہ ایک شہزادے کے دل میں یہ خواہش ابھری کے وہ اس غار میں جائے اور اس جنت میں دو تین دن گزار کر واپس آ جائے۔ اس نے اپنے بوڑھے اتالیق سے اپنی اس خواہش کا ذکر کیا تو بزرگ اتالیق نے اسے سمجھایا کے اس جنت کی حقیقت کیا ہے۔ شہزادہ چونکہ شہزادہ تھا اس لیے وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور اس نے اتالیق کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کے ساتھ اس غار تک چلے۔

اتالیق نے دھاگے کا ایک گولا اٹھایا اور شہزادے کو ساتھ لے کر اس پُراسرار غار تک چلا گیا اس نے دھاگے کا ایک سرا شہزادے کی ایک کلائی سے باندھ کر کہا کہ تم غار کے اندر چلے جاؤ۔ اندر بھول بھلیاں ہیں جن میں تم گم ہو جاؤ گے۔ ان میں سے تم نکل نہیں سکو گے۔ تمہیں یاد ہی نہیں رہے گا کہ تم کس راستے سے اندر آئے تھے۔ یہ دھاگہ ٹوٹنے نہ دینا۔ میں باہر بیٹھ جاؤں گا اور دھاگہ کھولتا جاؤں گا۔ جہاں تمہیں حوریں اور ایسی ہی چیزیں نظر آنے لگیں وہیں سے اس دھاگے کو پکڑ کر واپس آ جانا۔ یہ دھاگہ تمہاری راہنمائی کرے گا۔

Scanned by Iqbalm

شہزادہ غار میں داخل ہو گیا اور بزرگ اتالیق دھاگہ ڈھیلا کرتا گیا کرتا گیا حتیٰ کہ بڑا ہی لمبا دھاگہ شہزادے کے ساتھ غار کے اندر چلا گیا۔ دن گذر گیا مگر شہزادہ باہر نہ آیا۔ یہاں کئی اور واقعات بیان کئے گئے ہیں لیکن داستان گو اس کا صرف ایک حصہ پیش کرتا ہے۔

بزرگ اتالیق نے جب دیکھا کہ شہزادہ ابھی تک باہر نہیں آیا وہ دھاگے کا باقی گولا باہر رکھ کر دھاگے کو پکڑ پکڑ کر غار کی بھول بھلیوں میں جاتے جاتے شہزادے تک پہنچ گیا۔ خود اس معمر اور دانشمند اتالیق کو حسین و جمیل چیزیں نظر آنے لگیں مگر اس نے اپنی ناک پر کپڑا باندھ لیا اور شہزادے تک جا پہنچا۔ شہزادہ مٹی کھا رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا اور بازو پھیلا کر یوں اپنے سینے پر سمیٹ لیتا تھا جیسے اس نے اپنے بازوؤں میں کوئی چیز دبوچ لی ہو۔ اتالیق، شہزادے کو گھسیٹ گھسیٹ کر باہر لایا۔ اگر دھاگہ ٹوٹ جاتا تو دونوں باہر نہ نکل سکتے۔

باہر آکر شہزادہ اپنے اتالیق سے الجھ پڑا اور پھر غار کی طرف دوڑا۔ اتالیق نے اسے پکڑ لیا لیکن اتالیق بوڑھا اور شہزادہ نوجوان تھا۔ شہزادے کو بے بس کرنے کیلئے اس کے سر کے پچھلے حصے پر پتھر کی ضرب لگائی۔ شہزادہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شہزادہ جب ہوش میں آیا تو اُس نے اٹھ کر فوراً اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اسے غار کا دہانہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اتالیق سے پوچھا۔ اتالیق نے اسے اپنے پاس بیٹھا لیا اور کہا کہ اپنے منہ میں انگلیاں ڈالو اور انگلیاں دیکھو۔ شہزادے نے اپنے منہ میں ایک انگلی پھیری تو اسے کچھ مٹی نظر آئی جو اس کی انگلی کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اس وقت اس نے محسوس کیا کہ اس کے دانتوں کے درمیان ریت اور مٹی موجود ہے۔ اس نے تھوکا تو تھوک مٹیالے رنگ کا تھا۔ شہزادے نے اپنے دانشمند اتالیق کی طرف حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میرے عزیز شہزادے!" — اتالیق نے کہا — "میں آج تمہیں ایک ایسا سبق دوں گا جو مرتے دم تک تمہیں فریب کاروں اور بے وفا لوگوں کے دھوکوں سے بچائے رکھے گا۔ اس غار کے اندر کوئی جنت نہیں نہ کوئی حور ہے اور نہ حوروں جیسے لڑکے اور نہ ہی وہاں آسمان سے اترے ہوئے کھانے ہیں اور نہ ہی وہاں کوئی ایسی شراب ہے جسے تم سمجھتے ہو زمین پر نہیں ملتی۔ یہ جنت ہر انسان کے اپنے ذہن میں موجود ہے۔ ہر انسان

زندگی کے حقائق سے بھاگ کر اپنے ذہن کی جنت میں چلا جانا چاہتا ہے لیکن اس کے ہوش و حواس اس حد تک بیدار رہتے ہیں کہ وہ تصور کو تصور ہی سمجھتے ہیں۔ اس غار میں ایک خاص بوٹی کی بُو چھوڑی گئی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن سے یہ حقیقی زندگی نکل جاتی ہے اور جو حسین تصور انسانی ذہن نے تخلیق کئے ہوتے ہیں وہ حقیقت بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ انسان کی بیداری والی حس سو جاتی ہے اور تصورات بیدار ہو جاتے ہیں.....

"تمہارے پھیپھڑوں میں یہ بُو گئی اور تمہارے دماغ پر قابض ہو گئی پھر تم حقیقت سے کٹ گئے اور تمہارے ذہن نے جو خوبصورت تصورات تخلیق کر رکھے تھے وہ باہر تمہارے سامنے حوروں اور جنت نظیر ماحول کی صورت میں سامنے آ گئے۔ انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ انسان ذہن کا غلام ہوتا ہے۔ تخریبی قوتوں کا حملہ ذہن پر ہوتا ہے۔ ان ہی تخریبی اور سفلی قوتوں کو شیطان کہا گیا ہے..... میں نے تمہاری کلائی کے ساتھ دھاگہ باندھ دیا تھا اور اس کا دوسرا سرا میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ غور کرو شہزادے! میں حقیقی زندگی میں بیٹھا ہُوا تھا اور تم تصورات میں گم ہو گئے تھے لیکن یہ دھاگہ حقیقت اور تصور کے درمیان ایک رشتہ تھا۔ یہ دھاگہ ٹوٹ جاتا تو تم ہمیشہ کیلئے حقیقی زندگی سے کٹ جاتے۔ یاد رکھو حسین تصورات اور حقیقی زندگی کے درمیان صرف ایک کچا دھاگہ حائل ہے۔ جس نے اس دھاگے کو توڑ ڈالا وہ اپنی موت خود مرا اور جس نے اس دھاگے کو ٹوٹنے نہ دیا وہ بھٹک کر بھی تو واپس حقیقت میں آ ہی گیا.....

"یہ ایک نشہ ہے جو کسی جابر بادشاہ پر بھی طاری ہو جائے تو وہ حسین تصوروں میں جا پڑتا ہے اور تھوڑے ہی عرصے بعد گم ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اپنے دشمن کو قتل کروا دیتے ہیں۔ دشمن کو مارنے کا بہترین اور بڑا ہی حسین طریقہ یہ ہے جو ہمارے بادشاہ نے اختیار کیا ہے۔ دشمن کو کسی نشے میں مبتلا کر کے اس میں یہ غلط احساس پیدا کر دو کہ تم تو ساری دنیا کے بادشاہ ہو اور اتنے خُوب رُو ہو کہ کسی بھی دیس کی شہزادیاں تم پر مرمٹیں گی۔ اس کی زندہ مثال تم اس غار کے اندر دیکھ آئے ہو۔ تمہارے لئے سبق یہ ہے کہ اپنے ذہن کو اپنے قابو میں رکھو' اپنے ہوش و حواس کو اپنے ذہن کے حوالے کبھی نہ کرو اور بچو اس نشے سے جو نیک و بد کا احساس ہی مٹا دے لیکن انسان کی فطرت اتنی کمزور ہے کہ وہ لذت اور عیش کو فوراً قبول کر لیتی ہے اور انسان کا حلیہ ہی بگاڑ دیتی اور اسے تباہی کی

Scanned by iqbalmt

گہری کھائی میں پھینک دیتی ہے۔"

○

آج کی سائنس نے قدیم زمانے کے اسرار کو بے نقاب کر دیا ہے۔ کوئی انسان غصے سے باؤلا ہو جائے' درندہ بن جائے اور مرنے مارنے پر اتر آئے تو چھوٹی سے ایک گولی یا ذرا سا ایک انجکشن اسکے ذہن کو سُلا دیتا ہے اور وہ کمزور سا ایک انسان بن جاتا ہے۔ اب تو ایسے ملزموں کو جو اپنے جرم کا اقبال نہیں کرتے' دھوکے میں کھانے یا پینے کی اشیاء میں ذرا سی دوائی ملا کر دی جاتی ہے اور پھر اس کے ساتھ ایسی باتیں کی جاتی ہیں جیسے وہ بہت بڑی شخصیت ہو اور حسین ترین لڑکیاں اس پر جان نثار کرتی ہوں' اور اسے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر بہادر' دلیر اور دانشمند ہے کہ اس نے وہ جرم کیا ہے جو اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس طرح دو چار مرتبہ اسے یہ دوائی کھانے پینے میں دی جاتی ہے اور وہ بڑے فخر سے اپنے جرم کا اقبال ہی نہیں کرتا بلکہ ہر ایک تفصیل سنا دیتا ہے اور اپنے ساتھیوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

حسن بن صباح کی جنت کا زیادہ تر تعلق انسانی ذہن ہی سے تھا۔ تاریخوں میں جو تفصیلات آئی ہیں' ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اختلاف ہے بھی لیکن یہ ایک مصدقہ امر ہے کہ حسن بن صباح اپنے فدائین کو حشیش پلاتا تھا۔ حشیش کے جو اثرات ذہن پر مرتب ہوتے ہیں وہ اُن تمام نشئی اشیاء کے اثرات سے مختلف ہیں جو انسان استعمال کرتے ہیں۔

حشیش پی کر انسان نے اگر ہنسنا شروع کیا تو وہ نشہ اترنے تک ہنستا ہی چلا جائے گا اور اگر وہ رونے پر آیا تو گھنٹوں روتا ہی رہے گا۔ کسی انسان کو آہستہ آہستہ حشیش پلاتے رہیں اور ساتھ ساتھ کوئی بڑا ہی حسین منظر الفاظ میں بیان کرتے رہیں تو وہ شخص ایسے ہی منظر میں چلا جائے گا خواہ اس منظر کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو۔

تاریخ میں یہ بالکل صحیح لکھا گیا ہے کہ جس دانشمندی سے حسن بن صباح نے حشیش کو استعمال کیا ہے اس طرح اُس وقت تک اور کوئی نہیں کر سکا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن بن صباح غیر معمولی طور پر دانشمند آدمی تھا۔

یونان کی دیو مالائی داستان کی جنت اور حسن بن صباح کی جنت میں فرق یہ تھا کہ اس یونانی داستان میں ایک غار تھا جس میں چھوٹی چھوٹی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں اور وہاں

کنکریاں اور مٹی تھی لیکن حسن بن صباح نے جس علاقے میں جنت بنائی تھی' وہ بڑا ہی حسین اور روح افزا جنگل تھا۔ اس جنگل میں پھل دار درخت بھی تھے اور پھول دار خودرَو پودے بھی تھے۔ ایسے اور بھی بہت سے پودے وہاں اگائے گئے تھے اور اس خطے کو کانٹ چھانٹ کر مزید خوبصورت بنا دیا گیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قلعہ الَموُت بلندی پر تھا اور اس کا اپنا ایک حُسن تھا۔ یہ قلعہ بنانے والوں نے اس کی خوبصورتی کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔

حسن بن صباح کے ہاں نوجوان اور بڑی ہی حسین لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ اس کا ایک گروہ دن رات قافلے لوٹنے میں لگا رہتا تھا۔ یہ گروہ قافلوں سے سونے چاندی کے علاوہ نقد رقمیں لُوٹ لیتا تھا اور اس کے ساتھ ہی کمسن بچیوں کو بھی اٹھا لاتا تھا۔ ان بچیوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی لیکن ان پر ذرا سا بھی ظلم اور تشدد نہیں کیا جاتا تھا۔ انہیں بڑی خوبصورت زندگی مہیا کی جاتی تھی اور اس کے ساتھ انہیں مردوں کے دلوں پر قبضہ کرنے کی خصوصی تربیت دی جاتی تھی۔ ان لڑکیوں کے ہاتھوں فدائین کو تیار کرنے کے لئے حشیش پلائی جاتی تھی۔ حشیش پلا کر یہ لڑکیاں ان کے ساتھ ایسی باتیں کرتی تھیں جن سے انہیں یہ تاثر ملتا تھا کہ وہ اتنے بہادر ہیں کہ جسے چاہے قتل کر دیں اور چاہیں تو ساری دنیا کو فتح کر لیں۔

مختصر یہ کہ حسین اور نوجوان لڑکیوں اور حشیش کے ذریعے ان آدمیوں کے ذہنوں پر قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ وہاں کا قدرتی ماحول اپنا ایک اثر رکھتا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس شخص کو اس ماحول' ان لڑکیوں اور حشیش سے محروم کر کے قلعے کے تہ خانے میں پہنچا دیا جاتا تھا وہ شخص تڑپتا اور کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ اس کیفیت میں اسے حسن بن صباح کے سامنے لے جایا جاتا اور تاثر یہ دیا جاتا کہ حسن بن صباح ساری دنیا کا بادشاہ ہے اور وہ جسے چاہے جنت عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔

اس شخص کی اس ذہنی اور جذباتی حالت میں حسن بن صباح اپنا جادو چلاتا تھا۔ وہ اسے قتل کرنے اور قتل ہو جانے پر آمادہ کر لیتا تھا۔ بات وہیں پر آتی ہے کہ یہ ان انسانوں کے ذہن تھے جن پر حسن بن صباح قابض ہو جاتا اور انہیں اُس مقام تک لے جاتا تھا جہاں وہ لوگ اس کے اشارے پر جانیں قربان کر دیتے تھے۔

انسان کی سب سے بڑی کمزوری تعیش پرستی ہے۔ اللہ کے بندوں کی یہی وہ دُکھتی

Scanned by iqbalmt

رگ ہے جسے ابلیس اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اسی لئے حسن بن صباح کی جنت کو فردوسِ ابلیس کہا گیا ہے۔

پھر حقائق سے فرار انسان کی دوسری بڑی کمزوری ہے۔ کوئی انسان جب عورت کو فرار کا ذریعہ بناتا ہے تو اس کے ذہن میں فردوسِ ابلیس وجود میں آجاتی ہے پھر اس انسان کو دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ ایسا انسان اللہ کے اس فرمان کو بھی نظرانداز کر دیتا ہے جس میں اللہ نے انسان کو یہ وارننگ دی ہے کہ تم پر جو بھی مصیبت نازل ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی اعمالِ بد کا نتیجہ ہوتی ہے۔

○

حسن بن صباح کا باطنی عقیدہ بڑی تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور بے شمار علاقہ اس کی زد میں آچکا تھا۔ اس عقیدے نے تیزی سے ہی پھیلنا تھا۔ انسان فطری طور پر خود سر اور سرکش واقع ہوا ہے۔ یہ بھی ایک فطری کمزوری ہے۔ اگر کوئی مخلص قائد مل جائے اور وہ کچھ انسانوں کی خودسری اور سرکشی کو منظم طریقے سے کسی نصب العین کے لئے استعمال کرے تو یہ ایک قوت بن جاتی ہے لیکن انہی خودسری اور سرکشی کو انسان جب اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کرتا ہے تو یہ اوصاف اس کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ انسان پابندیاں قبول نہیں کیا کرتا۔ حسن بن صباح نے لوگوں کو جو عقیدہ دیا تھا اس کا نام اسلام ہی رہنے دیا تھا لیکن اس میں ترمیم یہ کی تھی کہ انسان کے باطن میں جو کچھ ہے وہی مذہب ہے۔ اس نے شریعت کو اسلام میں سے نکال دیا تھا۔

وہ پسماندگی کا دور تھا۔ تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ ان علاقوں کے لوگ مسلمان تھے۔ حسن بن صباح نے ان کو مسلمان ہی رہنے دیا اور کمال یہ کر دکھایا کہ انہیں تمام مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد کر دیا۔

اس کا باطنی عقیدہ تیزی سے پھیل رہا تھا پھر بھی سلطان ملک شاہ اس کے راستے میں ایک رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سلطان اس کے خلاف بہت بڑی فوج تیار کر رہا ہے۔ حسن بن صباح نے اپنے ایک فدائی کے ہاتھوں سلطان ملک شاہ کا پتّہ ہی کاٹ دیا تو یہ رکاوٹ راستے سے ہٹ گئی۔ اسے برکیارق کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے مصاحبوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ جوان آدمی ہے جس کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ اُسے ذہنی طور پر بیکار کرنے کے لئے روزینہ کو بھیج دیا تھا جس کے حُسن

و جمال اور انداز میں طلسماتی اثرات چھپے ہوئے تھے۔

اس علاقے میں ابھی کچھ اور قلعے ایسے تھے جو حسن بن صباح کے قبضے میں نہیں آئے تھے۔ وہ اس خیال سے ان قلعوں کی طرف نہیں بڑھتا تھا کہ سلطان ملک شاہ فوج لے کر آجائے گا۔

ان قلعوں میں ایک اہم قلعہ قلعہ ملاذ خان تھا جو فارس اور خوزستان کے درمیان واقع تھا۔ کسی وقت یہ قلعہ ڈاکوؤں اور راہزنوں کے قبضے میں تھا۔ وہ قافلوں کو لوٹتے اور مال اس قلعے میں لا کر جمع کر دیتے تھے۔ قافلوں میں سے انہیں کمسن بچیاں اور نوجوان لڑکیاں ملتی تھیں تو انہیں بھی اس قلعے میں لے آتے تھے۔

ان ڈاکوؤں کے ڈر سے قافلوں کی آمد و رفت بند ہو گئی اور اس کا اثر تجارت پر بھی پڑا۔ لوگ سلطان ملک شاہ کے ہاں گئے اور فریاد کی کہ ان کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ ان دنوں سلطان ملک شاہ جوان تھا اور نیا نیا سلطان ا تھا۔ اس نے اپنے ایک سالار کو حکم دیا کہ وہ اس قلعے پر قبضہ کرے اور ان ڈاکوؤں کا قلع قمع کر دے۔ اس سالار کا نام عفدالدولہ بن بویا تھا۔ سلجوقیوں کی تاریخ کا یہ ایک نامور سالار تھا۔ اس نے ایک روز طوفان کی طرح جا کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ ڈاکو آخر ڈاکو تھے' وہ کوئی جنگجو نہیں تھے۔ سالار بویا نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کمندیں پھینک کر قلعے کی دیواروں پر چڑھیں اور اپنی جانیں قربان کر دیں۔

وہ مجاہدین تھے جنہیں بتایا گیا تھا کہ ان ڈاکوؤں نے کتنے ہی قافلے لُوٹے ہیں اور سینکڑوں کمسن لڑکیوں کو اغوا کیا ہے اور سینکڑوں نہیں ہزاروں گھروں میں صفِ ماتم بچھا دی ہے۔ ان مجاہدین نے جانوں کی بازی لگا دی اور قلعے میں دیواریں پھاند کر داخل ہو گئے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں طوفان کی طرح قلعے میں داخل ہوئے تھے۔ ان کا جذبہ ایسا تھا کہ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اللہ کے حکم سے اس قلعے پر حملہ آور ہوئے ہوں۔

ایک بھی ڈاکو قلعے میں سے زندہ نہ نکل سکا۔ سب کو کاٹ دیا گیا۔ صرف عورتوں اور بچوں کو زندہ رہنے دیا گیا جنہیں سلطان ملک شاہ کے حکم سے دارالسلطنت میں بھیج دیا گیا تھا اور ان سب کو لوگوں کے گھروں میں آباد کر دیا گیا تھا۔

سلطان ملک شاہ نے یہ قلعہ اپنے ایک رئیس میراز کو بطور جاگیر دے دیا۔ اس کے

Scanned by iqbalmt

تھوڑا ہی عرصہ بعد حسن بن صباح نے اپنا ایک وفد اس رئیس کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ یہ قلعہ خریدنا چاہتا ہے۔ رئیسِ قلعہ نے صاف انکار کر دیا اور پیغام کا جواب یہ دیا کہ آئندہ کوئی باطنی اس قلعے میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرے۔

قافلے محفوظ ہو گئے اور اس وسیع قلعے میں لوگ آ آکر آباد ہونے لگے' حتیٰ کہ یہ ایک شہر کی صورت اختیار کر گیا۔ حسن بن صباح کی نظر ہمیشہ اس قلعے پر لگی رہی لیکن اس نے ظاہر یہ کیا کہ اسے اس قلعے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔

سلطان ملک شاہ قتل ہو گیا تو حسن بن صباح نے اپنے خاص مصاحبوں سے کہا کہ اب قلعہ ملاذ خان اپنے قبضے میں آجانا چاہئے۔

○

رئیسِ قلعہ بن بویا شام کے وقت اپنے مصاحبوں میں بیٹھا ہوا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ ایک سفید ریش بزرگ اسے ملنے آئے ہیں۔ بن بویا بااخلاق اور صاحبِ کردار رئیس تھا۔ وہ اس بزرگ کو اندر بلانے کی بجائے خود اس کے استقبال کے لئے چلا گیا۔ اسے بڑے تپاک اور احترام سے ملا اور اندر لے آیا۔

"رئیس قلعہ!" — بزرگ نے بن بویا کے کان میں سرگوشی کی — "میں علیحدگی میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں"۔

بن بویا اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"رئیسِ قلعہ!" — بزرگ نے بات شروع کی — "میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں باطنی ہوں..... آپ نے اس قلعے میں باطنیوں کا داخلہ بند کر رکھا ہے"۔

"پھر آپ اس قلعے میں کس طرح داخل ہوئے؟" — بن بویا نے ذرا تحکمانہ لہجے میں کہا — "کیا دروازے پر آپ سے کسی نے پوچھا نہیں تھا کہ آپ کون ہیں؟"

"پوچھا تھا!" — بزرگ نے جواب دیا — "میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں اہلِ سُنت ہوں..... اب آپ پوچھیں گے کہ میں نے جھوٹ کیوں بولا؟..... میرا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو' میں تارک الدنیا ہوں اور میرے دل میں بنی نوعِ انسان کی محبت ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے کشف کی طاقت دی ہے۔ میں اس قلعے میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا نہ میرا یہاں کوئی کام تھا۔ میں اس قلعے کی دیوار کے ساتھ جاتے ہوئے راستے پر

جا رہا تھا کہ مجھے ایک اشارہ سا ملا اور میں نے گھوڑا روک لیا۔ کوئی طاقت جو کشف کی طاقت ہی ہو سکتی ہے' مجھے قلعے کی دیوار کے قریب لے آئی۔ مجھے صاف اور واضح اشارہ ملا کہ قلعے کے اندر خزانہ دفن ہے۔ میں نے فوراً" تسلیم کر لیا کہ یہاں خزانہ دفن ہونا چاہئے تھا اور یقیناً" ہے کیونکہ یہ قلعہ صدیوں سے ڈاکوؤں کے قبضے میں تھا۔ جہاں ڈاکو ہوتے ہیں وہاں کی زمین میں خزانے کا مدفون ہونا لازمی ہوتا ہے"۔

"کیا آپ مجھے اس خزانے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں؟" — بن بویا نے کہا — "اس کے بعد آپ یہ کہیں گے کہ میں آدھا خزانہ آپ کو دینے کا وعدہ کروں تو آپ خزانے کی نشاندہی کریں گے"۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ میں تارک الدنیا ہوں" — بزرگ نے کہا — "میں نے خزانہ حاصل کر کے کیا کرنا ہے۔ میں خزانے کی نشاندہی کر دوں گا لیکن شرط یہ نہیں ہو گی کہ آدھا خزانہ مجھے دیں بلکہ شرط یہ ہو گی کہ اس خزانے میں لوگوں کا لُوٹا ہُوا مال ہے۔ اس خزانے کے لئے ڈاکوؤں نے نہ جانے کتنے سو یا کتنے ہزار آدمی مار ڈالے ہوں گے۔ یہ خزانہ نہ میرا ہے نہ آپ کا۔ میں اس کی نشاندہی کروں گا لیکن اس شرط پر کہ اس خزانے کا صرف چالیسواں حصہ آپ لیں گے باقی سب غریبوں میں تقسیم کر دیں گے"۔

"ہاں بزرگوارِ محترم!" — بن بویا نے کہا — "میں خزانہ غریبوں میں تقسیم کر دوں گا..... کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ خزانہ کتنا کچھ ہے؟"

"نہیں!" — بزرگ نے جواب دیا — "یہ بتانا مشکل ہے لیکن یہ بتایا جا سکتا ہے کہ خزانہ خاصا زیادہ ہے..... ایک بات اور بھی ہے جو ذرا تحمّل سے سنیں۔ آپ ہم باطنیوں کو کافر کہتے ہیں۔ میں کبھی خود بھی شک میں پڑ گیا تھا لیکن جب مجھے کشف ہونے لگا تو یہ خیال آیا کہ میں کافر ہوتا تو اللہ کی ذات مجھے کشف کی طاقت نہ عطا کرتی۔ آج مجھے اس خزانے کا اشارہ ملا تو میں نے پہلے یہ سوچا کہ خزانہ ہے تو پڑا رہے' مجھے اس سے کیا! خیال آگیا کہ نہیں یہ خزانہ اللہ کے بندوں کے کام آنا چاہئے۔ اس پر مجھے اشارہ ملا کہ یہ غریبوں میں تقسیم ہو۔ میں بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک بار ہمیں موقع دیں کہ ہم آپ کے ساتھ باطنی عقیدے پر بات کر سکیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہمارے عقیدے میں آجائیں' البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ

Scanned by iqbalm

دیں"۔

"کیا آپ ہم سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں؟" — رئیس قلعہ بن بویا نے پوچھا — "اگر ایسی بات ہے تو مناظرہ آپ کریں گے یا کوئی اور آئے گا؟"

"میں مناظرے کی بات نہیں کر رہا" — بزرگ نے کہا — "مناظرے کا مطلب ہوگا کہ ہم آپ کو جھٹلانے کی کوشش کریں گے..... نہیں رئیس قلعہ!..... میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں نہ میں آپ کی توہین کرنے کا خواہشمند ہوں۔ میں اپنا مطلب پھر واضح کر دیتا ہوں کہ ہمیں بات کرنے کا موقع دیں تاکہ ہم آپ کا دل صاف کر سکیں"۔

"کیا آپ خزانے کی بات اس کے بعد کریں گے؟" — بن بویا نے پوچھا — "یا آپ یہ کوشش کریں گے کہ میں آپ کے عقیدے کو قبول کر لوں؟"

"نہیں رئیس قلعہ!" — بزرگ نے جواب دیا — "خزانے کی بات الگ ہے۔ میں وہ بھی کروں گا۔ میں آپ کے ساتھ ہو کر خزانے کی نشاندہی کروں گا۔ عقیدوں کی میں نے جو بات کی ہے وہ تو میں نے آپ سے اجازت مانگی ہے۔ آپ اس قلعے کے مالک ہیں، اجازت نہ دیں گے تو میں آپ کا کیا بگاڑ لوں گا، میرے دل میں اللہ کے ہر بندے کی محبت ہے"۔

بن بویا ایک تو اس بزرگ کی باتوں سے متاثر ہوا اور خزانے کی موجودگی نے تو اس کا دماغ ہی پھیر دیا۔ خزانہ انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مدفون خزانہ کوئی عجوبہ نہیں ہوتا تھا۔ اس دور میں قدیم بادشاہ بھی اپنے خزانے کا کچھ حصہ کسی خفیہ جگہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ چونکہ یہ قلعہ ڈاکوؤں اور راہزنوں کا تھا اس لئے رئیس قلعہ بن بویا نے فوراً تسلیم کر لیا کہ یہاں خزانہ دفن ہے۔ ... خزانوں کے متعلق دو روایات مشہور تھیں جو آج بھی سنی سنائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جہاں خزانہ دفن ہوتا ہے وہاں ایک بڑا ہی زہریلا سانپ ہوتا ہے جو خزانے کے قریب آنے والے کو ڈس لیتا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خزانہ زمین کے اندر رہتا رہتا ہے اور اصل جگہ سے دور پہنچ جاتا ہے۔ ایک عقیدہ ہے کہ خزانے کی سراغرسانی کوئی ایسا شخص کر سکتا ہے جس کے پاس کشف کی طاقت ہوتی ہے۔

"مجھے یہ بتائیں بزرگوارم!" — رئیس قلعہ بن بویا نے پوچھا — "آپ کتنے آدمیوں کو اپنے ساتھ لائیں گے؟"

"رئیس قلعہ!" — بزرگ نے کہا — "میرے ساتھ کوئی عام قسم کے آدمی نہیں ہوں گے۔ وہ چند ایک علماء ہیں اور کچھ ان کے شاگرد ہوں گے۔ ان سب کی دلچسپی صرف مذہبی عقیدوں کے ساتھ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ساتھ کم و بیش چالیس علماء اور ان کے شاگردوں کو لے آؤں..... میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ یہاں آ کر آپ کے لوگوں میں گھومیں پھریں، سلام و دعا کریں اور اس طرح ہم میں بھائی چارے کی فضا پیدا ہو جائے"۔

"یہ اجازت دے دوں گا" — بن بویا نے کہا — "لیکن میں یہ اجازت نہیں دوں گا کہ آپ کے آدمی یہاں تبلیغ شروع کر دیں"۔

"نہیں کریں گے!" — بزرگ نے کہا — "اگر میرے ساتھ آنے والا کوئی بھی آدمی اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتا ہوا پکڑا گیا تو میں آپ سے کہوں گا کہ اسے جو بھی سزا دینا چاہتے ہیں دے دیں"۔

"اور خزانے کی بات اُسی روز ہوگی؟" — بن بویا نے پوچھا۔

"نہیں!" — بزرگ نے کہا — "میں ان لوگوں کے ساتھ واپس چلا جاؤں گا اور دو چار دنوں کے بعد آپ کے پاس واپس آ جاؤں گا۔ پھر میں آپ کو ساتھ لے کر خزانے کا سراغ لگاؤں گا اور اپنی موجودگی میں کھدائی کرواؤں گا"۔

رئیس قلعہ بن بویا نے اس بزرگ کے ساتھ ایک دن طے کر لیا کہ وہ اپنے علماء کے ساتھ آ جائے۔ اس کے دماغ پر خزانہ سوار ہو گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اس لئے بن بویا نے اس بزرگ کو رات بھر کے لئے اپنے ہاں مہمان رکھا اور اگلی صبح رخصت کر دیا۔

اگلی صبح بزرگ کو رخصت کر کے بن بویا نے شہر کی بڑی مسجد کے خطیب کو بلایا اور اسے بتایا کہ فلاں دن باطنیوں کے علماء آئیں گے اور خطیب انہیں جھٹلانے کے لئے تیاری کر لے۔

○

مقررہ روز یہ بزرگ دوپہر کے وقت کم و بیش چالیس آدمیوں کو ساتھ لئے پہنچ گیا۔ تمام آدمیوں نے لمبے چغے پہن رکھے تھے۔ ان کی پگڑیاں عالموں جیسی تھیں۔ پگڑیوں کے اوپر بڑے سائز کے رومال ڈالے ہوئے تھے جو ان کے کندھوں سے بھی نیچے

Scanned by iqbalmt

آئے ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں تسبیحیں تھیں۔ ان کا لباس، ان کی چال ڈھال اور ان کے بولنے کا انداز بتاتا تھا کہ ان لوگوں کو مذہب کے سوا کسی اور چیز میں کوئی دلچسپی نہیں۔ رئیسِ قلعہ بن بویا نے ان کا استقبال بڑے احترام سے کیا اور ان کی خاطر تواضع کی۔

بزرگ تین چار علماء کو ساتھ لے کر رئیسِ قلعہ کو الگ کمرے میں لے گیا۔ اس نے رئیسِ قلعہ سے کہا تھا کہ وہ الگ بیٹھ کر بات کریں گے۔

"رئیسِ قلعہ!" — بزرگ نے بن بویا سے کہا — "ہم آپ کے ساتھ باتیں کریں گے اور آپ کی باتیں سنیں گے۔ آپ نے اچھا کیا ہے کہ اپنے خطیب کو بھی یہاں بلا لیا ہے۔ جتنی دیر ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں اتنی دیر میں ہمارے ساتھ آئے ہوئے آدمی شہر میں گھوم پھر لیں گے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ یہ بے ضرر آدمی ہیں"۔

بن بویا مسکرا دیا اور اُس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اُس کے اپنے حکم کے مطابق کسی باطنی کا اس قلعہ بند شہر میں داخل ہونا ممنوع تھا لیکن خزانے کی خاطر وہ اس باطنی بزرگ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے رہا تھا۔ وہ ان باطنی علماء کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا اور باقی باطنی شہر میں نکل گئے۔ ان کا انداز یہ تھا کہ ہر آدمی کو جو ان کے قریب سے گزرتا تھا، السلام علیکم کہتے تھے، اور جو سلام پر رک جاتا اس سے وہ بغلگیر ہو کر ملتے تھے۔ لوگوں کو تو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ باطنی ہیں اور انہیں رئیسِ قلعہ نے قلعے میں آنے کی اجازت دی ہے۔ لوگ انہیں مذہبی پیشوا یا کسی دوسرے شہر کے دینی مدرسے کے استاد سمجھ رہے تھے۔

یہ باطنی کچھ آگے جا کر تین چار ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں تسبیحیں تھیں اور ان کے ہونٹ ہل رہے تھے جیسے کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہوں۔ لوگ انہیں دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

ان میں سے آٹھ نو آدمی قلعے کے بڑے دروازے تک چلے گئے۔ دروازے کے ساتھ اندر کی طرف ایک کمرہ تھا جس میں دروازے کے پانچ چھ محافظ بیٹھے ہوئے تھے۔ دو محافظ دروازے پر کھڑے تھے۔ یہ باطنی ان دونوں محافظوں کے ساتھ بغلگیر ہو کر ملے اور باتوں باتوں میں انہیں اپنے ساتھ محافظوں کے کمرے میں لے گئے۔

کمرے میں جو پانچ چھ محافظ بیٹھے ہوئے تھے، ان باطنیوں کو عالم سمجھ کر بڑے احترام سے ملے۔ ایک باطنی نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ تمام باطنیوں نے اپنے چغوں کے اندر ہاتھ ڈالے اور جب ان کے ہاتھ باہر آئے تو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک چھوٹی تلوار تھی۔ محافظ نہتے تھے۔ ان کی تلواریں اور برچھیاں الگ رکھی تھیں۔ انہیں اپنے ہتھیاروں تک پہنچنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ باطنیوں نے انہیں دبوچ لیا۔ بعض نے اپنے ہاتھ آئے ہوئے محافظوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور دوسروں نے تلواروں سے ان کے پیٹ چاک کر دیئے۔ ان محافظوں میں کلید بردار بھی تھا یعنی وہ محافظ جو محافظوں کا کمانڈر جس کے پاس قلعے کی چابیاں تھیں۔ ان باطنیوں نے اس کی لاش سے چابیاں اپنے قبضے میں لے لیں۔

باقی باطنی بھی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ شہر کے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ یہ بھی باطنی تھے جو پہلے ہی اس قلعے میں موجود تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ حسن بن صباح چالیس فدائی بھیج رہا ہے جو علماء کے بھیس میں آئیں گے۔ اس قلعے میں فوج تو تھی لیکن اس کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ قلعے میں کسی نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ قلعے پر حملہ بھی ہو سکتا ہے۔ حملہ ہُوا بھی تو ایسا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ رئیسِ قلعہ باطنیوں کے علماء کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ باطنی فدائین نے اس تھوڑی سی فوج کی ساری نفری کو مار ڈالا یا بیکار کر دیا۔

ایک باطنی اُس کمرے میں داخل ہُوا جس میں رئیسِ قلعہ بن بویا باطنیوں کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ اس باطنی نے السلام علیکم کہا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ باہر کام مکمل ہو گیا ہے۔ ایک باطنی جو دوسروں کی طرح علماء کے بھیس میں تھا، اُٹھا اور اس نے بن بویا کو دبوچ لیا۔ ایک اور باطنی نے خطیب کو دبوچ لیا اور انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ اس طرح یہ قلعہ باطنیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

حسن بن صباح کو اطلاع دی گئی۔ اس نے ایک آدمی کو امیرِ قلعہ بنا کر بھیج دیا۔

○

قلعہ طاؤ خان سے کچھ دُور ایک اور قلعہ تھا جس کا نام تمستان تھا۔ کسی بھی تاریخ میں اس قلعے کے حاکم کا نام نہیں ملتا۔ اس کے نام کی بجائے تقریباً ہر مؤرخ نے لکھا ہے کہ وہ فاسق اور بدکار تھا۔ اسے سلجوقیوں نے یہ قلعہ دیا تھا۔ تمام مستند تاریخوں میں

Scanned by iqbalmt

اس قلعے کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

اس قلعے میں بھی ایک شہر آباد تھا۔ اس شہر کا ایک رئیس تھا جس کا نام منوّر الدولہ تھا۔ اس کے متعلق تاریخوں میں آیا ہے کہ صحیح العقیدہ اور جذبے والا مسلمان تھا۔ اس قلعے پر بھی باطنیوں کی نظر تھی۔ قلعے کے دفاع کے لئے کوئی خاص فوج نہیں تھی۔ چند سو محافظ قلعے میں موجود رہتے تھے۔ چونکہ امیر قلعہ اپنی عیش و عشرت میں مگن رہتا تھا اس لئے باطنی اس قلعے میں کھلے بندوں آتے جاتے رہتے تھے۔

رئیس منوّر الدولہ کو کسی نے بتایا کہ یہاں ایک مکان میں پانچ چھ باطنی رہتے ہیں جو یہ ظاہر نہیں ہونے دیتے کہ وہ باطنی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو پکا مومن ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی سرگرمیاں مشکوک سی تھیں۔

دو چار آدمیوں نے رئیس منوّر کو بتایا کہ یہ لوگ خطرناک معلوم ہوتے ہیں' ان کی موجودگی کی اطلاع امیر قلعہ تک پہنچنی چاہئے تاکہ وہ ان پر جاسوس اور مخبر مقرر کردے۔ امیر قلعہ تک کوئی رئیس ہی پہنچ سکتا تھا۔ ایک روز منوّر امیر کے ہاں چلا گیا اور اسے ان باطنیوں کے متعلق بتایا۔ رئیس منوّر امیر قلعہ کے ہاں آتا جاتا رہتا تھا۔

"ہمارے لوگ وہمی ہیں منوّر!" — امیر قلعہ نے بے نیازی اور بے پرواہی سے کہا — "کہو تمہاری بہن کا کہیں رشتہ ہوا ہے یا نہیں"۔

منوّر کو اس پر طیش آئی کہ وہ بات کتنی اہم کرنے آیا تھا اور امیر قلعہ اس کی بہن کے رشتے کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ منور کی ایک چھوٹی بہن تھی جو جوانی کی عمر کو پہنچ گئی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ وہ بہت ہی حسین اور شوخ لڑکی تھی۔ اس کے حسن کی شہرت سارے شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ امیر قلعہ نے اس لڑکی کے رشتے کے متعلق پوچھا تو منوّر نے بات کو ٹال دیا اور کہا کہ وہ جس کام کے لئے آیا ہے اس کام کی طرف توجہ دینا بہت ہی ضروری ہے۔

"میں دیکھوں گا" — امیر قلعہ نے کہا — "میں ان پر اپنے جاسوس مقرر کردوں گا"۔

چونکہ منوّر صحیح معنوں میں مسلمان تھا اس لئے وہ باطنیوں کا جانی دشمن بنا ہوا تھا۔

تین چار دنوں بعد وہ پھر امیر قلعہ کے پاس گیا اور اسے کہا کہ اس نے ابھی تک ان مشکوک باطنیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

"تمہیں میرے قلعے کا اتنا فکر کیوں لگا ہوا ہے؟" — امیر قلعہ نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا — "یہ پانچ سات باطنی میرا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"امیر محترم!" — منوّر نے کہا — "کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ یہ باطنی کس طرح چھاتے چلے جا رہے ہیں۔ سلطان ملک شاہ کو انہوں نے قتل کیا ہے۔ اس سے پہلے سلطان مرحوم کے وزیر اعظم خواجہ حسن طوسی نظام الملک کو بھی ان ہی باطنیوں نے قتل کیا تھا۔ اگر آپ بیدار نہ ہوئے تو اس قلعے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ انہوں نے قلعہ ملاذ خان پر قبضہ کر لیا ہے"۔

"کیا بات کرتے ہو منوّر!" — امیر قلعہ نے ہنس کر کہا — "باطنی میرے قلعے پر قبضہ کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ یہاں آ بھی گئے تو یوں سمجھو کہ انہیں موت یہاں لے آئی ہے"۔

یہ قلعہ اتنا اہم تو نہ تھا کہ اسے تاریخ میں اتنا زیادہ بیان کیا جاتا لیکن اس کے ساتھ جو واقعہ وابستہ ہے' اس کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے مورخوں نے یہ واقعہ تاریخ میں شامل کیا ہے۔

منوّر الدولہ کے جذبے کا یہ عالم کہ وہ قلعے کی سلامتی کے متعلق پریشان تھا اور وہ ان پانچ چھ آدمیوں کے متعلق بھی فکرمند تھا جن کے متعلق بتایا جا رہا تھا کہ مشکوک ہیں اور باطنی معلوم ہوتے ہیں لیکن امیر قلعہ کی ذہنی حالت یہ تھی کہ جس روز رئیس منوّر اسے ملا' اس سے دو روز بعد امیر قلعہ نے اپنے دو خاص آدمیوں کے ہاتھ منوّر کی طرف بیش قیمت تحفے بھیجے اور ساتھ یہ پیغام کہ منور اپنی بہن کو اس کی بیوی بنا دے۔

"کیا امیر قلعہ کا دماغ ٹھیک کام کرتا ہے؟" — منوّر نے تحفے دیکھ کر اور اس کا پیغام سن کر کہا — "یہ تحفے واپس لے جاؤ اور اسے کہنا کہ میں اپنی نوجوان بہن کو ایک ایسے بوڑھے کے حوالے نہیں کروں گا جو شرابی بھی ہے' بدکار بھی ہے اور جس کی پہلے ہی نہ جانے کتنی بیویاں ہیں"۔

"اس کی یہ جرأت!" — امیر قلعہ نے اپنے تحفے واپس آتے دیکھ کر اور رئیس منوّر کا انکار سن کر کہا — "میں اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دوں گا۔ میں اس کے ساتھ دوستی قائم رکھوں گا اور تم دیکھنا کہ بہت جلد اس کی بہن میرے پاس ہوگی"۔

منوّر اپنے آپ میں یوں تڑپنے لگا جیسے امیر قلعہ نے اسے بڑی شدید ضرب لگائی

Scanned by iqbalmt

ہو۔ منوّر کو قلعے کا غم کھائے جا رہا تھا اور امیرِ قلعہ کی نظر اس کی بہن پر لگی ہوئی تھی۔ منوّر کی ایک ہی بیوی اور دو بچے تھے اور اس کے گھر کی ایک فرد اس کی یہ بہن تھی۔ منور نے بڑے غصے کی حالت میں اپنی بیوی اور بہن کے ساتھ یہ بات تفصیل سے کر دی۔

"میں ان پانچ چھ باطنیوں کو پکڑنا چاہتا ہوں" ـــــ منوّر نے کہا ـــــ "اگر یہ پکڑے گئے اور یقین ہو گیا کہ یہ باطنی جاسوس اور تخریب کار ہیں تو میں اپنے ہاتھوں انہیں قتل کروں گا"۔

تاریخی واقعات کے ایک انگریزی مجموعے میں یہ واقعہ اس طرح آیا ہے کہ منور کی بہن کا قومی جذبہ بھی منور جیسا ہی تھا۔ اس نے جب اپنے بھائی کی زبان سے سنا کہ وہ ان باطنیوں کو پکڑنا چاہتا ہے اور یہ بھی کہ بھائی نے اسے امیرِ قلعہ سے بیاہنے سے انکار کر دیا ہے تو اس لڑکی کے دل میں بھائی کی عظمت اور قومی جذبہ اور زیادہ شدت سے ابھر آیا۔

"میرے عزیز اور عظیم بھائی!" ـــــ بہن نے منوّر سے کہا ـــــ "میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے بتائیں کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے خلوص، آپ کی محبت اور آپ کے جذبے کو دیکھ کر اپنا ایک راز آپ کو دے رہی ہوں۔ یہ جو پانچ چھ جوان سال آدمی ہیں اور جن پر آپ کو شبہ ہے، ان میں سے ایک مجھے چاہتا ہے اور میں اسے پسند کرتی ہوں۔ میں بلا جھجک آپ کو بتا رہی ہوں کہ میں اس آدمی سے تین چار مرتبہ تنہائی میں مل چکی ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی میرے ساتھ پاک محبت کرتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اس آدمی کو جذبات میں الجھا کر معلوم کر سکتی ہوں کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے"۔

"آفرین!" ـــــ منوّر نے کہا ـــــ "کوئی بھائی اپنی نوجوان بہن کو اس طرح استعمال نہیں کیا کرتا لیکن تمہارا ان لوگوں میں سے ایک کے ساتھ رابطہ ہو گیا ہے تو اس تعلق کو استعمال کرو۔ اگر تمہیں کہیں بھی خطرہ محسوس ہو تو فوراً مجھے بتا دینا۔ تم اس کے ساتھ حسن بن صباح کی بات چھیڑ دینا اور اس طرح باتیں کرنا جیسے تم حسن بن صباح کو اچھا سمجھتی ہو اور اس کے پاس جانا چاہتی ہو"۔

منوّر کی بہن خوبصورت تو تھی لیکن شوخ اور ذہین بھی تھی۔ اس نے منوّر سے کہا کہ وہ ان لوگوں کی اصلیت معلوم کر لے گی۔

امیرِ قلعہ نے منوّر کو اپنے ہاں بلایا۔ منوّر نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے

جواب میں امیرِ قلعہ نے اپنی محفل میں اس قسم کے الفاظ کہے کہ وہ منوّر کو اُڑا دے گا اور اس کی بہن کو اپنے ہاں لے آئے گا۔ اس کی یہ دھمکی منور کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس کا اس پر بہت ہی بُرا اثر ہُوا اور وہ ایک کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ کشمکش یہ تھی کہ وہ اپنے جذبے کو قائم رکھے یا امیرِ قلعہ کے رویّے سے متاثر ہو کر اپنے جذبے سے دستبردار ہو جائے۔ اسے یہ خیال بھی آیا کہ امیرِ قلعہ کو اپنے قلعے کا کچھ خیال نہیں تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ جاسوسیاں کرتا پھرے۔ جذبے مرا تو نہیں کرتے، اس کے خیالوں پر قومی جذبہ غالب آ گیا۔

○

تین چار دنوں بعد ہی منور کو اس کی بہن نے بتایا کہ یہ لوگ باطنی ہیں اور یہاں جاسوسی اور تخریب کاری کے لئے آئے ہیں لیکن ابھی اپنے باطنی عقیدے کی درپردہ تبلیغ کر رہے ہیں۔

"تم نے کیسے معلوم کیا ہے؟" ـــــ منور نے بہن سے پوچھا۔

"مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی" ـــــ بہن نے کہا ـــــ "جس طرح آپ نے کہا تھا، میں نے اسی طرح کیا۔ میں نے حسن بن صباح کی باتیں ایسے الفاظ میں کیں جیسے میں اسے نبی سمجھتی ہوں اور اسے دیکھنے کو بے قرار ہوں۔ اس نے پہلے تو یہ ظاہر کیا کہ وہ حسن بن صباح کو کافر سمجھتا ہے لیکن میں اسے جذبات میں لے آئی اور اپنی بات پر قائم رہی۔ دوسرے دن وہ میری بات پر آ گیا اور اس نے کہا کہ وہ مجھے حسن بن صباح کے پاس لے جائے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ امام حسن بن صباح تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گا"۔

مختصر یہ کہ اس لڑکی نے پانچ چھ آدمیوں کے اس گروہ کی اصلیت معلوم کر لی۔ وہ جس آدمی سے محبت کرتی تھی، اس آدمی نے وہ دن بھی مقرر کر دیا تھا جب اس آدمی نے اس لڑکی کو اس شہر سے لے جانا تھا۔ وہ دن گزر گئے۔ منوّر کی بہن باہر نکلی اور پھر واپس نہ آئی۔ سورج غروب ہو گیا، رات گہری ہو گئی، لڑکی واپس نہ آئی۔ تب منوّر کو اپنی اس غلطی کا احساس ہُوا کہ اس نے بہن کو خطرناک آدمی کے ساتھ دوستی بنائے رکھنے پر اکسایا تھا۔ اس میں کوئی شک تھا ہی نہیں کہ اس کی بہن اس باطنی کے ساتھ چلی گئی ہے۔ منوّر کو معلوم تھا کہ حسن بن صباح کے پاس اس قسم کی سینکڑوں حسین اور تیز طرار لڑکیاں

Scanned by iqbalm

ہیں جنہیں وہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یہ سوچ کر منّور کا غصہ بڑھتا ہی گیا اور وہ پیچ و تاب کھانے لگا کہ وہ کیا کرے۔ اسے امیرِ قلعہ کا خیال آیا کہ اسے جا کر بتائے اور وہ ان مشکوک آدمیوں کو پکڑ کر معلوم کرے کہ لڑکی ان کے قبضے میں ہے یا نہیں لیکن اس نے جب سوچا کہ امیرِ قلعہ نے اسے دشمن سمجھ لیا ہے تو اس نے امیرِ قلعہ کو ذہن سے اتار دیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔

"میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے" ـــــ منّور کو اس کی بیوی نے کہا ـــــ "آپ امیرِ قلعہ کے پاس جائیں اور اسے بتائیں کہ اس کی بہن کو ان مشکوک آدمیوں میں سے ایک آدمی نے محبت کا جھانسہ دے کر غائب کر دیا ہے۔ پھر امیرِ قلعہ سے کہیں کہ اگر آپ میری بہن کو ان سے آزاد کروا دیں تو میں اپنی بہن کو آپ کے ساتھ بیاہ دوں گا"۔

"یہ تو میں کسی قیمت پر نہیں کروں گا" ـــــ منّور نے کہا ـــــ "بہن مجھے نظر آ گئی تو میں اسے قتل کر دوں گا' اسے اس امیرِ قلعہ کی زوجیت میں نہیں دوں گا"۔

"میں آپ سے یہ تو نہیں کہہ رہی کہ اپنی بہن ضرور ہی اسے دینی ہے" ـــــ منّور کی بیوی نے کہا ـــــ "پہلے اپنی بہن کا سراغ تو لگائیں۔ وہ مل گئی تو امیرِ قلعہ کو صاف کہہ دینا کہ میں تمہیں اپنی بہن نہیں دوں گا۔ آپ ڈریں نہیں۔ میرے تین بھائی ہیں۔ میں ان کے ہاتھوں اس امیرِ قلعہ کو قتل کروا سکتی ہوں"۔

منّور اُسی وقت امیرِ قلعہ کے ہاں چلا گیا۔ امیرِ قلعہ شراب پی رہا تھا اور اس وقت اس کے ساتھ ایک نوخیز لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے منّور کو اندر بلا لیا اور لڑکی کو وہاں سے اٹھا دیا۔

"کہو رئیس!" ـــــ امیرِ قلعہ نے طنزیہ سے لہجے میں پوچھا ـــــ "کیسے آنا ہوا؟"

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت آ پڑی ہے" ـــــ منّور نے کہا ـــــ "میری بہن لاپتہ ہو گئی ہے۔ مجھے ان ہی پانچ چھ آدمیوں پر شک ہے جن کے متعلق میں آپ کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی نے میری بہن کو محبت کا جھانسہ دیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ میری بہن کو وہی لے گیا ہے اور میں جس مسئلے پر پریشان ہو رہا ہوں وہ یہ ہے کہ میری بہن کو حسن بن صباح تک پہنچا دیا جائے گا"۔

"وہ کہیں نہیں گئی" ـــــ امیرِ قلعہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں شراب کا اثر

نمایاں تھا ـــــ "وہ یہیں ہے اور میرے پاس ہے..... پریشان مت ہو رئیس!..... اگر تم اجازت دے دو تو یہ شادی دھوم دھام سے ہو گی اور اگر تم اجازت نہیں دو گے تو بھی یہ شادی ہو کے رہے گی اور تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے..... کہو کیا کہتے ہو؟ کیا تم بھول گئے تھے کہ میرے ہاتھ میں کتنی طاقت ہے؟"

"شراب کی طاقت کوئی طاقت نہیں ہوتی" ـــــ منّور نے اٹھتے ہوئے کہا ـــــ "میں تمہیں صرف ایک بار شرافت اور دوستی سے کہوں گا کہ میری بہن ابھی میرے حوالے کر دو۔ دوسری بار نہیں کہوں گا"۔

اس وقت امیرِ قلعہ نشے میں بدمست تھا۔ شراب کا نشہ تو کوئی نشہ نہیں تھا' اصل نشہ تو یہ تھا کہ وہ قلعے کا اور اس شہر کا حاکم تھا۔ یہ تھا اصل نشہ۔

"رئیس منّور!" ـــــ امیرِ قلعہ نے کہا ـــــ "تم چلے جاؤ۔ سوچ کر کل مجھے جواب دینا۔ اگر اس وقت دھمکیوں کی زبان میں بات کرو گے تو میں اپنے نوکروں کو بلا کر تمہیں دھکے دلوا کر گھر سے نکالوں گا اور اپنے دو شکاری کتے تم پر چھوڑ دوں گا"۔

منّور وہاں سے نکل آیا۔

○

منّور اپنے گھر پہنچا تو منور وہ منور نہیں تھا جو قومی جذبے سے سرشار رہتا تھا۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور اس کی ذات میں آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ بیوی نے اس سے پوچھا تو وہ چپ رہا۔ بیوی کو ایک طرف کر دیا اور تلوار لے کر پھر باہر نکل گیا۔ اس کی بیوی اس کے پیچھے دوڑی اور باہر تک آ گئی۔ منّور نے رک کر پیچھے دیکھا۔

"تم واپس چلی جاؤ" ـــــ اس نے بیوی سے کہا ـــــ "میں کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہا۔ میں انشاء اللہ زندہ واپس آؤں گا"۔

بیوی واپس اپنے گھر آ گئی لیکن وہ بہت ہی پریشان تھی۔ منّور نے اس حویلی کے دروازے پر جا دستک دی جس میں پانچ چھ مشکوک آدمی رہتے تھے۔ دروازہ کھلا تو منور نے دیکھا کہ دروازہ کھولنے والا وہی آدمی تھا جسے اس کی بہن چاہتی تھی اور جو اس کی بہن کو چاہتا تھا۔ منّور اسے اور وہ منّور کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ منّور کو اندر لے گیا۔ سارے آدمی منور کے پاس بیٹھ گئے۔

"میرے دوستو!" ـــــ منّور نے کہا ـــــ "میں قتل کرنے نہیں آیا نہ قتل ہونے کا

Scanned by iqbalmt

ارادہ ہے۔ میری بہن لاپتہ ہو گئی ہے اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ امیرِ قلعہ کے پاس ہے۔ وہ بد بخت کبھی کا میری بہن کے پیچھے پڑا ہُوا تھا اور میں اسے صاف الفاظ میں کہہ چکا تھا کہ میں اپنی بہن اس کی زوجیت میں نہیں دوں گا"۔

"آپ ہمارے پاس کیوں آئے ہیں؟" —— اس آدمی نے پوچھا جس کے ساتھ منّور کی بہن کی محبت تھی —— "ہم آپ کی جو مدد کر سکتے ہیں وہ بتائیں"۔

"میرے دوستو!" —— منّور نے کہا —— "میں جانتا ہوں کہ تم سب باطنی ہو اور حسن بن صباح کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہو۔ میں تمہیں کسی بھی وقت پکڑوا کر قتل کروا سکتا تھا لیکن میری یہ بات اب غور سے سنو کہ اب میں تمہارا ساتھی ہوں۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ صبح ہوتے ہی تم میں سے کوئی ایک آدمی حسن بن صباح کے پاس جائے اور اسے کہے کہ اپنے آدمی بھیجے۔ جس طرح تم نے قلعہ ملاذ خان میں بھیجے تھے۔ یہ قلعہ بھی لے لو"۔

اس سلسلے میں ان کے درمیان کچھ اور باتیں ہوئیں اور ایک آدمی حسن بن صباح کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ منّور کی حالت ایسی تھی جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔ اس کو بہن سے بہت ہی پیار تھا۔ اس بہن کو امیرِ قلعہ لے اڑا تھا۔ وہ پاگل نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔ وہ بھول ہی گیا کہ وہ باطنیوں کا دشمن ہے اور باطنی اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں۔

دو یا تین دن گزرے ہوں گے کہ جو آدمی حسن بن صباح کے پاس گیا تھا وہ واپس آگیا اور اسی روز شہر میں تاجروں کا ایک قافلہ آیا۔ ان کے ساتھ اونٹ تھے جن پر اناج اور مختلف قسم کا سامان لدا ہُوا تھا۔ ان تاجروں کی تعداد پچاس کے لگ بھگ تھی۔ یہ سرائے میں ٹھہرے۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ امیرِ قلعہ حسبِ معمول شراب پی رہا تھا۔ اس نے منّور کی بہن کو اپنے پاس بٹھا رکھا تھا اور شراب پینے پر مجبور کر رہا تھا۔ لڑکی رو رو کر انکار کر رہی تھی اور امیرِ قلعہ قہقہے لگا رہا تھا۔ عین اس وقت دربان نے اندر جا کر اسے بتایا کہ رئیسِ شہر منّور الدولہ آئے ہیں۔ امیرِ قلعہ نے قہقہہ لگا کر کہا کہ اسے اندر بھیج دو۔

جب منور اندر گیا تو وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے پیچھے آٹھ نو آدمی تھے۔ امیرِ قلعہ نے حیرت زدہ سا ہو کر ان سب کو دیکھا لیکن اسے یہ پوچھنے کی مہلت نہ ملی کہ وہ کون ہیں اور

کیوں آئے ہیں۔ انہوں نے امیرِ قلعہ کو پکڑ لیا اور اُن میں سے ایک نے خنجر امیرِ قلعہ کے دل میں اتار دیا۔ ایک ہی وار کافی تھا۔

یہ جو تاجر آئے تھے، یہ سب حسن بن صباح کے فدائین تھے۔ وہ ٹولیوں میں بٹ گئے تھے اور جب امیرِ قلعہ کو قتل کیا گیا اُس وقت وہ اُن چند سَو محافظوں پر قابو پا چکے تھے جو مختلف جگھوں پر سوئے ہوئے تھے۔

اگلی صبح اعلان ہُوا کہ اب امیرِ قلعہ کوئی اور ہے۔ اس طرح یہ قلعہ بھی حسن بن صباح کے قبضے میں چلا گیا۔

منور کو توقع تھی کہ باطنی اسے کوئی اعزاز دیں گے۔ تاریخی حوالوں کے مطابق، اس کی خواہش یہ تھی کہ اسے اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی بیوی کو، بہن اور بچوں کو ساتھ لے کر مَرو یا رے چلا جائے لیکن اس کا انجام بہت بُرا ہُوا۔ منّور پُراسرار طریقے سے قتل ہو گیا اور اس کی بہن کو حسن بن صباح کی جنّت میں بھیج دیا گیا۔ اس کے بیوی بچّوں کا تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔

Scanned by iqbalmt

منوّر الدولہ قتل ہو گیا۔ اس کے بیوی بچوں کا کچھ پتہ ہی نہ چلا وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں یا غائب کر دیئے گئے ہیں اور اس کی بہن کو باطنی لے اُڑے۔ منوّر الدولہ نے اسی بہن کی خاطر قلعہ قہستان پر باطنیوں کا قبضہ کروا دیا تھا۔ وہ تو پکا مومن تھا لیکن بہن کی عزت اور عصمت پر اُس نے اپنا ایمان بھی قربان کر دیا تھا۔ منور الدولہ کے خاندان کا تو نام و نشان ہی مٹ گیا تھا لیکن یہ کہانی یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔

اس کی بہن کا نام حمیرا تھا۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑی ہی حسین لڑکی تھی۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی اپنے دین و ایمان کی پکی تھی۔ اس میں اپنے بھائی منوّر الدولہ جیسا جذبہ تھا۔ اس کے دل میں بھی حسن بن صباح اور اس کے باطنی فرقے کی نفرت موجزن تھی لیکن اسے محبت ہوئی تو ایک باطنی سے ہوئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ خوبرو اور جواں سال آدمی حسن بن صباح کا بھیجا ہوا تخریب کار اور جاسوس ہے۔

پچھلے باب میں آ چکا ہے کہ اس شہر کے ایک مکان میں پانچ چھ آدمی رہتے تھے جو بظاہر دین دار اور زاہد تھے لیکن یہ ان کا بہروپ تھا۔ وہ پانچوں وقت مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے اور وہ اتنے ملنسار، ہر کسی کے ہمدرد اور اتنے ہنس مکھ تھے کہ ہر کوئی انہیں محبت اور احترام سے ملتا اور ہر محفل میں انہیں تعظیم دی جاتی تھی۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہے کہ ان کی سرگرمیاں کتنی پُراسرار اور مشکوک سی تھیں کہ کچھ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ لوگ باہر سے کچھ اور اور اندر سے کچھ اور ہیں۔ شہر کے بیشتر لوگ ان پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں کرتے تھے۔ منوّر الدولہ کو تو آخر میں آ کر یقین ہو گیا تھا کہ یہ پانچ

چھ مذہبی قسم کے آدمی باطنی ہیں اور کسی بھی وقت کوئی تباہ کاری کر سکتے ہیں لیکن قلعے کا حاکم منوّر الدولہ کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔

منوّر الدولہ اس شہر کا رئیس تھا لیکن اس میں وہ تکبر اور غرور نہیں تھا جو اُس وقت رئیسوں میں ہُوا کرتا تھا۔ وہ صاف ستھرا مسلمان تھا۔ صوم و صلوٰۃ اور حقوق العباد کا پابند تھا۔ عبادت کے ساتھ ساتھ وہ عسکریت پسند بھی تھا۔ اسے اپنی بہن حمیرا کے ساتھ بہت ہی پیار تھا۔ اسی پیار کا کرشمہ تھا کہ حمیرا بھی خیالات اور کردار کے لحاظ سے اپنے بھائی کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ اسے گھوڑ سواری کا بہت شوق تھا۔ منوّر نے اسے شہسوار بنا دیا تھا۔ اسے تیغ اور خنجر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی بھی سکھا دی تھی۔ وہ آخر شہر کے رئیس کی بہن تھی اس لئے اس میں خود اعتمادی اور جرأت تھی۔ وہ دوسرے تیسرے دن شام کے وقت گھوڑے پر سوار ہوتی اور شہر سے نکل جاتی تھی۔ گھوڑا دوڑاتی اور جدھر چاہتی اُدھر ہو آتی تھی۔

ایسی ہی ایک شام وہ شہر سے کچھ دور گھوڑا دوڑا رہی تھی، ایک بڑا ہی خوبرو گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا پھر رہا تھا۔ حمیرا نے اپنا گھوڑا اس کے قریب سے گزارا تو اس سوار نے اسے غور سے دیکھا اور فوراً ہی گھوڑا اس کے پیچھے دوڑا دیا۔ دونوں گھوڑے جب پہلو بہ پہلو ہوئے تو حمیرا نے اس سوار کو غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا کہ وہ کس نیت سے اس کے پاس چلا آیا ہے۔

"گھوڑا فوراً روک لیں" ـــ اس سوار نے کہا ـــ "آپ کی زین کسی ہوئی نہیں ڈھیلی ہے اور آپ گر پڑیں گی"۔

حمیرا نے گھوڑا روک لیا اور اُتر آئی۔ وہ آدمی بھی گھوڑے سے اترا اور حمیرا کے گھوڑے کی زین دیکھی۔ واقعی زین کسی ہوئی نہیں تھی۔ اس نے زین اچھی طرح کس دی۔

"اب جائیں" ـــ اس سوار نے کہا ـــ "بس مجھے آپ سے اتنی ہی دلچسپی تھی"۔

حمیرا کو یہ شخص شکل و صورت اور جسم کے لحاظ سے بھی اچھا لگا اور بول چال کے انداز سے بھی۔ وہ کوئی چھوٹی سی حیثیت کا آدمی نہیں لگتا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" ـــ حمیرا نے پوچھا ـــ "کیا آپ یہیں کے رہنے والے

Scanned by iqbalmt

ہیں؟"

"میرا نام جابر بن حاجب ہے" ـــــ اس سوار نے جواب دیا ـــــ "پردیسی ہوں۔ بغداد سے یہاں علم کی تلاش میں آیا ہوں۔ اپنے جیسے چار پانچ آدمی مل گئے ہیں۔ ان کے ساتھ رہتا ہوں"۔

"لیکن آپ تو شہسوار معلوم ہوتے ہیں" ـــــ حمیرا نے کہا ـــــ "اس زین پر میں سوار تھی اور مجھے پتہ نہ چلا کہ یہ پوری طرح کسی ہوئی نہیں۔ آپ کو اتنا تجربہ ہے کہ آپ نے دُور سے دیکھ لیا اور مجھے گرنے سے بچا لیا"۔

"کیا علم کی جستجو میں مارے مارے پھرنے والے شہسوار نہیں ہو سکتے؟" ـــــ جابر بن حاجب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوتا تو یہی ہے" ـــــ حمیرا نے کہا ـــــ "عالم عموماً تارک الدنیا سے ہو جاتے ہیں"۔

"میں ان عالموں میں سے نہیں" ـــــ جابر نے کہا ـــــ "دنیا سے تعلق توڑ لینا علم کی خلاف ورزی ہے بلکہ میں اسے علم کی توہین سمجھتا ہوں۔ میں مسلمان ہوں...... وہ مسلمان ہی کیا جو شہسوار نہ ہو اور جس کا ہاتھ تلوار، برچھی اور کمان پر صاف نہ ہو۔ میں ایک زندہ قسم کا عالم بننا چاہتا ہوں۔ اُس عالم کو میں نامکمل انسان سمجھتا ہوں جو عمل سے کتراتا ہو"۔

دونوں اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھوڑے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ جابر کی زبان میں اور بولنے کے انداز میں کوئی ایسا تاثر تھا کہ حمیرا کو جیسے یہ بھی یاد نہ رہا ہو کہ اسے واپس گھر بھی جانا ہے۔ گھوڑے آگے ہی آگے چلے جا رہے تھے۔ آگے دریا تھا جہاں گھوڑے رک گئے۔

وہ علاقہ بڑا ہی سرسبز تھا جس میں پیڑ پودوں کی افراط تھی۔ اس ماحول کی اپنی ایک رومانیت تھی جو حمیرا پر اثرانداز ہونے لگی۔ جابر نے حمیرا کو یاد دلایا کہ شام گہری ہو گئی ہے اس لئے اسے واپس گھر جانا چاہئے۔ حمیرا وہاں سے چل تو پڑی لیکن وہ محسوس کرنے لگی کہ اس کا دل وہیں دریا کے کنارے رہ گیا ہے۔ اس نے گھوم گھوم کے پیچھے دیکھا۔ آخر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

یہ حمیرا اور جابر کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد حمیرا گھوڑ سواری کے لئے ہر شام

باہر آنے لگی۔ اس کی نظریں جابر کو ڈھونڈتی تھیں لیکن جابر ہر روز باہر نہیں جاتا تھا۔ تیسرے چوتھے روز اسے جابر مل جاتا اور دونوں دریا کے کنارے اُس جگہ چلے جاتے جہاں انہیں کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ نہ جابر نے کوئی ایسی بات کی تھی نہ حمیرا نے کوئی ایسا اشارہ دیا تھا کہ ان کی محبت کا تعلق جسموں کے ساتھ ہے۔ یہ دو روحوں کی محبت تھی اور ان کی روحوں کا جسمانی آسودگی اور نفسانی خواہش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ گھوڑوں سے اتر کر ایک دوسرے میں گم ہو جایا کرتے تھے۔

انہوں نے شادی کے عہد و پیمان کر لئے۔ حمیرا نے جابر کو بتا دیا تھا کہ اس کا بھائی شہر کا رئیس ہے اس لئے وہ اس کی شادی کسی رئیس زادے سے ہی کرے گا۔

"اگر تم بھائی سے کہو کہ تم میرے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو تو کیا وہ انکار کر دے گا؟" ـــــ جابر نے پوچھا۔

"ہاں!" ـــــ حمیرا نے جواب دیا ـــــ "میں اُس سے اجازت تو ضرور لوں گی۔ اُسے میرے ساتھ اتنا پیار ہے جو اُسے اپنے بچوں کے ساتھ بھی نہیں لیکن اُس نے انکار کر دیا تو میں تمہارے ساتھ جہاں کہو گے چلی چلوں گی۔ میرا دل کسی رئیس زادے یا کسی امیر زادے کو قبول نہیں کرے گا۔ یہ لوگ عیش پرست ہوتے ہیں۔ میں کسی کے حرم کی قیدی نہیں بنوں گی، میں ایک انسان کی رفیقۂ حیات بنوں گی"۔

○

حمیرا کسی وقت بھی محسوس نہ کر سکی کہ یہ شخص باطنی ہے اور علم و فضل کے ساتھ اس کا دُور کا بھی تعلق نہیں اور یہ حسن بن صباح جیسے ابلیس کا پیروکار ہے۔ پھر وہ دن آیا جس دن منوّر الدولہ نے حمیرا کو بتایا کہ فلاں مکان میں جو پانچ چھ آدمی رہتے ہیں وہ حسن بن صباح کے بھیجے ہوئے بڑے ہی خطرناک آدمی ہیں۔

"باطنیوں کو تم جانتی ہو نا حمیرا!" ـــــ منوّر نے کہا ـــــ "اسلام کا نام لے کر یہ فرقہ اسلام کا چہرہ مسخ کر رہا ہے اور اگر انہیں یہیں پر روکا نہ گیا تو اس اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا"۔

حمیرا نے وہ مکان دیکھا تھا جس میں جابر بن حاجب رہتا تھا اور اس نے جابر کے ساتھی بھی دیکھے تھے۔ اپنے بھائی کی یہ بات سن کر اسے افسوس ہُوا کہ جابر بھی باطنی ہے اور اس نے جھوٹ بولا ہے کہ وہ بغداد سے علم کی تلاش میں آیا ہے۔

Scanned by iqbalm

"میرے عظیم بھائی!" حمیرا نے پوچھا "کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ لوگ باطنی ہیں؟"

"ابھی یقین نہ کہو" — منوّر نے جواب دیا — "شک پکّا ہے۔ کچھ لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ پانچ چھ آدمی مشکوک ہیں"۔

داستان گو سنا چکا ہے کہ منوّر امیرِ شہر کے پاس گیا اور اسے بتایا تھا کہ یہ پانچ چھ آدمی ٹھیک معلوم نہیں ہوتے اور انہیں پکڑنا چاہئے لیکن امیرِ شہر نے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ منوّر مومن اور مجاہد قسم کا مسلمان تھا۔ اس نے حمیرا سے کہا کہ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کا قلع قمع کرے لیکن یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ لوگ واقعی باطنی ہیں اور تخریب کاری کی نیت سے یہاں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

حمیرا نے بھائی سے کہا کہ اگر سوال اسلام کی سربلندی اور باطنیوں کی سرکوبی کا ہے تو وہ یہ راز نکال لائے گی۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ وہ ان پانچ چھ آدمیوں کی اصل حقیقت معلوم کر لائی۔ اس نے یہ راز جابر بن حاجب سے لیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جابر کو حمیرا سے اتنی زیادہ محبت تھی کہ اُس نے حمیرا کو اپنا راز دے دیا۔ حمیرا کے دل میں بھی جابر کی بے پناہ محبت تھی لیکن اُسے جو محبت اپنے بھائی سے اور اسلام سے تھی، اس پر اُس نے اپنی محبت قربان کر دی۔ اس راز سے اس قلعہ بند شہر کے زمین و آسمان ہی تہ و بالا ہو گئے۔

قلعے میں خونریز ہنگامہ شروع ہُوا تو جابر حمیرا کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت منوّر گھر نہیں تھا۔ وہ امیرِ شہر کے گھر میں تھا جہاں کچھ باطنی اس کے ساتھ تھے اور پھر امیرِ شہر کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جابر نے حمیرا کو ساتھ لیا اور شہر سے نکل گیا۔

○

حمیرا اس توقع پر جا رہی تھی کہ جابر اسے بغداد اپنے گھر لے جا رہا ہے لیکن شام کے بعد جب وہ ایک جگہ رُکے تو حمیرا پر یہ انکشاف ہُوا کہ اسے بغداد نہیں بلکہ اَلموت لے جایا جا رہا ہے۔

یہ اسے اس طرح پتہ چلا کہ وہ جب اپنے شہر سے نکلی تھی تو جابر اس کے ساتھ اکیلا تھا۔ دونوں گھوڑوں پر جا رہے تھے۔ جابر بہت ہی آہستہ رفتار پر جا رہا تھا۔ حمیرا نے اسے کہا کہ تیز چلنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ اس کا بھائی تعاقب میں آ جائے۔ جابر نے اسے بتایا کہ

وہ اپنے ساتھیوں کے انتظار میں ہے۔ وہ بھی شہر سے نکل آئے ہوں گے۔ کچھ دیر بعد جابر کے پانچ ساتھی اس سے آ ملے۔ قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے دوسرے باطنی پہنچ گئے تھے۔ جابر اور اس کے ساتھیوں کا کام ختم ہو گیا تھا۔ جابر نے قلعہ سر کرنے کے علاوہ ایک بڑا خوبصورت شکار بھی مار لیا تھا۔ حسن بن صباح جن لڑکیوں کو اپنے ابلیسی مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا، حمیرا اگر ان سے کچھ درجے زیادہ حسین نہیں تھی تو کسی سے کم بھی نہیں تھی۔ حمیرا کو الموت پہنچ کر کچھ ٹریننگ دینی تھی اور پھر اُسے حسن بن صباح کی جنّت میں حُور بنا کر داخل کرنا تھا۔

سورج غروب ہو گیا اور یہ چھوٹا سا قافلہ چلتا گیا اور جب رات زیادہ گہری ہو گئی تو یہ لوگ رک گئے۔ وہ کھانا اپنے ساتھ لے آئے تھے جو انہوں نے خود بھی کھایا اور حمیرا کو بھی کھلایا۔

انہوں نے حمیرا کی موجودگی میں ایسی باتیں کیں جن سے حمیرا کو یقین ہو گیا کہ اسے بغداد لے جایا جا رہا ہے جہاں جابر اس کے ساتھ شادی کر لے گا۔ کھانا کھا چکے تو انہوں نے سونے کا بندوبست اس طرح کیا کہ حمیرا کے لئے الگ چادر بچھا دی اور باقی آدمی اس سے ذرا پرے ہٹ کر لیٹ گئے۔ حمیرا پختہ کردار اور ایمان والی لڑکی تھی لیکن محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ گھر سے بھاگ آئی تھی۔ اس کی جذباتی کیفیت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ اپنے آپ میں بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ کبھی تو اس کو خیال آتا کہ اس نے گھر سے نکل کر کوئی غلط کام نہیں کیا۔ وہ فخر سے کہہ سکتی تھی وہ باعصمت لڑکی ہے اور محبت میں مبتلا ہو کر بھی اس نے اپنی عصمت کو داغ دار نہیں ہونے دیا۔ وہ اس خیال سے بھی خوش تھی کہ اس نے اپنے بھائی کو ناراض نہیں کیا اور اس کے آگے جھوٹ نہیں بولا لیکن فوراً" ہی اس کا ضمیر لعنت ملامت کرنے لگا کہ ایک طرف تو وہ اسلام کی محبت کو دل میں لئے ہوئے ہے اور دوسری طرف اس نے ایک شہر باطنیوں کے حوالے کروا دیا ہے۔ بیشک اس کے بھائی نے امیرِ شہر سے انتقام لیا تھا لیکن ایک شہر اور اس مسلمان شہر کی آبادی باطنیوں کے حوالے کر دینا ایک گناہ تھا۔

حمیرا کی ذات میں ایسی کشمکش پیدا ہو گئی کہ وہ بے چین ہی ہوتی چلی گئی اس کیفیت میں اسے نیند کیسے آتی!..... وہ دل ہی دل میں اللہ سے معافیاں مانگنے لگی۔ اپنے دل کی تسلّی کے لئے اپنے آپ کو سبز باغ بھی دکھائے۔ اس نے تصوّر میں دیکھا کہ وہ جابر کی

Scanned by iqbalmt

بیوی بن گئی ہے اور زندگی بڑی ہی پُرسکون ہو گئی ہے۔ جابر نے اُسے یہ تو بتا دیا تھا کہ اس کے ساتھی باطنی ہیں لیکن اپنے متعلق یہ بتایا تھا کہ وہ باطنی نہیں اور وہ ان آدمیوں کے ساتھ اس لئے رہتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے عقیدے اور نظریے معلوم کرنا چاہتا ہے اور جب اسے یہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا تو پھر وہ حسن بن صباح کے عقیدوں کے خلاف تبلیغ کا فریضہ انجام دے گا۔

جابر حمیرا کے پاس آیا اور جھک کر اسے دیکھا۔ حمیرا نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ سوئی ہوئی ہے' آنکھیں بند کر لیں۔ جابر چلا گیا۔ وہ یہی دیکھنے آیا تھا کہ حمیرا سو گئی ہے یا نہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس جا بیٹھا۔ وہ حمیرا سے کوئی زیادہ دور نہیں تھے۔ یہی کوئی آٹھ دس قدموں کا فاصلہ ہو گا۔

"سو گئی ہے" ـــــ یہ جابر کی آواز تھی جو حمیرا کو سنائی دی۔

حمیرا پہلے ہی بیدار تھی' اس نے جابر کی یہ بات سنی تو وہ بالکل ہی بیدار ہو گئی اور اُس نے کان ان لوگوں کی طرف لگا دیئے۔ اسے شک اس لئے ہُوا کہ جابر نے یہ بات کچھ اور ہی انداز سے کی تھی۔

"اسے شک تو نہیں ہُوا کہ ہم اسے کہیں اور لئے جا رہے ہیں؟" ـــــ جابر کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

"نہیں!" ـــــ جابر نے جواب دیا ـــــ "میں نے اسے شک نہیں ہونے دیا"۔

"خدا کی قسم!" ـــــ ایک نے کہا ـــــ "امام اسے دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔ اگر یہ چل پڑی تو ہو سکتا ہے امام اسے باہر بھیج دیں"۔

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں دوستو!" ـــــ جابر نے کہا ـــــ "یہ تو تم جانتے ہو کہ میں اسے کس کام کے لئے لے جا رہا ہوں لیکن میں نے اس کے ساتھ جو محبت کی ہے اس میں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ میں اسے اپنی روح میں بٹھا چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے لئے کتنی بڑی دشواری پیدا کر لی ہے"۔

"اگر ایسی بات ہے تو شیخ الجبل کو پتہ نہ چلنے دینا" ـــــ ایک اور ساتھی بولا ـــــ "شیخ الجبل کو پتہ چل گیا کہ تم اس لڑکی کے معاملے میں جذباتی ہو تو تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا سزا ملے گی"۔

"ہاں' جانتا ہوں" ـــــ جابر نے کہا ـــــ "امام اپنا خنجر دے کر مجھے کہے گا کہ یہ اپنے

دل میں اتار لو۔ میں محتاط رہوں گا کہ امام کو اپنی جذباتی حالت نہ بتاؤں"۔

حسن بن صباح کو اس کے پیروکار امام کہا کرتے تھے اور تاریخوں میں اسے شیخ الجبل کہا گیا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے حمیرا کو سویا ہُوا سمجھ کر ایسی باتیں کیں جن سے حمیرا کے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہ رہا کہ اسے دھوکے میں اَلمُوت لے جایا جا رہا ہے۔ وہاں وہ اسی ابلیسیت کا ایک کل پرزہ بن جائے گی جس کے خلاف اُس کے دل میں نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی بے چینی میں مبتلا تھی اب وہ یوں محسوس کرنے لگی جیسے اس کے اندر آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اس نے پہلے تو یہ سوچا کہ ان لوگوں کے پاس چلی جائے اور کہے کہ وہ یہاں سے آگے نہیں جائے گی لیکن عقل نے اس کی راہنمائی کی۔ اس نے سوچا کہ یہ چھ آدمی ہیں اور یہ ان چھ آدمیوں سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ اس نے ان کے ہاتھوں مر جانے کا بھی فیصلہ کر لیا لیکن اس فیصلے پر قائم نہ رہ سکی۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ جب یہ سب سو جائیں تو اٹھے اور دبے پاؤں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ اس پر اس نے غور کیا اور یہی فیصلہ کر لیا کہ یہ سو جائیں تو وہ بھاگ جائے گی۔

○

آدھی رات ہونے کو آئی تھی جب یہ چھ آدمی سونے لگے۔ جابر ایک بار پھر حمیرا کے قریب آیا اور جھک کر اسے دیکھا۔ حمیرا نے آنکھیں بند کر لیں۔ جابر یہ یقین کر کے کہ لڑکی سو گئی ہے اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ پھر وہ سب سو گئے۔

حمیرا تو پوری طرح بیدار اور تیار ہو چکی تھی۔ اب اسے انتظار تھا کہ یہ اور زیادہ گہری نیند میں چلے جائیں تو وہ یہاں سے اٹھے اور نکلے۔ گھوڑے پندرہ بیس قدم دور بندھے ہوئے تھے۔ زینیں ان آدمیوں نے اپنے قریب رکھی ہوئی تھیں۔

حمیرا کو ان کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ اس نے کچھ دیر اور انتظار کیا۔ آخر وہ اٹھی اور دبے پاؤں زینوں تک پہنچی۔ اس نے ایک زین اٹھا لی لیکن زین وزنی تھی۔ وہ زین اٹھا کر چلی تو زمین پر پڑی ہوئی ایک زین سے اس کا پاؤں ٹکرا گیا اور وہ گر پڑی۔ لوہے کی رکابیں آپس میں ٹکرائیں تو بڑی زور کی آواز اٹھی۔ رات کے سناٹے میں یہ آواز زیادہ ہی زوردار سنائی دی۔ جابر کی آنکھ کھل گئی۔ باقی ساتھی سوئے رہے۔ ادھر حمیرا اٹھی اُدھر جابر اٹھا اور حمیرا تک پہنچا۔

Scanned by iqbalmt

”کیا کر رہی ہو؟“ — جابر نے سرگوشی میں پوچھا تاکہ اس کے ساتھی نہ جاگ پڑیں — ”کیا تم گر پڑی تھیں؟“

”ہاں!“ — حمیرا نے کہا — ”میرے ساتھ آؤ“۔

حمیرا نے جابر کا بازو پکڑا اور اسے اس کے ساتھیوں سے دور لے گئی اور دونوں وہاں بیٹھ گئے۔

”مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“ — حمیرا نے پوچھا۔

”قلعہ اَلَموُت!“ — جابر نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

”اَلَموُت؟“ — حمیرا نے پوچھا — ”کیا ہم بغداد نہیں جا رہے؟“

”سُنو حمیرا!“ — جابر نے کہا — ”میں باطنی ہوں.....“

”اور تم مجھے اس ابلیس حسن بن صباح کے حضور پیش کرو گے“ — حمیرا نے کہا — ”اور وہ مجھے اپنی بہشت کی حُور بنا دے گا..... جابر! میں نے رات تم سب کی باتیں سنی ہیں اور میں جانتی ہوں کہ باطنیوں کو مجھ جیسی خوبصورت لڑکیوں کی ضرورت ہوتی ہے“۔

”مجھے معلوم ہے تم سب کچھ جانتی ہو“ — جابر نے کہا — ”لیکن تم مجھے پوری طرح نہیں جان سکی۔ میں اپنے امام حسن بن صباح کے اُس گروہ کا آدمی ہوں جو کسی لڑکی کو یا کسی آدمی کو پھانسنے کے لئے ایسی جذباتی اور پُراثر باتیں کرتے ہیں کہ ان کا شکار ان کا گرویدہ ہو کر ان کے قدموں میں آ گرتا ہے لیکن ان میں جذبات ہوتے ہی نہیں۔ کسی دوسرے کی جان لے لینا اور اپنی جان دے دینا میرے گروہ کے لئے ایک کھیل ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں اپنی بہنوں اور اپنی ماؤں کے لئے بھی کوئی جذبات نہیں ہوتے لیکن حمیرا! تم پہلی لڑکی اور شاید آخری بھی ہو جس نے میرے دل کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے۔ اب کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ میں تمہیں فریب اور جھانسے دیتا چلا جاؤں۔ اب تم پوری طرح ہمارے قبضے میں ہو۔ یہاں سے بھاگو گی تو کتنی دور تک پہنچ جاؤ گی؟..... اور پھر جاؤ گی کہاں؟..... اگر تم ہمارے قابو میں آ گئی تو ہم تمہارے اس حسین جسم سے پورا پورا لطف اٹھا کر تمہیں قتل کر دیں گے“۔

”اور میں یہی صورت قبول کروں گی کہ اپنے آپ کو پہلے ہی ختم کر لوں“ — حمیرا نے کہا — ”میں مسلمان کی بیٹی ہوں۔ اپنا آپ کسی کے حوالے نہیں کروں گی“۔

”کیا تم میری پوری بات نہیں سنو گی؟“ — جابر نے کہا — ”میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اب میں تمہارے ساتھ محبت کی جو بات کر رہا ہوں یہ فریب نہیں۔ محبت میرے لئے ہمیشہ ایک سراب بنی رہی ہے اور میں اس سراب کے پیچھے دوڑتا اور بھٹکتا اور گرتا ہی رہا ہوں۔ میں گر گر کر اٹھا اور اٹھ اٹھ کر محبت کے سراب کے پیچھے دوڑتا رہا ہوں حتیٰ کہ میں اَلَموُت پہنچ گیا۔ میں کوئی لمبی چوڑی، کوئی میٹھی کڑوی باتیں نہیں کروں گا۔ مجھے محبت تم سے ملی ہے۔ میرے سوئے ہوئے اور فریب خوردہ جذبات کو تم نے جگایا ہے۔ تم اتنا کرو کہ خاموشی سے اور اطمینان سے میرے ساتھ چلی چلو۔ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کو پھانس کر لاتے ہیں اور اَلَموُت کی جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ ایسی لڑکیوں کو سنبھالنے اور اپنے راستے پر چلانے والے وہاں موجود ہیں۔ وہ دو تین دنوں ہی میں اس کے ذہن پر اور دل پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ پھر کوئی لڑکی وہاں سے بھاگنے کے متعلق سوچتی ہی نہیں لیکن حمیرا! میں ایسے نہیں کروں گا۔ میں اپنی روحانی محبت کا جو تم سے ہے، پورا پورا ثبوت پیش کروں گا..... دیکھ حمیرا! ہر انسان اُس عقیدے کو اور اُس مذہب کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے جو اسے باپ سے ورثے میں ملا ہے۔ عقیدے غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ انسان جب سے پیدا ہُوا ہے عقیدوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا چلا آیا ہے۔ میں تمہیں اسلام کے راستے سے نہیں ہٹا رہا۔ ہمارا امام حسن بن صباح اسلام کا شیدائی ہے۔ تم چل کے دیکھو۔ اگر یہ عقیدہ تمہارے دل نے قبول کر لیا تو وہاں رہنا، ورنہ مجھے اپنا قائل کر لینا اور میں تمہارے ساتھ بغداد چلا چلوں گا۔ میں تم سے محبت کے نام پر وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اَلَموُت میں کسی کے حوالے نہیں کروں گا، اپنے پاس رکھوں گا“۔

خنک اور خاموش رات گزرتی جا رہی تھی اور جابر اپنی زبان کا جادو جگا رہا تھا۔ اس کے دل میں حمیرا کی محبت تو تھی ہی لیکن اس دل میں حسن بن صباح بھی موجود تھا۔ حمیرا پر غنودگی اور خاموشی طاری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اتنا تو تسلیم کرتی تھی کہ وہ تنہائیوں میں جابر سے ملتی رہی تھی لیکن جابر نے کبھی اشارتاً بھی ایسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اس کی ساری دلچسپیاں اور چاہتیں حمیرا کے جسم کے ساتھ ہیں۔ اب آبادیوں سے دور جنگل میں جہاں حمیرا کو اس شخص سے بچانے والا کوئی بھی نہ تھا، جابر نے نفسانی خواہش کا ذرا جتنا بھی اظہار نہیں کیا تھا۔ حمیرا جابر کو ہی اپنا ہمسفر اور محافظ سمجھ رہی تھی

Scanned by iqbalmt

اور اُس نے اس شرط پر جابر کی ہمسفر رہنا قبول کر لیا کہ وہ الموت جا کر دیکھے گی کہ وہاں کیا ہے اور اس کا دل کیا کہتا ہے۔

اگلی صبح یہ قافلہ اپنی منزل کو روانہ ہو گیا۔

○

سلجوقی سلطان ملک شاہ کو دفن ہوئے دو مہینے اور کچھ دن گزر گئے تھے۔ یہی ایک طاقت تھی جو حسن بن صباح کی ابلیسیت کے سیلاب کو روک سکتی تھی۔ گو اس طاقت کو اب تک ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑا تھا لیکن یہ طاقت ہاری نہیں تھی اور نئی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس کا مقصد اور نصب العین صرف یہ تھا کہ حسن بن صباح کی جنت کو اس کے لئے اور اس کے فدائین کے لئے جہنم بنا دیا جائے لیکن ملک شاہ ایک فدائی کا شکار ہو گیا۔ اگر اس کا بڑا بیٹا برکیارق جو اس کی جگہ اس عظیم سلطنت کا سربراہ بنا تھا' اپنے باپ جیسا ہوتا تو یہ طاقت فردوسِ ابلیس پر بجلی بن کر گرتی لیکن برکیارق اُسی قاتل کی بہن کی زلفوں کا اسیر ہو گیا تھا جس نے صرف اسے ہی نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کو بھی یتیم کر دیا تھا۔

یہ لڑکی جس کا نام روزینہ تھا' اس قاتل کی بہن نہیں تھی۔ وہ تو حسن بن صباح کی بھیجی ہوئی لڑکی تھی جس نے مَرْو میں خانہ جنگی کا بیج بونا تھا۔ قاتل نے اپنا کام کر دیا تھا اور روزینہ مقتول کے جانشین کو اپنے طلسماتی حسن میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ یہ بھی اس کی کامیابی تھی کہ اس نے برکیارق کی ماں اور اس کے خاندان کے دیگر اہم افراد سے منوا لیا تھا کہ وہ اس قاتل کی بہن ہے۔ داستان گو پہلے تفصیل سے سنا چکا ہے کہ روزینہ نے کیسی حیران کن مہارت سے پورے خاندان کی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔

وہ لوگ اس خاندان کے خون کے رشتہ دار نہیں تھے جو کہتے تھے کہ یہ لڑکی مشکوک ہے اور خطرناک بھی لیکن برکیارق کسی کی سنتا ہی نہیں تھا۔ اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرے گا۔ سلطان ملک شاہ کا چہلم ہو چکا تھا۔ کئی دن گزر گئے تھے۔ اب کسی بھی دن برکیارق نے روزینہ کے ساتھ شادی کر لینی تھی۔

مزمّل آفندی اور شمونہ کی محبت کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ ان کی محبت صرف اس لئے نہیں تھی کہ دونوں جوان تھے اور خوبصورت بھی تھے اور پہلی نظر میں ہی ایک دوسرے

کے ہو گئے تھے بلکہ ان کی محبت کی ایک بنیاد تھی اور اس کے پس منظر میں ایک مقصد تھا جو ان دونوں میں مشترک تھا۔ یہ تھی حسن بن صباح کی نفرت اور یہ ارادہ کہ اس ابلیس کو قتل کرنا ہے۔

شمونہ حسن بن صباح کی داشتہ اور آلۂ کار رہ چکی تھی۔ اس نے حسن بن صباح کے لئے کچھ کام بڑی کامیابی سے کئے تھے لیکن اللہ نے اسے روشنی دکھائی اور وہ پھر واپس اسلام کی گود میں آ گری۔ ابو مسلم رازی نے جو سلطنتِ سلجوقیہ کے دوسرے بڑے شہر کا امیر تھا' شمونہ کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ اس حسین و جمیل لڑکی کے دل میں انتقام کے شعلے اٹھ رہے تھے۔

مزمّل آفندی حسن بن صباح کو قتل کرنے گیا تھا مگر خواجہ حسن طوسی کو قتل کرنے واپس آ گیا تھا۔ یہ تو شمونہ کی محبت اور شاہی طبیب نجم مدنی کا کمال تھا کہ انہوں نے مزمّل آفندی کے ذہن سے حسن بن صباح کے اثراتِ بد نکال دیئے تھے اور وہ اپنی اصلیت میں واپس آ گیا تھا۔ مزمّل بھی انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔

مزمّل اور شمونہ ملتے اور گھنٹوں اکٹھے بیٹھے رہتے تھے۔ شمونہ اور اس کی ماں کو جس کا نام میمونہ تھا' سلطان ملک شاہ نے ایک مکان دے دیا اور ان کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ مزمّل اپنے کاروبار میں لگ گیا تھا لیکن وہ اور شمونہ اپنے مشترک مشن کی تکمیل کے لئے تڑپتے رہتے تھے۔ ایک روز مزمّل شمونہ کے گھر میں آیا بیٹھا تھا۔ شمونہ کی ماں نے انہیں کہا کہ وہ شادی کر لیں۔ اس نے وجہ یہ بتائی کہ وہ دونوں جوان ہیں اور اکٹھے بیٹھتے اٹھتے ہیں اور اس سے لوگ شک کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے لوگ انہیں بدنام کر دیں اور سلطان برکیارق کے کان بھرنے شروع کر دیں جس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا..... میمونہ نے دوسری دلیل یہ دی کہ وہ دونوں جوان ہیں اور ایک دوسرے کو روحوں کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جذبات سے مغلوب اور اندھے ہو کر وہ گناہ کر بیٹھیں جس کی بخشش ذرا مشکل سے ہی نہیں بلکہ ہوتی ہی نہیں۔

مزمّل نے کوئی بات نہ کی۔ اس نے شمونہ کی طرف دیکھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اپنی ماں کو شمونہ خود ہی کوئی جواب دے۔

"میری ایک بات یقین سے سنو ماں!" ___ شمونہ کہا ___ "اگر میری اور مزمّل کی محبت جسمانی ہوتی تو اب تک ہم میاں بیوی بن چکے ہوتے' اگر یہ نہ ہوتا تو ہم وہ گناہ کر

Scanned by iqbalmt

چکے ہوتے جس کا تمہیں ڈر ہے..... ہماری محبت روحوں کا عشق ہے' ہمارا نصب العین ایک اور راستہ ایک ہے۔ ہمارے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے اور ہم دونوں کا اللہ حامی اور ناصر ہے۔ مجھے جس روز یہ اشارہ ملا کہ مزمل کو میرے حسن اور میرے جسم کے ساتھ محبت ہے تو اسی روز میرے اور اس کے راستے الگ ہو جائیں گے"۔

"شمونہ بیٹی!" ـــ میمونہ نے کہا ـــ "میں نے دنیا دیکھی ہے۔ حسن اور جوانی میں وہ طاقت....."

"مجھے اپنے حسن اور اپنی جوانی سے نفرت ہے ماں!" ـــ شمونہ نے جھنجھلا کر کہا ـــ "اس حسن اور جوانی نے مجھے اس ذلیل انسان کے قدموں میں جا پھینکا تھا۔ مجھے اپنے اس جسم سے نفرت ہوتی جا رہی ہے جسے لوگ اتنا زیادہ پسند کرتے ہیں..... میرے پاس روح رہ گئی ہے۔ اس کا مالک مزمل ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں' پاک ہوں' پلید ہوں' مزمل کی ہوں لیکن شادی ہمارا نصب العین نہیں۔ میں لوگوں کے لئے بڑا ہی حسین دھوکہ بنی رہی تھی۔ میں نے اللہ کو ناراض کیا۔ اللہ نے مجھے ایمان کی روشنی بخشی۔ اس کے شکرانے کے لئے یہ میرا فرض ہے کہ اللہ کو راضی کروں اور اپنی روح کو پاک کروں پھر میں اپنا آپ ایک بیوی کے طور پر مزمل کو پیش کروں گی۔ کیوں مزمل کیا تمہیں میری اس بات سے اختلاف ہے؟"

"نہیں شمونہ!" مزمل نے جواب دیا ـــ "میں بولتا تو میں بھی یہی کہتا جو تم نے کہا ہے۔ ہم نے سب سے پہلے اپنا مقصد پورا کرنا ہے..... تم نے ماں کو یہ جواب دے کر میرے ایمان' میرے کردار اور میرے عزم کو نئی تازگی دی ہے..... حسن بن صباح کو قتل کرنا ہماری زندگی کا مقصد ہے"۔

"یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں کہہ ہی دیتی ہوں" ـــ شمونہ نے مزمل سے کہا ـــ "میں اپنی ذات کو اور اپنے وجود کو مزمل کے بغیر نامکمل سمجھتی ہوں"۔

دونوں نے میمونہ کو یقین دلا دیا کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں کہتے رہیں لیکن وہ اس گناہ کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہیں لائیں گے جس کی طرف میمونہ نے اشارہ کیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ مزمل" ـــ شمونہ نے پوچھا ـــ "تم نے پھر برکیارق کو نہیں کہا کہ یہ لڑکی مشکوک ہے؟"

"ایک ہی بار کہہ کر دیکھ لیا تھا" ـــ مزمل نے کہا ـــ "اس نے مجھے ڈانٹ کر

چپ کرا دیا تھا۔ میں تو ابھی تک اسے دوست سمجھ رہا تھا لیکن وہ جس لہجے میں بولا اس سے مجھے یاد آ گیا کہ یہ شخص اب دوست نہیں بلکہ سلطان بن گیا ہے"۔

"تم رے کیوں نہیں چلے جاتے!" ـــ شمونہ نے کہا ـــ "تم ابو مسلم رازی سے بات کر کے دیکھو۔ وہ اتنے بڑے شہر اور اتنے وسیع علاقے کا حاکم ہے۔ سلطان ملک شاہ مرحوم کا خاص معتمد اور مشیر تھا۔ ہو سکتا ہے وہ برکیارق کو سمجھا بجھا کر اس لڑکی سے شادی کرنے سے روک دے"۔

"ابو مسلم رازی سلطان ملک شاہ مرحوم کا معتمد اور مشیر تھا" ـــ مزمل نے کہا ـــ "برکیارق اس کی بھی نہیں مانے گا۔ تم شاید نہیں جانتیں کہ برکیارق روزینہ کے لئے پاگل ہوا جا رہا ہے..... ابو مسلم رازی برکیارق کی شادی پر آ رہا ہے۔ اس سے پہلے اسے ملنا بیکار ہے۔ شادی تو ہونی ہی ہے۔ میں ابو مسلم رازی سے کہوں گا کہ روزینہ کو کسی طرح غائب کیا جائے۔ ابھی تو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ روزینہ کیا کر گزرے گی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے ہاتھ دکھائے گی ضرور پھر برکیارق زندہ رہا تو باقی عمر پچھتاتا رہے گا"۔

"شادی ہو جانے دو" ـــ شمونہ نے کہا ـــ "میں روزینہ کے ساتھ دوستی لگانے کی کوشش کروں گی۔ اگر میں کامیاب ہو گئی تو اسے زہر پلا دوں گی"۔

سلطان ملک شاہ مرحوم تو حسن بن صباح اور اس کے باطنی فرقے کا دشمن تھا ہی لیکن ابو مسلم رازی کی تو زندگی کا جیسے مقصد ہی یہی تھا کہ اس فرقے کا نام و نشان ہی مٹا دیا جائے۔ وہ تو صاف الفاظ میں کہا کرتا تھا کہ یہ کام تبلیغ سے نہیں ہو گا' یہ کام صرف تلوار سے ہو سکتا ہے۔ اس داستان کے آغاز میں سنایا جا چکا ہے کہ جب حسن بن صباح کو اتنی شہرت نہیں ملی تھی اور وہ ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ ابو مسلم رازی نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا تھا لیکن کسی طرح حسن بن صباح کو قبل از وقت پتہ چل گیا اور وہ رے سے غائب ہو گیا تھا۔

برکیارق اور روزینہ کی شادی کا دن آ گیا۔ بارات نے تو کہیں جانا نہیں تھا' دلہن سلطان کے محل میں موجود تھی۔ سلطان برکیارق کے حکم سے سارے شہر میں رات کو چراغاں کی گئی اور اس شادی پر جو ضیافت دی گئی اس کے چرچے تاریخ تک پہنچے اور آج تک سنائی دے رہے ہیں۔ ایک دعوتِ عام تھی۔ امراء اور وزراء اور دیگر رتبوں والے

Scanned by iqbalmt

افراد کے لئے الگ انتظام تھا اور شہریوں کے لئے باہر کھلے میدان میں کھانا رکھا گیا تھا۔ دور دور سے ناچنے گانے والے آئے تھے۔ ناچنے والیوں نے بھی آ کر اپنے فن کے مظاہرے کئے اور سب نے سلطان سے انعام وصول کئے۔

یہ ہنگامہ خیز شادی جس پر خزانے کا منہ کھول دیا گیا تھا' یہ انداز اس خاندان کی روایت کے منافی تھے۔ سلطان ملک شاہ مرحوم ہردلعزیز سلطان تھا۔ اسے فوت ہوئے ابھی دو مہینے اور کچھ دن گزرے تھے۔ لوگ اس کے غم میں نڈھال ہوئے جا رہے تھے لیکن برکیارق کی شادی کے دن لوگ سلطان مرحوم کا غم جیسے بھول ہی گئے تھے۔ برکیارق کا مقصد ہی یہی تھا۔

جب اندر نکاح وغیرہ ہو رہا تھا' اُس وقت مزمّل آفندی رے کے امیر ابو مُسلم رازی کے پاس جا بیٹھا۔ برکیارق کے دونوں چھوٹے بھائی' محمد اور سنجر' بھی ان کے پاس آ بیٹھے۔ یہ دونوں بھائی خاصے مغموم تھے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ ایک تو انہیں اپنا باپ یاد آ رہا ہے اور دوسرے' یہ کہ یہ اپنے بھائی کی شادی پر خوش نہیں۔

"امیرِ محترم!" ــــ مزمّل نے ابو مسلم رازی سے کہا ــــ "آپ جب سلطان مرحوم کی وفات پر یہاں آئے تھے تو مجھے آپ کے ساتھ بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب میں نے موقع نکالا ہے۔ کیا آپ کو کسی نے پہلے بتایا ہے کہ ہمارے نئے سلطان کی دلہن باطنی ہے اور یہ اپنے آپ کو سلطان مرحوم کے قاتل کی بہن ظاہر کرتی ہے؟"

"ہاں مزمّل آفندی!" ــــ ابو مسلم رازی نے جواب دیا ــــ "میرے مخبری کے ذرائع ایسے ہیں کہ زمین کے نیچے کی ہوئی بات بھی میرے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے"۔

"سلطان برکیارق کی دلہن سلطان مرحوم کے قاتل کی بہن نہیں" ــــ مزمّل نے کہا ــــ "یہ اس کے ساتھ اَلموت سے آئی تھی۔ کیا آپ اس کے متعلق کچھ سوچ رہے ہیں؟"

"میں سب کچھ سوچ چکا ہوں" ــــ ابو مسلم رازی نے کہا ــــ "اور سوچ بھی رہا ہوں۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"امیرِ محترم!" ــــ مزمّل نے جواب دیا ــــ "میں یہی سوچ رہا ہوں کہ یہ لڑکی نہ جانے کیا گل کھلائے گی۔ آپ سے میں نے صرف یہ کہنا ہے کہ جہاں کہیں آپ کو میری

ضرورت پڑے مجھے فوراً بلائیں۔ آپ اس لڑکی کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں جس کا نام شمونہ ہے۔ وہ آگ بگولہ بنی بیٹھی ہے۔ آپ اسے بھی استعمال کر سکتے ہیں"۔

"تم کسی بھی دن رے آ جاؤ" ــــ ابو مُسلم رازی نے کہا ــــ "اطمینان سے بیٹھیں گے اور کچھ سوچ لیں گے"۔

"کیا یہ لڑکی ہمارے بھائی کو مار ڈالے گی؟" ــــ برکیارق کے بھائی محمد نے پوچھا۔

"شاید نہیں!" ــــ ابو مسلم رازی نے کہا ــــ "یہ لڑکی سلطان برکیارق کو اپنے قبضے میں رکھے گی اور اس کی توجہ حسن بن صباح سے ہٹا دے گی۔ مجھے اطلاعیں مل رہی ہیں۔ سلطان مرحوم کی وفات کے بعد باطنیوں کی تبلیغ بہت تیز ہو گئی ہے اور ان کے اثرات دور دور تک پھیلنے شروع ہو گئے ہیں۔ میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ سلطان برکیارق کیا کرتے ہیں"۔

"ہمارا بھائی برکیارق کچھ بھی نہیں کرے گا" ــــ محمد نے کہا ــــ "ہم اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہم دونوں بھائی دیکھ رہے ہیں کہ برکیارق کا رویّہ ہمارے ساتھ بالکل ہی بدل گیا ہے جیسے ہم اس گھر میں مہمان آئے ہوئے ہوں اور دو چار دنوں بعد رخصت ہو جائیں گے"۔

"ایک خیال کرنا محمد!" ــــ ابو مسلم رازی نے کہا ــــ "اور تم بھی سنجر! اگر برکیارق یا اس کی بیوی کوئی بدتمیزی یا تمہارے ساتھ بُرا رویّہ اختیار کرے تو خاموش رہنا۔ میں ابھی ایک بات زبان پر نہیں لانا چاہتا تھا مگر تم لوگوں کو ذرا سا اشارہ دے ہی دوں تو بہتر ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس لڑکی کے ذریعے حسن بن صباح ہماری سلطنت میں خانہ جنگی کرانا چاہتا ہے۔ خانہ جنگی کیسے ہو گی؟ اس پر ابھی نہ سوچو' میں موجود ہوں۔ تم دونوں بھائی چوکنّے رہنا..... اور تم مزمّل! اِدھر اُدھر دھیان رکھنا۔ جونہی کوئی بات معلوم ہو میرے پاس آ جانا"۔

○

اگلے روز دعوتِ ولیمہ دی گئی جو شادی کی ضیافت جیسی ہی تھی۔ امراء' وزراء اور دیگر اعلیٰ سرکاری رتبوں والے افراد فرداً فرداً سلطان برکیارق کو مبارکباد کہنے گئے۔ برکیارق نے ہر ایک سے کہا کہ یہ لوگ تین چار دن یہیں رہیں کیونکہ وہ ان سے خطاب کرے گا۔

Scanned by iqbalmt

یہ لوگ رُکے رہے۔ پانچویں روز برکیارق نے ان سب کو اکٹھا کر کے خطاب کیا۔

یہ ایک تاریخی اہمیت کا خطاب تھا۔ تاریخی اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ نئے سلطان نے سلطنتِ سلجوقیہ کی گاڑی اُلٹے رُخ چلا دی تھی۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ اس نے اس خطاب میں جو نئے اعلان کئے وہ کچھ اس طرح تھے:

نیا وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری ہوگا۔

انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں گی۔

حسن بن صباح کا مقابلہ تبلیغ سے کیا جائے گا کیونکہ وہ ایک مذہبی فرقہ ہے جسے فوجی طاقت سے نہیں دبایا جا سکتا۔ سلطان برکیارق نے زور دے کر کہا کہ پہلے بہت زیادہ جانی نقصان کرایا جا چکا ہے جو اب ختم کیا جا رہا ہے۔

محصولات زیادہ کئے جائیں گے۔

وہاں جتنے بھی امراء، وزراء اور سالار وغیرہ بیٹھے تھے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سب نے نمایاں طور پر محسوس کیا کہ سلطان نشے کی حالت میں بول رہا ہے۔ یہ نشہ سلطانی کا بھی تھا اور روزینہ کے حسن و جوانی کا بھی۔

"سلطانِ محترم!" — ابو مسلم رازی بے قابو ہو کر بول پڑا — "حسن بن صباح ایک خطرناک فتنہ ہے اور اسلام کا بدترین دشمن..... نظام الملک اور سلطان ملک شاہ کا قاتل حسن بن صباح ہے"۔

سلطان برکیارق نے ابو مسلم رازی جیسے عالم، مجاہد اور بزرگ کو آگے بولنے نہ دیا۔

"اب کوئی قتل نہیں ہوگا" — سلطان برکیارق نے کہا — "یہ سوچنا میرا کام ہے..... آپ کا نہیں..... آپ رے میں امن و امان قائم رکھیں"۔

سلطان برکیارق کی اس نئی حکمتِ عملی سے سب کو اختلاف تھا لیکن جس طرح اس نے ابو مسلم رازی کو ٹوک کر اپنا حکم چلایا اس سے سب خاموش رہے۔ سب نے جان لیا کہ یہاں بولنا بے کار ہے۔ یہ سب چھوٹے بڑے حاکم سلطان برکیارق کے باپ کے وقتوں کے تھے اور سب کی عمریں اس کے باپ جتنی تھیں لیکن برکیارق نے کسی ایک کا بھی احترام نہ کیا اور کسی کو وہ تعظیم بھی نہ دی جو سرکاری طور پر ان کا حق تھا۔ وہ اپنا خطاب ختم کر کے وہاں سے چلا گیا۔

باہر آ کر سب نے آپس میں کھسر پھسر کی مگر اونچا کوئی بھی نہ بولا۔ بعض پر تو حیرت

کی خاموشی چھا گئی تھی۔ ابو مسلم رازی برکیارق کی ماں کے پاس چلا گیا۔ اس گھر میں اس کی اتنی قدر و منزلت ہوتی تھی جیسے وہ اسی خاندان کا ایک فرد ہو۔ برکیارق کی ماں اسے دیکھ کر رونے لگی۔

"مجھے غم تھا کہ میں بیوہ ہو گئی ہوں" — ماں نے کہا — "لیکن ایک اور غم یہ آ پڑا ہے جیسے میرا بیٹا برکیارق بھی مر گیا ہو۔ روزینہ اس پر نشے کی طرح طاری ہو گئی ہے۔ ولیمے کے بعد میرا بیٹا باہر نکلا ہی نہیں۔ کیا دن کیا رات، وہ دلہن کے ساتھ کمرے میں بند رہا۔ کل شام دونوں بگھی پر باہر نکلے تو میں ان کی خواب گاہ میں چلی گئی۔ خادمہ برتن اٹھا رہی تھی۔ دو چاندی کے پیالے پڑے تھے۔ پاس ایک صراحی رکھی تھی۔ میں نے پیالے سونگھے تو عجیب سی بُو آئی۔ یہ اگر شراب نہیں تھی تو کوئی اور مشروب نہیں بلکہ یہ کوئی اور نشہ تھا"۔

"آپ اتنے بھی پریشان نہ ہو جائیں" — ابو مسلم رازی نے برکیارق کی ماں کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا — "یہ آپ کے بیٹے کا نہیں یہ جوانی کا قصور ہے۔ کچھ دنوں بعد نشہ اُتر جائے گا اور مجھے امید ہے کہ لڑکا اپنے خاندان کے راستے پر آ جائے گا"۔

"میں نے دنیا دیکھی ہے" — برکیارق کی ماں نے کہا — "میں اپنے آپ کو یہ دھوکہ کس طرح دوں کہ یہ بیٹا اپنے باپ کے راستے پر واپس آ جائے گا۔ ہم نے بھی جوانی دیکھی ہے۔ سلطان مرحوم کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میں اس لڑکی جیسی خوبصورت تھی اور کمسن بھی تھی۔ سلطان مرحوم کبھی میرے ساتھ کمرے میں بند نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک نشہ نہیں بنایا بلکہ ایک خوبصورت بیوی سمجھ کر اس حیثیت میں رکھا جو بیوی کو اسلام نے دی ہے..... خوبصورت عورت بجائے خود ایک نشہ ہوتی ہے۔ اللہ نے مرد میں کمزوری رکھ دی ہے کہ وہ حسین عورت کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ چالاک اور مطلب پرست عورت جس مرد پر بدنیتی سے یا اپنے مطلب کے لئے قبضہ کرنا چاہتی ہے اس کے دل میں بلکہ روح میں اترتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ شخص اس عورت کا زر خرید غلام ہو جاتا ہے۔ ایسی بدفطرت عورت مرد کو اس مقام تک پہنچا دیتی ہے جہاں سے اس کی واپسی ناممکن ہو جاتی ہے۔ اُس مقام پر جا کر اسے سُود و زیاں کا احساس ہی نہیں رہتا۔ وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور اس احساس سے بیگانہ ہو جاتا ہے کہ اس کی تباہی کی ذمہ داری یہ عورت ہے اور وہ اس عورت کا پجاری

Scanned by iqbalmt

بن جاتا ہے ..... عورت کے ہاتھوں بادشاہیاں لُٹ گئی ہیں"۔

ابو مسلم رازی جانتا تھا کہ سلطان ملک شاہ مرحوم کی بیوہ جو کہہ رہی ہے ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہ مشاہدے کی باتیں تھیں لیکن اب تو یہ سوچنا تھا کہ بریارق کو کس طرح اس لڑکی کے نشے سے نکالا جائے۔ ابو مسلم نے اس خاتون کو جھوٹی سچی تسلیاں دیں اور کہا کہ وہ نظر رکھے گا اور کوشش کرے گا کہ سلطنت کا وقار قائم رہے۔

○

اس سے کچھ عرصہ پہلے حمیرا جابر کے ساتھ قلعہ اَلمُوت پہنچ گئی تھی۔ ان لوگوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ کوئی آدمی کسی لڑکی کو ورغلا کر اَلمُوت لاتا تو اس لڑکی کو لڑکیوں کے گروہ کے نگران کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی لڑکی اکھڑپن پر اتر آتی اور ان لوگوں کی بات پر آنے سے انکار کر دیتی تو ان کے پاس اس کا بھی علاج موجود تھا۔ ایک علاج تو تشدّد اور زبردستی تھی لیکن یہ علاج کم سے کم استعمال کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس بڑے ہی پیارے اور دل کو لبھانے والے طریقے تھے جو بڑی اکھڑ لڑکیوں کو بھی موم کر لیتے تھے۔ جابر کو یہی کرنا چاہئے تھا کہ وہ حمیرا کو متعلقہ گروہ کے نگران کے حوالے کر دیتا۔ اس کا کام ہو گیا تھا لیکن جابر نے اس مروجہ طریقۂ کار سے انحراف کیا اور حمیرا کو اپنے ایک دوست کے گھر لے گیا۔

اس کا یہ دوست تھا تو باطنی لیکن وہ فدائین میں سے نہیں تھا نہ کبھی اسے ذمہ داری کا کوئی کام سونپا گیا تھا۔ اس دوست نے جابر سے کہا کہ وہ کیوں اس لڑکی کو ساتھ لئے اور چھپائے پھرتا ہے۔ اسے ان کے حوالے کیوں نہیں کر دیتا جو نئی آنے والی لڑکیوں کو اپنے ابلیسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں!

"نہیں بھائی!" —— جابر نے اپنے دوست سے کہا —— "اس لڑکی کے ساتھ میرا کچھ جذباتی سا تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ اسے آخر اسی جگہ بھیجنا ہے جس جگہ کے لئے میں اسے ساتھ لایا ہوں لیکن اس سے مجھے ایسی محبت ہو گئی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں اسے کسی اور کے حوالے کروں۔ میں اسے خود تیار کروں گا"۔

دراصل جابر کو حمیرا سے محبت ہی اتنی زیادہ تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ اسے باطنیوں کے مقاصد کے لئے تیار بھی کر لے اور یہ لڑکی اس سے متنفّر بھی نہ ہو۔ دوست نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ حمیرا کو ایک بار حسن بن صباح کے سامنے لے جائے اور اس سے

درخواست کرے کہ وہ اس لڑکی کو خود تیار کرنا چاہتا ہے۔ دوست نے اسے یہ مشورہ اس لئے دیا تھا کہ وہ کبھی اس لڑکی کے ساتھ پکڑا گیا یا کسی کو پتہ چل گیا کہ جابر نے ایک لڑکی کو اپنے قبضے میں رکھا ہُوا ہے تو اسے موت سے کم سزا نہیں ملے گی۔

جابر نے اس مشورے کو بڑا قیمتی مشورہ جانا اور ایک روز حمیرا کو حسن بن صباح کے پاس لے گیا۔ حمیرا جانا تو نہیں چاہتی تھی لیکن اس نے سوچا کہ اس انسان کو ایک بار دیکھ تو لے جس نے ایک باطل عقیدے کو اتنی جلدی اور اتنی دور دور تک پھیلا دیا ہے۔ حمیرا نے یہ بھی سنا تھا کہ حسن بن صباح اپنے کسی فدائی سے کہتا ہے کہ اپنی جان لے لو تو وہ فدائی اپنے آپ کو مار دینے میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ نہیں دکھاتا اور وہ فوراً" خنجر اپنے سینے میں اتار لیتا ہے۔ حمیرا نے سوچا دیکھوں تو سہی کہ وہ انسان کیسا ہے۔

جابر اسے سیدھا حسن بن صباح کے پاس نہ لے گیا بلکہ اسے ایک جگہ چھوڑ کر پہلے خود حسن بن صباح کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ وہ اس لڑکی کو لایا ہے جس کے بھائی نے انہیں قستان جیسا اہم قلعہ دلایا ہے۔ حسن بن صباح کو معلوم تھا کہ یہ قلعہ بند شہر کس طرح اس کے قبضے میں آیا ہے۔ جابر نے حسن بن صباح کو پوری تفصیل سنائی۔

"تم اب چاہتے کیا ہو!" —— حسن بن صباح نے پوچھا۔

"یا شیخ الجبل!" —— جابر نے کہا —— "میں اس لڑکی کو کچھ انعام دینے کی درخواست کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اسے خود تیار کروں۔ اس پر تشدّد نہ ہو یا اسے حشیش نہ پلائی جائے اور اسے دھوکے میں بھی نہ رکھا جائے۔ اگر میں اسے بقائمی ہوش و حواس تیار کر لوں تو یہ لڑکی پہاڑوں کو آپ کے قدموں میں جھکا دے گی"۔

"میرا خیال ہے کہ تم خود انعام لینا چاہتے ہو" —— حسن بن صباح نے کہا —— "ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی سے بڑھ کر اور انعام کیا ہو سکتا ہے..... کیا تم انعام کے طور پر اس لڑکی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو؟"

"یا شیخ الجبل!" —— جابر نے سر جھکا کر کہا —— "جس روز میرے دل میں یہ آئی کہ میں اپنے امام کو دھوکہ دوں اُس روز میں اپنے خنجر سے اپنے آپ کو ختم کر لوں گا..... میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ کے پاس تھوڑی سی دیر بیٹھی تو اس کا اکھڑپن ختم ہو جائے گا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس لڑکی کے دل میں آپ کی اور ہم سب کی نفرت بھری ہوئی ہے۔ میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ اس کے

Scanned by iqbalmt

دل میں میری محبت موجزن ہے۔ آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں"۔

حسن بن صباح کے اشارے پر جابر اٹھا اور باہر جا کر حمیرا کو اپنے ساتھ لے آیا۔ حمیرا حسن بن صباح کے سامنے بیٹھ گئی۔ حسن بن صباح کے ہونٹوں پر تبسّم تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس شخص کی آنکھیں بھی مسکرا رہی ہوں۔ ان مسکراتی آنکھوں نے حمیرا کو جیسے جکڑ لیا ہو اور حمیرا کی آنکھوں میں پلک جھپکنے کی بھی سکت نہ رہی ہو۔ حمیرا نے محسوس کیا کہ جیسے حسن بن صباح کی آنکھوں سے غیر مرئی اور بڑے پیارے رنگوں والی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں اور شعاعیں حمیرا کی آنکھوں کے ذریعے اس کے جسم میں داخل ہو رہی ہوں۔ حمیرا اپنی ذات میں تبدیلی سی محسوس کرنے لگی۔ اس کے اندر ایسا احساس بیدار ہونے لگا جیسے حسن بن صباح اتنا قابل نفرت نہیں ہے جتنا وہ سمجھتی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ حسن بن صباح نے یہ پُراسرار طاقت بڑی محنت سے اور استادوں کے قدموں میں سجدے کر کر کے حاصل کی ہے۔

"ایک بات بتاؤ لڑکی!" ــــ حسن بن صباح نے مسکراتے ہوئے پوچھا ــــ "تمہارے دل میں کسی کی محبت تو ضرور ہو گی!"

"ہاں!" ــــ حمیرا نے کہا ــــ "میرے دل میں اپنے اللہ کی محبت ہے"۔

"اس کے بعد کون؟"

"اللہ کے آخری رسولؐ!" ــــ حمیرا نے جواب دیا۔

"اس کے بعد؟"

"اپنے بھائی منورالدولہ کی محبت میرے دل میں رچی بسی ہوئی ہے" ــــ حمیرا نے جواب دیا۔

"اور اس کے بعد؟"

حمیرا نے جابر کی طرف دیکھا اور زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔

"ایک بات بتا لڑکی" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "جس دل میں محبت کا سمندر موجزن ہے اس میں نفرت کہاں سے آ گئی؟"

حمیرا نے چونک کر حسن بن صباح کی طرف دیکھا لیکن کہہ کچھ بھی نہ سکی۔

"جاؤ لڑکی!" ــــ حسن بن صباح نے کہا ــــ "تم قدرت کے حسن کا شاہکار ہو۔ تم پھول ہو جو خوشبو دیا کرتے ہیں۔ پنے پھول جیسے حسن میں نفرت کی بدبو نہ بھرو.....

جاؤ۔ جابر کے ساتھ رہو۔ جب تمہارے دل سے نفرت نکل جائے گی اور ضرور نکلے گی، پھر تمہارا دل تمہیں کہے گا کہ چلو اسی شخص کے پاس..... پھر تم خود میرے پاس آؤ گی"۔

حمیرا آنکھیں حسن بن صباح کی آنکھوں سے آزاد نہ کر سکی۔ اسے اٹھنا تھا لیکن نہ اٹھی اس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور وہ اپنی ذات میں کوئی ایسا تاثر محسوس کر رہی تھی جیسے وہ یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتی۔ اگر جابر اس کا بازو پکڑ کر نہ اٹھاتا وہ تو وہیں بیٹھی رہتی۔ جابر حمیرا کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل آیا۔

○

جابر کے دوست کے گھر پہنچنے تک حمیرا نے کوئی بات نہ کی۔ وہ اپنے آپ میں کوئی تبدیلی محسوس کر رہی تھی جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ انسان اور ابلیس کے اس پہلو سے ناواقف تھی کہ جب کوئی انسان اپنے آپ میں ابلیسی اوصاف پیدا کر لیتا ہے تو اس میں ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ خام کردار والے لوگ اس کی طرف کھنچے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اگر وہ بدصورت ہو تو بھی دیکھنے والوں کو خوبصورت لگتا ہے۔ اس کی زبان میں ایسا طلسماتی تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ جب بات کرتا ہے تو سننے والوں کے دلوں میں اس کا ایک ایک لفظ اترتا چلا جاتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ جو انسان میرے راستے سے ہٹ کر ابلیس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اس پر میں ایک ابلیس مسلط کر دیا کرتا ہوں۔

حمیرا اس لئے بھی حسن بن صباح کا اچھا تاثر لے کر آئی تھی کہ وہ تو اپنی دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کے پیروکار اسے نبی بھی مانتے تھے۔ وہ جسے چاہتا ایک اشارے پر قتل کروا دیا کرتا تھا۔ یہ شخص کہہ سکتا تھا جابر تم جاؤ اور اس لڑکی کو میرے پاس رہنے دو لیکن حسن بن صباح نے جیسے حمیرا کے حسن و جوانی کی طرف توجہ دی ہی نہیں تھی۔ اس لحاظ سے وہ جابر کے کردار کی بھی قائل ہو گئی تھی۔ اتنے دن اور اتنی راتیں جابر کے ساتھ رہ کر اس نے دیکھا کہ جابر نے کبھی اس سے پیار اور محبت کی باتوں کے سوا کوئی بیہودہ بات یا حرکت نہیں کی تھی۔

حمیرا کو اپنا بھائی، ماں اور چھوٹے بہن بھائی یاد آتے تھے۔ اسے اپنے بھائی کی بیوی اور اس کے بچے بھی یاد آتے تھے لیکن وہ گھر سے کبھی واپس نہ جانے کے لئے نکلی تھی۔ وہ اس کوشش میں لگی رہتی تھی کہ ان سب کو دل سے اتار دے۔

Scanned by iqbalmt

ایک دو دنوں بعد جابر نے حمیرا سے کہا کہ آؤ تمہیں یہاں کا قدرتی حسن دکھاؤں۔ تم کہہ اٹھو گی کہ اگلے جہان کی جنت اس سے خوبصورت کیا ہو گی..... وہ دونوں شہر سے باہر نکل گئے۔ قلعہ اور یہ شہر پہاڑی کے اوپر تھے۔ دور جا کر وہ اس پہاڑی سے اترے۔ آگے دریا تھا' دریا اور پہاڑی کے درمیان ذرا کشادہ میدان تھا جس میں بڑے خوبصورت اور دلنشین پودے تھے' درخت تھے اور گھاس تھی۔ حمیرا کو یہ جگہ بہت ہی اچھی لگی۔ اس کے دل پر جو بوجھ سا اور گرفت سی رہتی تھی وہ کم ہونے لگی۔ اس نے محسوس کیا جیسے وہ یہاں سے واپس نہیں جا سکے گی۔ جابر اسے دریا کے کنارے لے گیا۔ یہ کنارہ بہت ہی اونچا تھا۔ دریا بہت نیچے بہتا چلا جا رہا تھا۔ وہاں دریا کا پاٹ تنگ تھا۔ سامنے والا کنارا بھی اونچا تھا۔ وہاں سے دریا مڑتا بھی تھا اس لئے وہاں پانی کا جوش بڑا ہی زیادہ تھا اور بھنور بھی پیدا ہو رہا تھا۔ یہ دراصل پہاڑی تھی جسے کاٹ کر دریا گزر رہا تھا۔

جابر اور حمیرا اس کنارے پر کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگے۔

"یہاں سے دریا میں کوئی گر پڑے تو کیا وہ بچ کے نکل آئے گا؟" ——— حمیرا نے پوچھا۔

"ناممکن!" ——— جابر نے جواب دیا ——— "کوئی تیراک بھی نہیں نکل سکے گا کیونکہ پاٹ تنگ ہے اور پانی زیادہ اور تیز بھی ہے اور دریا یہاں سے مڑتا بھی ہے..... یہ دریا یہاں سے کھڑے ہو کر دیکھو تو ہی اچھا لگتا ہے"۔

"اپنے امام کے پاس پھر کبھی لے چلو گے؟" ——— حمیرا نے پوچھا۔

"کیا تم اُس کے پاس جانا چاہو گی؟" ——— جابر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں محسوس کرتی ہوں کہ مجھے اس کے پاس ایک بار پھر جانا چاہئے" ——— حمیرا نے کہا اور پھر آہ بھر کر بولی ——— "اپنے بھائی کو' ماں کو اور بھائی کے بچوں کو دل سے اتارنے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن وہ سب بہت یاد آ رہے ہیں"۔

"میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں!" ——— جابر نے کہا اور کچھ توقف کے بعد بولا ——— "تم ان سب کو بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے..... تمہارا بھائی اس دنیا میں نہیں رہا....."

"کیا کہا؟" ——— حمیرا نے تڑپ کر پوچھا ——— "وہ اس دنیا میں نہیں رہا؟ کیا ہوا اسے؟"

"اُسے قتل کر دیا گیا تھا" ——— جابر نے کہا ——— "اُس کے بیوی بچوں کا اور تمہاری

ماں اور بہن بھائیوں کا بھی یہی انجام ہوا"۔

"میرے بھائی کو کس نے قتل کیا تھا؟"

"میرے ساتھیوں نے!" ——— جابر نے جواب دیا۔

"تمہارے ساتھیوں نے!" ——— حمیرا نے چلّا کر کہا اور جابر پر جھپٹ پڑی۔

اُس وقت جابر دریا کے کنارے پر کھڑا تھا۔ حمیرا نے اُس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری طاقت سے دھکا دیا۔ پیچھے ہٹنے کو جگہ تھی ہی نہیں۔ پیچھے دریا تھا۔ جابر اتنے اونچے کنارے سے گرا۔ اس کی چیخیں سنائی دیں اور جب وہ دریا میں گرا تو اس کی چیخیں گرنے کی آواز میں دب گئیں۔ حمیرا نے اوپر سے دیکھا جابر ہاتھ مار رہا تھا۔ دریا اسے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا لیکن موڑ پر بھنور تھا۔ جابر اس بھنور میں آ گیا اور ایک ہی جگہ لٹو کی طرح گھومنے لگا۔ حمیرا نے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک بڑا ہی وزنی پتھر پڑا تھا۔ حمیرا نے پتھر اٹھایا جو اُس سے ذرا مشکل سے ہی اٹھا۔ جابر اس کے بالکل نیچے پھنسا ہوا تھا۔ حمیرا نے اوپر سے پتھر پھینکا جو جابر کے سر پر گرا۔ اس کے بعد جابر پانی سے اُبھر نہ سکا۔

جابر ڈوب گیا تو حمیرا نے توجہ اپنی طرف کی۔ اس حقیقت نے اُس کے دل کو مٹھی میں لے لیا کہ وہ اکیلی رہ گئی ہے۔ اب وہ واپس جابر کے دوست کے پاس نہیں جا سکتی تھی۔ اسے اب وہاں سے فرار ہونا تھا۔ اس کی خوش نصیبی تھی کہ سورج غروب ہو رہا تھا وہ آگے کو چل پڑی۔ اس نے رو رو کر اللہ کو یاد کیا اور تیز ہی تیز چلتی چلی گئی اور جب سورج غروب ہو گیا تو وہ گھنے جنگل میں پہنچ چکی تھی۔

وہ اس خیال سے دوڑ پڑی کہ رات ہی رات وہ اتنی دور نکل جائے کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہ آ سکے۔ رات تاریک ہوتی چلی گئی۔ حمیرا کو راستے کا کچھ اندازہ تھا۔ وہ اس راستے پر ہو لی۔

الموت کا قلعہ اور شہر اندھیرے میں چھپ گئے تھے۔ حمیرا نے اللہ کا نام لے کر اپنے حوصلے مضبوط کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ چلتی چلی گئی۔ رات کی تاریکی اسے دنیا سے چھپائے ہوئے تھی۔ وہ بہت دور نکل گئی اور اسے یوں سنائی دیا جیسے کوئی گھوڑا آ رہا ہو۔ وہ راستے سے ذرا ہٹ کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ اندھیرے میں ذرا ذرا نظر کام کرتی تھی۔

گھوڑا قریب آ گیا۔ اس پر ایک آدمی سوار تھا۔ حمیرا ڈرپوک لڑکی نہیں تھی۔ اس

Scanned by iqbalmt

کے دماغ نے ایک ترکیب سوچ لی۔ جوں ہی گھوڑا قریب آیا، حمیرا تیزی سے گھوڑے کے راستے میں جا کھڑی ہوئی۔ اس نے بازو پھیلا دیئے اور بڑی زور سے چیخیں مارنے لگی۔ یہ چیخیں اس طرح کی نہیں تھیں جو خوف یا تکلیف کی حالت میں منہ سے نکلا کرتی ہیں۔ حمیرا نے چڑیلوں کے قصے سنے تھے۔ وہ چڑیلوں کی طرح چیخ رہی تھی اور بڑی بھدی سی آواز میں بولی —— "مسافر گھوڑے سے اتر اور پیدل چل نہیں تو کلیجہ نکال لوں گی"۔

لوگ چڑیلوں کے وجود کو مانتے تھے۔ سوار اسے چڑیل نہ سمجھتا تو اور کیا سمجھتا..... رات کو اس ویرانے میں کوئی عورت اور وہ بھی اکیلی جا ہی نہیں سکتی تھی۔ حمیرا ایسے خوفناک طریقے سے چیخی تھی کہ گھوڑا بھی بدک گیا تھا۔ سوار کود کر گھوڑے سے اترا اور حمیرا کے آگے گھٹنے زمین پر ٹیک کر ہاتھ جوڑ دیئے۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ چڑیل سے اپنی جان کی بخشش مانگ رہا تھا۔ حمیرا اسے نظرانداز کر کے گھوڑے کے پاس گئی۔ رکاب میں پاؤں رکھا اور گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس نے گھوڑا موڑا اور ایڑ لگا دی وہ شہسوار تھی اور مضبوط دل والی لڑکی تھی۔

اچھی نسل کا گھوڑا دوڑا تو بہت تیز لیکن حمیرا کو خیال آگیا کہ وہ جائے گی کہاں؟..... اس کا بھائی قتل ہو چکا تھا اور گھر کے باقی افراد کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ بیچارے کس انجام کو پہنچے۔ وہ گھوڑا دوڑاتی گئی اور سوار پیدل بھاگ اٹھا۔

ایسے شدید اور تیز و تند بھنور میں آیا ہوا جابر بن حاجب اس میں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا وہ اس میں سے نکل نہیں سکتا تھا لیکن حمیرا نے اوپر سے اُس کے سر پر بڑا وزنی پتھر گرایا تو وہ پانی کے نیچے چلا گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ سر پر اتنا وزنی پتھر گرنے سے وہ بڑی جلدی مر گیا ہو گا۔ حمیرا وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ پیچھے کیا ہوا ہے۔

جابر جب دریا کے نیچے سے اُبھرا تو بھنور نے اُسے دور پھینک دیا یا اُگل دیا۔ وہ مر چکا تھا۔ وہاں سے کوئی ایک میل آگے دریا کا پاٹ بہت چوڑا ہو جاتا تھا۔ وہاں کنارے پر پکی گھاٹ بنی ہوئی تھی۔ دریا میں تیراکی کے شوقین آکر تیرتے اور نہایا کرتے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا اس لئے وہاں چار پانچ ہی آدمی تھے جو گھاٹ سے دریا میں کُود کُود کر ہنس کھیل رہے تھے۔ یہ سب حسن بن صباح کے فدائین تھے۔ ان میں سے ایک نے ڈبکی لگائی اور جب وہ پانی میں سے اُبھرا تو اس کا سر ایک انسانی جسم کے ساتھ ٹکرایا جسے وہ اپنے کسی ساتھی کا جسم سمجھا۔ اس نے پھر ڈبکی لگائی اور ذرا ایک طرف ہو کر پانی سے اُبھرا۔ تب اُس کے کانوں میں اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں —— "لاش ہے..... ڈوب کر مرا ہو گا..... اسے پکڑو اور باہر گھسیٹ لو" —— اس فدائی نے دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ اس کا سر اسی لاش کے ساتھ ٹکرایا تھا۔

"یہ تو جابر بن حاجب ہے" —— ایک فدائی نے لاش کو پہچانتے ہوئے کہا —— "یہ کیسے ڈوب گیا ہے؟"

ان میں سے دو فدائین جابر کو اچھی طرح جانتے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ

Scanned by iqbalmt

جابر ایک نئی لڑکی کو ساتھ لایا تھا اور حسن بن صباح نے اس کی درخواست پر اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ تھوڑا عرصہ اس لڑکی کو اپنے پاس رکھے اور خود اسے اصل کام کے لئے تیار کرے۔

یہ فدائین اپنا شغل میلہ بھول گئے اور وہ جابر کی لاش اٹھا کر قلعے میں لے گئے۔

"شیخ الجبل کو اطلاع کر دینی چاہئے" ——— ایک نے کہا۔

"لاش وہیں اٹھا لے چلو" ——— دوسرے نے کہا۔

وہ لاش اٹھا کر حسن بن صباح کی رہائش گاہ میں لے گئے اور لاش برآمدے میں رکھ کر اندر اطلاع بھجوائی۔ حسن بن صباح جسے لوگ امام بھی کہتے تھے اور شیخ الجبل بھی' خود باہر آگیا اور اُس نے جابر کی لاش دیکھی۔

"یہ ایک لڑکی کو ساتھ لایا تھا" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "یہ جہاں رہتا تھا وہاں جاؤ اور اُس لڑکی کو ساتھ لے آؤ"۔

ایک فدائی دوڑا گیا اور کچھ دیر بعد دوڑا ہُوا ہی آیا اور اُس نے بتایا کہ لڑکی وہاں نہیں ہے۔

"وہ بھی اس کے ساتھ ڈوب گئی ہو گی" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "اُس کی لاش دریا کے تیز بہاؤ میں چلی گئی ہو گی"۔

جابر کی لاش دریا کے کنارے کنارے بہی جا رہی تھی جہاں پانی کا بہاؤ تیز نہیں تھا۔ یہ تو کسی کے ذہن میں آئی ہی نہیں اور آسکتی بھی نہیں تھی کہ حمیرا نے جابر کو اونچے کنارے سے دھکا دے کر دریا میں پھینکا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی اس لئے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ حمیرا کہاں غائب ہو گئی ہے یا یہی یقین کر لیا جاتا کہ وہ بھی ڈوب کر مر گئی ہے۔

"اسے لے جاؤ" ——— حسن بن صباح نے کہا ——— "اس کے کفن دفن کا انتظام کرو اور منادی کرا دو کہ اس کا جنازہ کل دوپہر کے وقت ہو گا اور جنازہ میں پڑھاؤں گا..... لڑکی کا سراغ لگانے کی بھی کوشش کی جائے"۔

○

صبح قلعہ اَلمُوت میں یہ منادی کرا دی گئی کہ جابر بن حاجب دریا میں ڈوب کر مر گیا ہے اور اس کا جنازہ دوپہر کے وقت اٹھے گا۔

جابر کو جاننے والے اور اس کے دوست دوڑے آئے اور جابر کا آخری دیدار کیا۔ لوگ وہاں اکٹھے ہوتے گئے اور خاصا ہجوم ہو گیا۔ لوگ آپس میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ ایک سوال ہر کسی کی زبان پر تھا کہ جابر ڈوبا کیسے؟

"میں نے اسے ایک لڑکی کے ساتھ دریا کی طرف جاتے دیکھا تھا" ——— ایک فدائی نے کہا ——— "میں اُس وقت قلعے کی دیوار پر ویسے ہی ٹہل رہا تھا۔ دونوں قلعے کی پہاڑی سے اُتر کر خاصی دُور چلے گئے تھے' پھر میں نے دونوں کو دریا کے اُس کنارے کی طرف جاتے دیکھا جو بہت اونچا ہے۔ وہاں ایک ٹیکری ہے جس نے ان دونوں کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ میں اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے لڑکی کو وہاں سے واپس آتے دیکھا۔ وہ سامنے آئی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر ایک طرف کو دوڑ پڑی۔ اب جابر اس کے ساتھ نہیں تھا۔ میں نے جابر کو وہاں سے واپس آتے نہیں دیکھا تھا۔ لڑکی وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔ میں بہت دیر وہاں کھڑا رہا۔ مجھے جابر نظر نہ آیا' پھر سورج غروب ہو گیا اور میں نے دوسری طرف دیکھا جدھر گھاٹ ہے لیکن میری نظروں کو اُن چٹانوں نے روک لیا تھا جو وہاں سے دور آگے تک دریا کے کنارے کھڑی ہیں"۔

پھر لوگوں میں ایک اور خبر پھیل گئی جو یوں تھی کہ آج علی الصبح ایک آدمی سرائے میں آیا اور اس نے بتایا ہے کہ راستے میں گذشتہ رات اسے ایک چڑیل نے روک لیا تھا اور اسے گھوڑے سے اتار کر اس پر خود سوار ہوئی اور گھوڑا لے کر غائب ہو گئی..... یہ خبر حسن بن صباح کے اُس گروہ کے ایک دو آدمیوں تک پہنچی جو جاسوسی اور سراغ رسانی میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس آدمی کو ڈھونڈ نکالا اور اس سے پوچھا کہ وہ چڑیل کیسی تھی اور کس روپ میں اس کے سامنے آئی تھی۔

"چاندنی دھوپ جیسی شفاف تھی" ——— اس شخص نے کہا ——— "چڑیل بڑی ہی حسین اور نوجوان لڑکی کے روپ میں تھی۔ وہ اچانک میرے راستے میں نمودار ہوئی اور اس قدر زور سے اس نے چیخ ماری کہ میرا گھوڑا بدک گیا۔ میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ میرا دل اس کی مٹھی میں آگیا ہے۔ اُس نے کہا' اے مسافر' گھوڑے سے اتر اور پیدل چل نہیں تو کلیجہ نکال لوں گی..... میں ڈرتا کانپتا گھوڑے سے اُترا اور اس کے قریب جا کر گھٹنوں کے بل ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر جان کی امان مانگی۔ اُس نے اور کچھ بھی نہ کہا۔ میرے گھوڑے کی طرف گئی اور پلک جھپکتے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کو

Scanned by iqbalmt

پیچھے موڑا اور گھوڑا سرپٹ دوڑ پڑا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گھوڑا گیا ہے میری جان ہی نہیں چلی گئی۔ میں اَلمُوت کی طرف دوڑ پڑا۔ صبح یہاں پہنچا اور سرائے میں ٹھہرا۔ وہاں جو چند ایک آدمی تھے انہیں یہ بات سنائی"۔

اس سے پوچھا گیا کہ لڑکی یا چڑیل نے کپڑے کیسے پہنے ہوئے تھے اور اُس کے چہرے کے نقش و نگار کیسے تھے..... اُس نے حمیرا کے کپڑوں کا رنگ' بناوٹ وغیرہ اور چہرے کا حلیہ بتایا۔

حسن بن صباح جب جنازے کے لئے آیا تو اُس کے جاسوسوں نے اسے بتایا کہ انہیں کیا کیا سراغ ملے ہیں۔ ایک تو اس آدمی کو حسن بن صباح کے سامنے لایا گیا جس نے جابر اور حمیرا کو دریا کے اونچے کنارے کی طرف جاتے دیکھا تھا پھر اُس آدمی کو حسن بن صباح کے آگے کھڑا کیا گیا جس نے کہا تھا کہ رات ایک چڑیل اُس سے گھوڑا چھین کر لے گئی ہے۔

حسن بن صباح نے دونوں کے بیان سن کر ان پر جرح کی اور اُس کا دُور رس دماغ اس یقین پر پہنچ گیا کہ لڑکی اُس کے فدائی جابر بن حاجب کو دریا میں ڈبو کر بھاگ گئی ہے۔ اگر جابر خود ہی پھسل کر گر پڑا ہوتا تو حمیرا بھاگ نہ جاتی بلکہ وہیں شور شرابا کرتی کہ کوئی مدد کو پہنچ جائے یا واپس قلعے میں آ جاتی۔

"دو آدمی ابھی قستان چلے جائیں" ــــ حسن بن صباح نے حکم دیا ــــ "وہ وہیں گئی ہو گی..... یہ لڑکی مل گئی تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ ہمیں ایسی ہی لڑکیوں کی ضرورت ہے..... اسے ہر جگہ اور ہر طرف تلاش کیا جائے۔ ہو سکتا ہے وہ مَرو یا رے چلی گئی ہو"۔

حسن بن صباح کے حکم کے مطابق اُسی وقت آدمی روانہ ہو گئے۔

○

جس وقت وہ آدمی قلعہ اَلمُوت کی ایک سرائے میں اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا کہ رات اُسے ایک چڑیل نے روک لیا تھا' اُس وقت حمیرا چند گھروں کی ایک بستی میں جا پہنچی تھی اور سوچ رہی تھی کہ بستی کے اندر جاؤں یا آگے نکل جاؤں۔ ابھی پو پھٹ رہی تھی۔ صبح کا اُجالا ابھی دُھندلا تھا۔ رات نے اسے اس طرح چھپائے رکھا تھا جس طرح ماں اپنے بچے کو آغوش میں چھپا لیا کرتی ہے۔ اسے ذرا سا بھی خوف محسوس نہیں ہُوا تھا۔ وہ

فاتحانہ مسرت سے سرشار تھی کہ شیطانوں کے چنگل سے نکل آئی تھی۔ اُسے جب اپنا بھائی منّور الدولہ یاد آتا تو اس کا دل بیٹھ جاتا اور آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایسے میں اُس کے وجود میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ اَلمُوت سے بچ کر نکل آنے کی خوشی اس کے غمگین دل کو سہلا دیتی تھی۔ وہ اسی رنگ بدلتی کیفیت میں گھوڑے پر سوار سفر طے کرتی گئی لیکن رات نے اپنے پردے سمیٹے اور رخصت ہو گئی۔

صبح کی پہلی دھندلی کرنیں نمودار ہوئیں تو حمیرا کا دل یک لخت ایک خوف کی گرفت میں آ گیا۔ وہ اگر مرد ہوتی تو کوئی ڈرنے والی یا خطرے والی بات نہیں تھی۔ خطرہ یہ تھا کہ وہ نوجوان تھی اور بہت ہی حسین اور نظروں کو گرفتار کر لینے والی لڑکی تھی۔ کوئی بھی اُسے دیکھ لیتا تو کبھی نظرانداز نہ کرتا۔ وہ اُس ویران علاقے میں تھی جہاں ابلیس کا قانون چلتا تھا۔ اُسے اپنے سامنے چند گھروں کی ایک بستی نظر آ رہی تھی۔

اُس نے گھوڑے کی رفتار کم اور سوچنے کی رفتار تیز کر دی۔ اُس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ رُکے یا آگے نکل جائے لیکن اس کی مجبوری یہ تھی کہ اُس نے یہ بھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ جائے کہاں۔ اُسے جابر نے بتایا تھا کہ اُس کا بھائی مارا جا چکا ہے اور گھر کے باقی افراد کا کچھ پتہ نہیں' شاید وہ بھی قتل کر دیئے گئے تھے۔ یہ تو حمیرا کو معلوم تھا کہ قستان میں اب اُس کا کوئی نہیں رہا اور وہاں اب باطنیوں کا قبضہ ہے۔

وہ تذبذب کے عالم میں آہستہ آہستہ بڑھتی گئی اور بستی کے قریب رک گئی۔ یہ چند ایک مکان تھے جو معمولی سے لوگوں کے معلوم ہوتے تھے۔ ایک مکان باقی سب سے بہت مختلف تھا۔ وہ کسی امیر آدمی کا مکان معلوم ہوتا تھا۔ اس کا دروازہ بڑا خوبصورت اور اونچا تھا۔ حمیرا اس دروازے سے پندرہ بیس قدم دور گھوڑا روکے کھڑی تھی۔

دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک سفید ریش بزرگ باہر آیا۔ اُس نے لمبا سفید چغہ پہن رکھا تھا جو اُس کے ٹخنوں تک چلا گیا تھا۔ اُس کے سر پر کپڑے کی ٹوپی تھی اور ہاتھ میں چھوٹے سے فرائی پین کی شکل کا ایک برتن تھا جس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ اس نے حمیرا کو دیکھا تو آہستہ آہستہ چلتا اُس کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ اس بزرگ کی داڑھی دودھ جیسی سفید تھی اور اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر نورانی سی رونق تھی۔ وہ حمیرا کے سامنے کھڑا اُس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ حمیرا نے اپنا چہرہ اس طرح چھپا لیا تھا کہ اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اپنا چہرہ اس نے اس جنجال سے ڈھانپ لیا تھا کہ

Scanned by iqbalmt

کوئی اس کی عمر کا اندازہ نہ کر سکے اور کوئی یہ نہ دیکھ سکے کہ یہ تو بہت ہی خوبصورت ہے۔

"آؤ خاتون!" — بزرگ نے کہا — "مسافر ہو تو رکو اور ذرا سستا لو' راستہ بھول گئی ہو تو اپنی منزل بتاؤ' کوئی اور مشکل آ پڑی ہے تو زبان پر لاؤ..... یہ ہمارا مندر ہے جہاں ہم اُس کی عبادت کرتے ہیں جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے"۔

"آپ یقیناً" راہب ہیں"...... حمیرا نے کہا — "لیکن میں کیسے یقین کر لوں کہ میں آپ کے مندر میں محفوظ رہوں گی!"

سفید ریش راہب نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا دھونی دان آگے کیا اور اُسے ذرا سا ایک دائرے میں گھمایا۔ اس میں سے اٹھتا ہوا دھواں حمیرا کے گھوڑے کے منہ کو چھونے لگا پھر یہ دھواں حمیرا تک پہنچا۔ حمیرا نے دھوئیں میں بڑی پیاری خوشبو سونگھی۔

"تم شاید مسلمان ہو" — راہب نے کہا — "آؤ..... ہمارے مندر میں تم وہی روحانی سکون پاؤ گی جو تم اپنے خدا کے حضور جھک کر پایا کرتی ہو۔ گھوڑے سے اُترو اور مجھے امتحان میں نہ ڈالو"۔

"صرف ایک بات بتا دو مقدس راہب!" — حمیرا نے کہا — "کیا انسان اندر سے بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا وہ چہرے سے نظر آتا ہے؟..... میرا تجربہ کچھ اور ہے"۔

راہب نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آگے بڑھا اور گھوڑے کے پہلو میں رک کر اپنا ایک ہاتھ حمیرا کی طرف بڑھایا کہ وہ اُس کا ہاتھ تھام کر گھوڑے سے اُتر آئے۔ حمیرا اس کی خاموشی سے کچھ ایسی متاثر ہوئی کہ وہ راہب کا ہاتھ تھامے بغیر گھوڑے سے اُتر آئی۔

راہب نے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

"میرا گھوڑا ایسی جگہ باندھ دیں جہاں کوئی دیکھ نہ سکے" — حمیرا نے کہا — "وہ میرے تعاقب میں آ رہے ہوں گے"۔

"کون؟"

"باطنی!" — حمیرا نے جواب دیا — "تعاقب سے یہ نہ سمجھنا کہ میں کوئی جرم کر کے بھاگی ہوں' میں اپنی سب سے زیادہ قیمتی متاع لے کر ان ظالموں کے جال سے نکلی اور یہاں تک پہنچی ہوں۔ میری متاع میری عصمت ہے اور میرا دینی عقیدہ!"

اتنے میں ایک اور آدمی مندر سے باہر آیا۔ راہب نے اُسے کہا کہ وہ گھوڑا لے جائے اور ایسی جگہ باندھے جہاں کسی کو نظر نہ آسکے۔ راہب حمیرا کو مندر میں لے گیا اور دائیں کو مڑا' ایک دروازہ کھولا۔ یہ ایک کمرہ تھا جو عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ رہائشی کمرہ تھا۔ راہب نے حمیرا کو پلنگ پر بٹھا دیا اور پوچھا کہ وہ کچھ کھانا پینا چاہتی ہو گی!

"میں بھوکی نہیں!" — حمیرا نے کہا — "اور میں پیاسی بھی نہیں۔ گھوڑے کے ساتھ پانی بھی تھا اور ایک تھیلی میں کھانے کا سامان بھی تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے میں نے پیٹ بھر لیا تھا"۔

حمیرا نے اپنا چہرہ بے نقاب کر دیا۔ راہب نے اُس کا چہرہ دیکھا تو یوں چونک پڑا جیسے حمیرا نے اسے قتل کرنے کے لئے خنجر نکال لیا ہو۔ راہب کچھ دیر حمیرا کے چہرے کو دیکھتا ہی رہا۔

"تم یقین کرنا چاہتی ہو کہ یہاں محفوظ رہو گی یا نہیں" — راہب نے کہا — "لیکن اب میں شک میں پڑ گیا ہوں کہ میری ذات اور یہ مندر تم سے محفوظ رہے گا یا نہیں!"

"کیا میرے چہرے پر بدی کا کوئی تاثر نظر آتا ہے؟" — حمیرا نے پوچھا۔

"باطنیوں کے امام شیخ الجبل حسن بن صباح کے پاس تم جیسی بے شمار لڑکیاں موجود ہیں" — راہب نے کہا — "میں ان میں سے آج پہلی لڑکی دیکھ رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ان باطنیوں کا امام کسی کو اپنے جال میں پھانسنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ تم جیسی لڑکی کو بھیجتا ہے اور وہ لڑکی تمہاری طرح مظلوم بن کر اپنی مظلومیت کی کوئی کہانی سناتی ہے....."

حمیرا اسے بڑی غور سے دیکھ رہی تھی۔

"مقدس راہب!" — حمیرا نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "مجھے ایسی ہی لڑکی بنانے کے لئے دھوکے سے قلعہ الموت لے جایا گیا تھا لیکن میں آپ کو سناؤں گی کہ میں وہاں سے کس طرح نکل بھاگی۔ پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں قستان کے رئیس منورالدولہ کی بہن ہوں۔ امیر قستان کو باطنیوں نے قتل کر دیا اور میرے بھائی کو بھی قتل کر دیا گیا....."

"ہاں' میں سن چکا ہوں" — راہب نے کہا — "قستان پر باطنی قابض ہو چکے

Scanned by iqbalmt

ہیں اور منور الدولہ ان کے ہاتھوں دھوکے سے قتل ہُوا ہے۔ وہاں کا امیرِ شہر بڑا ہی بد طینت انسان تھا..... اب تم سناؤ تم پر کیا بیتی ہے"۔

حمیرا نے اسے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ یہ بھی بتایا کہ وہ ایسے شخص سے محبت کر بیٹھی تھی جو درپردہ باطنی تھا ورنہ وہ کبھی اَلموُت تک نہ پہنچتی۔ اس نے یہ بھی سنایا کہ اس شخص کو اس نے کس طرح دریا میں پھینکا اور خود بھاگ آئی اور پھر یہ گھوڑا اسے کس طرح ملا۔

اس دوران مندر کا ایک آدمی ان کے آگے ناشتہ رکھ گیا تھا۔

"تم اب یقیناً" قستان جانے کی نہیں سوچو گی" ـــــ راہب نے کہا ـــــ "قستان کو اب دل سے اُتار دو"۔

"پھر میں کہاں جاؤں؟" ـــــ حمیرا نے پوچھا۔

"سلجوقی سلطان کے پاس!" ـــــ راہب نے جواب دیا ـــــ "وہی ایک ٹھکانہ ہے جہاں تم جا سکتی ہو اور جہاں تمہیں پناہ مل سکتی ہے..... مَرو یا رے..... میں یہ نہیں بتا سکتا کہ نیا سلجوقی سلطان کیسا آدمی ہے۔ وہ جو نیک آدمی تھا اور جس نے باطنیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا عزم کر رکھا تھا' وہ مر چکا ہے۔ اس کا نام سلطان ملک شاہ تھا۔ اب اس کا بیٹا برکیارق سلطان ہے..... بہتر یہ ہو گا کہ تم رے چلی جاؤ۔ وہاں کا حاکم ابو مسلم رازی بڑا ہی نیک' بزرگ اور عالمِ دین ہے۔ اس کے پاس چلی جاؤ تو نہ صرف یہ کہ محفوظ رہو گی بلکہ وہ تمہیں اُسی حیثیت سے اپنے پاس رکھے گا جو تمہیں قستان میں حاصل تھی"۔

"کیا میں وہاں تک اکیلی جاؤں گی؟" ـــــ حمیرا نے پوچھا اور کہا ـــــ "اگر اکیلی جانا ہے تو پھر مجھے رات کو سفر کرنا چاہئے"۔

"تم اس وقت میری نگاہ میں اس مندر کی طرح مقدّس ہو۔ میں تمہیں اکیلا بھیج کر اپنے دیوتاؤں کو ناراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا..... میرے دو آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے اور تمہیں کسی اور بھیس میں بھیجا جائے گا"۔

حمیرا نے ایسا سکون محسوس کیا جیسے اُس پر کسی نے پہاڑ جیسا بوجھ ڈال دیا تھا اور یہ بوجھ یک لخت ہٹا دیا گیا ہو۔

"مقدّس راہب!" ـــــ حمیرا نے پوچھا ـــــ "میرا مستقبل کیا ہو گا؟..... کیا وہ

اجنبی لوگ مجھے کسی اور دھوکے میں نہیں ڈال دیں گے؟"

"تم کون ہو؟..... کچھ بھی نہیں!" ـــــ راہب نے کہا ـــــ "میں کیا ہوں؟..... کچھ بھی نہیں..... تم یہ پوچھو کہ اسلام کا مستقبل کیا ہو گا..... اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میرے مذہب کا مستقبل کیا ہو گا..... تمہیں اور مجھے اُس اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے جسے ہم خدا کہتے ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خدا نے جس مقصد کے لئے ہمیں پیدا کیا ہے ہم پورا کر رہے ہیں یا نہیں..... وہ مقصد کیا ہے؟..... بنی نوعِ انسان کی محبت!"

"اسلام کا مستقبل آپ کو کیا نظر آتا ہے؟" ـــــ حمیرا نے پوچھا۔

"کچھ اچھا نظر نہیں آتا" ـــــ راہب نے جواب دیا ـــــ "اس وقت سب سے بڑا مذہب اسلام ہے لیکن اس کی جو بڑائی ہے وہ چھوٹی ہوتی جا رہی ہے۔ باطنی اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گئے ہیں۔ جھوٹ موٹ کا یہ عقیدہ بڑی ہی تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔ حسن بن صباح نے ابلیسیت کو جائز قرار دے کر رائج کر دیا ہے۔ انسان لذّت پرستی کی طرف مائل ہوتا جا رہا ہے۔ عورت اور شراب میں اسے جو لذّت ملتی ہے وہ خدا پرستی میں نہیں مل سکتی..... تم نے مستقبل کی بات کی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ حسن بن صباح دنیا میں نہیں ہو گا اور اس کا عقیدہ آہستہ آہستہ مٹ جائے گا لیکن لوگ عیش و عشرت کو نہیں مٹنے دیں گے۔ حسن بن صباح کسی نہ کسی روپ میں زندہ رہے گا۔ لذّت پرستی کا یہ رجحان مسلمانوں کو دیمک کی طرح چاٹتا رہے گا اور ایک وقت آئے گا کہ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جائیں گے۔ ان میں وہ طاقت نہیں رہے گی جو ہُوا کرتی تھی"۔

"مجھے آپ کس وقت یہاں سے روانہ کریں گے؟" ـــــ حمیرا نے پوچھا۔

"سورج غروب ہونے کے بعد!" ـــــ راہب نے جواب دیا۔

○

سلطان برکیارق کا وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری برکیارق کی ماں کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ ماں کے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کیا اپنے بیٹے برکیارق پر آپ کا کچھ اثر نہیں رہا؟" ـــــ عبدالرحمٰن سمیری نے پوچھا۔

"تم اثر کی بات کرتے ہو!" ـــــ برکیارق کی ماں نے جواب دیا ـــــ "وہ تو یہ بھی

Scanned by iqbalmt

بھول گیا ہے کہ میں اس کی ماں ہوں۔ کئی دنوں سے میں نے اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ البتہ اس کی ملکہ روزینہ کبھی نظر آتی ہے تو وہ میرے ساتھ کوئی بات نہیں کرتی۔ اگر کوئی بات کرتی بھی ہے تو وہ حکم کے لہجے میں کرتی ہے۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ برکیارق کا سلوک اور برتاؤ دن بدن خراب ہوتا جا رہا ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ بھائی ہی کہیں آپس میں نہ ٹکرا جائیں"۔

"میں آپ کے ساتھ یہی بات کرنے آیا ہوں" ــــ عبدالرحمٰن سمیری نے کہا ــــ "سلطان برکیارق کاروبارِ سلطنت میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہے..... فوج کو ابھی تک تنخواہ نہیں ملی۔ سلطان ملک شاہ مرحوم کے دورِ حکومت میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ فوج برکیارق سے بیزار ہوتی جا رہی ہے۔ ادھر باطنی پھیلتے اور غالب آتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے فوج میں بیزاری اور مایوسی پیدا کر دی تو سلجوقی سلطنت کا اللہ ہی حافظ ہے"۔

"کیا تم نے اسے یہ بات بتائی ہے؟" ــــ ماں نے پوچھا۔

"نہیں!" ــــ عبدالرحمٰن سمیری نے جواب دیا ــــ "بات کہاں کروں، وہ تو باہر نکلتے ہی نہیں"۔

"تم یہیں بیٹھو" ــــ ماں نے اٹھتے ہوئے کہا ــــ "میں اسے باہر نکالتی ہوں۔ میں آخر ماں ہوں"۔

"نہیں!" ــــ عبدالرحمٰن سمیری نے اٹھ کر برکیارق کی ماں کو روکتے ہوئے کہا۔ "آپ اس کے پاس نہ جائیں وہ بدتمیزی پر اتر سکتا ہے۔ اگر اس نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی تو میں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا کر گزروں گا"۔

برکیارق کی ماں نے اس کی نہ سنی اور ہاتھ سے اسے ایک طرف کر کے باہر نکل گئی۔ اس نے برکیارق کی خواب گاہ کے بند دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور روزینہ باہر آئی۔

"کیا بات ہے؟" ــــ روزینہ نے پوچھا۔

ماں اسے کوئی جواب دینے کی بجائے کواڑ دھکیل کر اندر چلی گئی۔ برکیارق پلنگ پر نیم دراز تھا۔

"کیا ہو گیا ہے ماں؟" ــــ برکیارق نے غنودگی کے سے عالم میں پوچھا۔

"کیا باہر نکل کر یہ دیکھنا تمہارا کام نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟" ــــ ماں نے غصیلے لہجے

میں کہا ــــ "کیا باپ کو تم نے اس وقت کبھی اپنی خواب گاہ میں دیکھا تھا؟ تم خارش کے مارے ہوئے کتے کی طرح اس وقت بھی خواب گاہ میں پڑے ہوئے ہو!"۔

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں" ــــ روزینہ نے کہا ــــ "آپ یہاں سے چلی جائیں اور وزیراعظم سے کہیں کہ وہ اپنا کام کرے"۔

"میں تم سے مخاطب ہوں برکیارق!" ــــ ماں نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ برکیارق کی طرف بڑھا کر کہا ــــ "سلطان تم ہو، تمہاری یہ چہیتی بیگم نہیں..... تمہارے باپ نے یہ فوج باطنیوں کو ختم کرنے کے لئے تیار کی تھی اور آج تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس فوج کو اس مہینے کی تنخواہ بھی نہیں دی گئی"۔

"تو پھر کیا قیامت آ گئی ہے!" ــــ برکیارق نے خفگی اور بے رخی سے کہا ــــ "میں اتنی زیادہ فوج رکھوں گا ہی نہیں۔ میں سالاروں کو بلا کر کہہ رہا ہوں کہ آدھی فوج کو چھٹی دے دیں"۔

"پھر اپنی ملکہ کو ساتھ لے کر تیار ہو جاؤ" ــــ ماں نے کہا ــــ "تم فوج کی چھٹی کرواؤ اور کچھ ہی دنوں بعد باطنی آ کر تمہاری چھٹی کرا دیں گے..... ہوش میں آ برکیارق، ہوش میں آ..... اپنے باپ کی قبر کی یوں توہین نہ کر۔ یاد کر یہ سلطنت کیسی کیسی قربانیاں دے کر قائم کی گئی تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کی روحوں کو یوں اذیت نہ دے۔ یہ جوانی چند دنوں کا میلہ ہے۔ ہمیشہ قائم و دائم رہنے والا صرف اللہ ہے"۔

"آپ انہیں اتنا پریشان تو نہ کریں ماں!" ــــ روزینہ نے بیزاری کے سے لہجے میں کہا۔

"تو خاموش رہ لڑکی!" ــــ ماں نے روزینہ سے کہا ــــ "اور مجھے ماں نہ کہہ..... میں اس کی ماں ہوں اور میں ماں ہوں اس سلطنت کی جو ہمارے بڑے بزرگوں نے اسلام کا پرچم اونچا رکھنے کے لئے بنائی تھی۔ تجھے اس کے ساتھ روحانی دلچسپی ہوتی تو اسے یوں مدہوش کر کے کمرے میں قید نہ رکھتی"۔

"اچھا ماں اچھا!" ــــ برکیارق نے اٹھتے ہوئے یوں کہا جیسے وہ تھکن سے چور تھا ــــ "تم جاؤ، میں تیار ہو کر باہر نکلتا ہوں"۔

"میں تمہیں ابھی باہر نکلتا دیکھنا چاہتی ہوں" ــــ ماں نے کہا ــــ "ابھی اٹھ!"

برکیارق آہستہ آہستہ اٹھنے لگا اور ماں کمرے سے نکل آئی۔ روزینہ نے بڑے غصے

Scanned by iqbalmt

سے دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی اور برکیارق کے پاس گئی۔

"کچھ دیر اور لیٹے رہیں" ــــ روزینہ نے برکیارق کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے ذرا سا دھکیلا اور لٹا کر بولی ــــ "ماں قابلِ احترام ہی سہی لیکن ماں کو یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ بیٹا کس حال میں ہے۔ ان لوگوں کو آپ کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں۔ آپ کی ماں کو اور دونوں بھائیوں کو صرف سلطنت کا غم کھا رہا ہے۔ معلوم نہیں انہیں یہ خطرہ کیوں نظر آنے لگا ہے کہ ان سے یہ سلطنت چھن جائے گی۔ یہ لوگ بادشاہی چاہتے ہیں"۔

روزینہ ابھی تک شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اس کے ریشم جیسے نرم و ملائم بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بلاشک و شبہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی لیکن اس کے جو انداز تھے ان میں طلسماتی سا تاثر تھا اور یہ برکیارق کو مدہوش کر دیا کرتے تھے۔ گھروں میں بند بعض بیویاں روزینہ سے بھی زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں لیکن ان میں چونکہ روزینہ والے ناز و انداز مکاری اور عیاری نہیں ہوتی اس لئے خاوندوں کو وہ اتنی خوبصورت نظر نہیں آتیں جتنی کوئی پیشہ ور عورت دل پر غالب آ جاتی ہے۔ روزینہ تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ اسے ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ مرد کی کون کون سی رگ کمزور ہوتی ہے۔ ایسی لڑکیاں ان رگوں کو مٹھی میں لے لیتی ہیں۔

روزینہ نے برکیارق کو لٹا کر اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں اور اُس پر اس طرح جھکی کہ اُس کے بکھرے ہوئے نرم و گداز بال اس کے چہرے کو چھونے لگے پھر اس نے برکیارق کے عریاں سینے پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا اور دو تین بار اپنے گال اس کے سینے سے لگائے پھر اس کی ٹانگیں دبانی شروع کر دیں۔

برکیارق جو ماں کی باتوں سے بیدار ہو گیا تھا پھر مدہوش ہو گیا۔ روزینہ اٹھی اور صراحی میں سے ایک مشروب پیالے میں ڈال کر برکیارق کو پلا دیا۔ اِن سارے عمل کے دوران وہ بڑے ہی اداس اور پُراثر لہجے میں برکیارق کو یقین دلاتی رہی کہ وہ مظلوم اور تنہا ہے اور اس کے خاندان کا ہر فرد اسے انسان سمجھتا ہی نہیں۔ روزینہ کا ایک تو خداداد حسن تھا اور پھر اس حسن کو ایک نشے اور ایک طلسم کی طرح استعمال کرنے کا سلیقہ تھا اور اس کے ساتھ برکیارق کو وہ جو مشروب پلا رہی تھی اس کا اثر الگ تھا۔ برکیارق بھول ہی گیا کہ اس کی ماں اس کے کمرے میں آئی تھی اور کیا کچھ کہہ کر چلی گئی تھی۔

یہ وہی داستان تھی جو حضرتِ آدم اور حوا سے شروع ہوئی تھی۔ اُس پہلے آدمی نے عورت کی بات مانی اور جنت سے نکالا گیا تھا۔ یہ کہانی ہر دور میں اور ہر جگہ دُہرائی جاتی رہی ہے اور دُہرائی جا رہی ہے اور دہرائی جاتی رہے گی۔ برکیارق تو بڑا ہی کمزور آدمی تھا۔ اگر وہ کمزور نہیں تھا تو روزینہ کا جادو بہت تیز تھا۔

○

دن کے پچھلے پہر برکیارق اُس کمرے میں بیٹھا تھا جہاں وہ وزیرِاعظم اور دیگر اہلکاروں سے امورِ سلطنت کی باتیں سنتا اور حکم جاری کیا کرتا تھا۔ وہاں جاتے ہی اس نے اپنے وزیرِاعظم عبدالرحمٰن سمیری کو بلا لیا تھا۔

"آپ میرے بزرگ ہیں اور میں آپ کا احترام کرتا ہوں" ــــ اس نے وزیرِاعظم سے کہا ــــ "آپ کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ایسی کوئی بات نہ ہو کہ میرے دل میں آپ کا احترام کم ہو جائے۔ فوج کو تنخواہ میری ماں نے نہیں بلکہ میں نے دینی ہے۔ آپ کو یہ بات میرے ساتھ کرنی چاہئے تھی۔ آپ نے میری ماں کو بلاوجہ پریشان کیا اور انہوں نے غصے میں آ کر میری بیوی کے سامنے میری بے عزتی کر دی..... میں آپ سے توقع رکھوں گا کہ آئندہ آپ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے"۔

"میں معافی کا خواستگار ہوں سلطانِ محترم!" ــــ وزیرِاعظم نے کہا ــــ "میں دو مرتبہ آپ سے درخواست کر چکا ہوں کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہُوا تھا کہ فوج کو بروقت تنخواہ نہ ملی ہو۔ میں ادائیگی کی اس تاخیر سے ڈرتا ہوں کہ فوج میں ذرا سی بھی مایوسی اور بیزاری پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ سلطان ملک شاہ مرحوم نے یہ فوج کس مقصد کے لئے تیار کی تھی۔ زندگی نے وفا نہ کی۔ اگر وہ زندہ رہتے تو قلعہ الموت پر حملہ کر کے حسن بن صباح کی ابلیسیت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتے۔ مجھے جاسوس اور مخبر روز بروز اطلاعیں دے رہے ہیں کہ باطنی عقیدے بڑی تیزی سے پھیلتے چلے جا رہے ہیں اور یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ہمارے شہر میں اور دوسرے شہروں میں بھی باطنی آ کر آباد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے عقیدے مسلمانوں میں پھیلا رہے ہیں"۔

"آپ میرے وہ احکام غالباً بھول گئے ہیں جو میں پہلے دے چکا ہوں" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "مرحوم سلطان نے فوج تو تیار کر لی تھی لیکن یہ نہ سوچا کہ اس فوج

Scanned by iqbalm

کو ہم کب تک پالتے رہیں گے۔ محصولات کا زیادہ تر حصہ یہ فوج کھا رہی ہے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں حسن بن صباح کی طرف ایک وفد بھیجوں گا اور اُس کے ساتھ امن اور دوستی کا معاہدہ کروں گا۔ وہ میری یہ شرط مان لے گا کہ وہ اپنے علاقے میں محدود رہے اور ہمیں اپنے علاقے میں محدود رہنے دے..... اس بار تو آپ فوج کو تنخواہ دے دیں لیکن فوج کی آدھی نفری کو سبکدوش کر دیں۔ جو گھوڑے فالتو ہو جائیں وہ فروخت کر کے رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا دیں۔ میں اپنے سپہ سالار اور دوسرے سالاروں کو حکم دے رہا ہوں کہ وہ فوج کی چھانٹی کر کے نصف فوج کو ختم کر دیں"۔

"سلطانِ عالی مقام!" — وزیرِ اعظم نے کہا — "آپ کے والدِ مرحوم نے وفد بھیجا تھا جس کا حسن بن صباح نے مذاق اڑایا تھا اور کہا تھا کہ تمہارے پاس وہ طاقت نہیں جو میرے پاس ہے۔ اس نے ہمارے وفد کے سامنے اپنے تین آدمیوں کو باری باری حکم دیا تھا کہ اپنے آپ کو قتل کر دیں۔ ان آدمیوں نے فوراً اپنے خنجروں سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ حسن بن صباح نے ہمارے وفد سے کہا تھا کہ تمہاری فوج میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو اس طرح اپنی جان قربان کر دے"۔

"مجھے وہ باتیں یاد نہ دلائیں" — سلطان برکیارق نے کہا — "وہ میرے والد مرحوم کے دور کی باتیں ہیں۔ میں اپنا راستہ خود بنا رہا ہوں۔ میں حکم دے رہا ہوں کہ فوج کی آدھی نفری کو گھر بھیج دیا جائے"۔

جس وقت سلطان برکیارق اپنے وزیرِ اعظم کو یہ احکام دے رہا تھا اُس وقت اس کی بیوی روزینہ کے پاس ایک ادھیڑ عمر عورت بیٹھی ہوئی تھی اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یہ عورت روزینہ کی خاص ملازمہ تھی۔ اس عورت کو روزینہ نے قابلِ اعتماد کنیز کا درجہ دے رکھا تھا۔

"..... اور اُسے یہ کہنا" — روزینہ اس کنیز سے کہہ رہی تھی — "امام تک یہ خبر جلدی پہنچا دے کہ میں نے بہت کامیابیاں حاصل کر لی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم فیصلہ یہ کروا لیا ہے کہ فوج کی نفری آدھی کر دی جائے گی۔ سلطان برکیارق نے اپنے وزیرِ اعظم کو یہ حکم دے دیا ہے اور سالاروں کو بلا کر کہہ دے گا کہ آدھی فوج کی چھانٹی کر دو..... پھر امام تک یہ خبر پہنچا دینا کہ سلطان پوری طرح میری مٹھی میں آ گیا ہے۔ اس کی ماں، وزیرِ اعظم اور اس کا بھائی محمد اسے مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن میں اسے ان سب سے متنفر کر دوں گی۔ یہاں فوج میں بیزاری اور مایوسی پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ فوج کو ابھی تک تنخواہ نہیں ملی۔ تنخواہ میں اس تاخیر کے پیچھے بھی میرا ہی ہاتھ ہے..... امام سے کہنا کہ اب اپنے آدمی بھیج دے کیونکہ فوج میں چھانٹی ہو گی تو جنہیں نکالا جائے گا انہیں بھڑکانا اور سلطان کے خلاف مشتعل کرنا ضروری ہو گا.... پیغام میں یہ بھی کہنا کہ ابھی میں رے کے حاکم ابو مسلم رازی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ وہ سلطان برکیارق کے فیصلوں کے خلاف ہے لیکن یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اس سلسلے میں وہ کیا عملی کارروائی کرے گا..... تم ابھی چلی جاؤ اور یہ پیغام ان لوگوں کو اچھی طرح سنا دینا اور انہیں کہنا کہ آج ہی ایک آدمی اَلموت روانہ ہو جائے"۔

یہ حسن بن صباح کا زمین دوز انتظام تھا جس کے تحت سلطنتِ سلجوقیہ کی بنیادوں میں بارود بھرا جا رہا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اس بارود میں ذرا سی چنگاری پھینک دینی تھی..... قومیں اور ملک حکمرانوں کے ہاتھوں ہی تباہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ حکمران جب اپنی سوچنے کی صلاحیتیں اور اپنا وقار کسی دوسرے کے حوالے کر دیں تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہیں ہوتا۔ روزینہ سلطان برکیارق کی سلطنت میں تاریخ کو دُہرا رہی تھی۔ برکیارق کے ذہن میں وہ یہ بات نقش کر رہی تھی کہ اس سلطنت کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ سلطنت برکیارق کی ذاتی ملکیت ہے۔ تباہی کے عمل کو تیز کرنے کے لئے روزینہ سلطنتِ سلجوقیہ کو اس تلوار سے محروم کر رہی تھی جسے فوج کہتے ہیں۔

سلطان برکیارق نے وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری کو احکام دے کر فارغ کر دیا اور اپنے سپہ سالار ابو جعفر حجازی اور اُس کے نائب سالار اوریزی کو بلایا۔ وہ فوراً پہنچ گئے۔

"فوج کو ابھی تک تنخواہ نہیں ملی" — سلطان برکیارق نے کہا — "کل خزانے سے رقم نکلوا کر فوج میں تقسیم کر دیں..... اب میرے اس فیصلے پر عمل شروع کر دیں کہ فوج کی آدھی نفری کو فوج سے نکال دیں۔ میں اب اتنی زیادہ فوج کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ آپ دونوں نے خود فیصلہ کرنا ہے کہ کسے فوج میں رکھنا اور کسے نکالنا ہے"۔

"ہاں سلطانِ محترم!" — سپہ سالار ابو جعفر حجازی نے کہا — "فوج آدھی ہو جانی چاہیے۔ ہم آپ کے حکم کی تعمیل بہت جلد کر دیں گے"۔

Scanned by iqbalmt

"سلطانِ محترم!" ــــ سالار اوریزی نے کہا ــــ "بصد معذرت عرض کرتا ہوں کہ فوج میں کمی نہیں ہونی چاہئے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ مرحوم سلطان نے یہ فوج کیوں تیار کی تھی....."

"مجھے اور بھی بہت کچھ معلوم ہے" ــــ سلطان برکیارق نے سالار اوریزی کی بات کاٹ کر کہا ــــ "یہ صرف مجھے معلوم ہے کہ اتنی زیادہ فوج کو تنخواہ کس طرح دی جاتی ہے.... میں جو کہہ رہا ہوں سوچ اور سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ اس پر عمل درآمد ہونا چاہئے"۔

"سلطان ٹھیک فرما رہے ہیں اوریزی!" ــــ سپہ سالار ابو جعفر حجازی نے کہا ــــ "اتنی زیادہ تنخواہ پوری کرنا بہت مشکل ہے اور خزانے پر بلاوجہ بوجھ پڑا ہُوا ہے۔ ہمیں سلطانِ محترم کے حکم پر فوراً" عمل کرنا چاہئے"۔

"حکم کی تعمیل ہمارا فرض ہے" ــــ سالار اوریزی نے کہا ــــ "لیکن میں یہ نہیں بھول سکتا کہ یہ ملک ہمارا اپنا ہے اور یہ اسلامی سلطنت ہے۔ یہ فوج اسلام کی بقاء اور فروغ کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اس سے ہم نے باطل کی قوتوں کو اُسی طرح ختم کرنا ہے جس طرح آتش پرستوں اور رومیوں کی جنگی طاقتوں کو ختم کیا گیا تھا۔ اگر ہم نے حسن بن صباح کو ختم نہ کیا....."

"میں اس نام سے تنگ آ گیا ہوں" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "حسن بن صباح کا نام سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ میں نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ ہم باطنیوں کے خلاف فوج استعمال نہیں کریں گے"۔

"یہ بھی سوچ لیں سلطانِ عالی مقام!" ــــ سالار اوریزی نے کہا ــــ "اگر آپ نے فوج میں سے آدھی نفری نکال دی تو فوج میں' اور قوم میں بھی' آپ کے خلاف بداعتمادی پیدا ہو جائے گی۔ اس کے نتائج کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں۔ میں ابھی کوئی اور بات نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ یہ نتائج بڑے ہی خطرناک بھی ہو سکتے ہیں"۔

"ہم آپ کو نہیں نکال رہے سالار اوریزی!" ــــ سپہ سالار نے کہا ــــ "آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے"۔

"میں سب سے پہلے فوج سے نکلوں گا" ــــ سالار اوریزی نے کہا ــــ "میں مجاہد ہوں اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کے لئے فوج میں شامل ہُوا تھا' سلطان کی خوشامد کے لئے نہیں جیسا آپ کر رہے ہیں"۔

"آپ میری توہین کر رہے ہیں اوریزی!" ــــ سپہ سالار نے کہا ــــ "میں بھی مجاہد ہوں خوشامدی نہیں!"

"دونوں خاموش ہو جاؤ" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "میں نے تمہیں آپس میں لڑنے کے لئے نہیں بلایا"۔

"سلطانِ عالی مقام!" ــــ سالار اوریزی نے کہا ــــ "آپ میری صاف گوئی برداشت کریں یا نہ کریں' مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں' میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں وہ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ آپ کی سلطنت کی سلامتی کے لئے کہہ رہا ہوں..... یہ سلطنت آپ کی ہی نہیں..... یہ میری بھی ہے..... یہ اللہ کی سلطنت ہے۔ اگر آپ فوج کے متعلق غلط فیصلے کریں گے تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ جو سالار ان فیصلوں کو غلط سمجھے گا وہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا اور ہمارے سپہ سالار ابو جعفر حجازی کا حکم نہیں مانے گا۔ سپہ سالار حجازی آپ کو خوش کرنا چاہتے ہیں لیکن میں اپنے اللہ کو خوش کر رہا ہوں اور یہی میرا فرض ہے"۔

تقریباً" تمام مستند تاریخوں میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ سپہ سالار ابو جعفر حجازی سلطان کا خوشامدی تھا اور سلطان ابلیسی اثرات کے تحت فیصلے کر رہا تھا۔ ایک بیدار مغز اور دیانت دار سالار نے ان کی مخالفت کی تو آگے چل کر یہی اختلاف خانہ جنگی کا بنیادی پتھر بن گیا۔ سلطان برکیارق نے جب ان دونوں سالاروں کو فارغ کیا تو باہر آ کر سپہ سالار ابو جعفر حجازی نے سالار اوریزی کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ جانتا ہے کہ سلطان کا یہ حکم سلطنت کے لئے اچھا نہیں لیکن ہمیں کیا' ہمیں سلطان کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے لیکن سالار اوریزی اس قدر بگڑ گیا تھا کہ اُس نے سپہ سالار کے ساتھ بحث بے معنی سمجھی۔

○

ایک روز رے میں امیر شہر ابو مسلم رازی اپنے دفتر میں امور سلطنت میں الجھا ہُوا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ دو آدمی آئے ہیں اور اُن کے ساتھ ایک لڑکی ہے۔ ابو مسلم رازی نے انہیں فوراً" اندر بلا لیا۔

"ہم اس لڑکی کو آپ کے حوالے کرنے آئے ہیں" ــــ دونوں میں سے ایک آدمی نے کہا ــــ "ہم مسلمان نہیں' یہ لڑکی مسلمان ہے"۔

Scanned by iqbalm

"کون ہے یہ لڑکی؟" — ابو مسلم رازی نے پوچھا — "اسے کہاں سے لائے ہو؟ ..... میرے حوالے کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

"میرا نام حمیرا ہے" — لڑکی بولی — "میں قستان کے ایک رئیس منور الدولہ کی بہن ہوں"۔

"قستان پر تو باطنی قابض ہو گئے ہیں" — ابو مسلم رازی نے کہا اور پوچھا — "تم کس طرح بچ نکلی ہو؟"

"اگر آپ اجازت دیں گے تو میں اپنی داستان سناؤں گی" — حمیرا نے کہا — "سب سے پہلے تو میں ان دونوں کی تعریف کروں گی کہ یہ مسلمان نہیں اور یہ مجھے یہاں تک لے آئے ہیں"۔

ابو مسلم رازی کے کہنے پر حمیرا نے وہ سب کہہ سنائی جو اُس پر بیتی تھی۔ اُس نے اپنی محبت کی بات بھی نہ چھپائی اور سفید ریش راہب کے مندر تک پہنچنے کی ایک ایک تفصیل سنائی۔

"میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ تم نے جو بات سنائی ہے وہ بالکل سچ ہے؟" — ابو مسلم رازی نے پوچھا۔

"آپ کا شک بجا ہے" — حمیرا نے کہا — "ان کے بزرگ راہب نے بھی یہی شک کیا تھا..... میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ میں ثابت کر سکوں کہ میں نے جو بات کہی ہے یہ سچ ہے"۔

"ہمارے راہب نے اس لڑکی کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا تھا" — ایک آدمی نے کہا — "اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم غلط بیانی کر رہے ہیں اور یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے تو آپ ہم دونوں کو قید خانے میں بند کر دیں اور جب آپ کو یقین آ جائے گا تو ہمیں رہا کر دیں"۔

ابو مسلم رازی نے ان دونوں آدمیوں اور حمیرا کو کھانا کھلایا اور مشروبات پلائے اور پھر ان کے ساتھ بہت سی باتیں ہوئیں۔

"میں تمہیں اپنی پناہ میں رکھوں گا حمیرا!" — ابو مسلم رازی نے کہا — "تمہارا کوئی اور ٹھکانا ہوتا تو میں تمہیں وہاں بھیج دیتا"۔

"میری ایک بات ذہن میں رکھ لیں محترم!" — حمیرا نے کہا — "میں یہاں آپ

کی پناہ میں محتاجوں کی طرح بیٹھی نہیں رہوں گی۔ میں نے ان باطنیوں سے اپنے گھر کے ایک ایک فرد کے خون کا انتقام لینا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ باطنیوں کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ آپ مجھے اس جہاد میں جس طرح بھی استعمال کریں گے میں اپنی جان بھی پیش کر دوں گی"۔

ابو مسلم رازی نے حمیرا کے ساتھ آئے ہوئے دونوں آدمیوں کا شکریہ ادا کیا! انہیں کچھ تحفے دیئے اور رخصت کر دیا۔

رے سلطنتِ سلجوقیہ کا ایک بڑا شہر تھا اور یہ دونوں آدمی دیہاتی علاقے میں سے آئے تھے۔ دونوں جب بازار سے گزرے تو گھوڑوں سے اُتر آئے۔ انہیں اس شہر کی دکانیں بڑی اچھی لگ رہی تھیں۔ وہ ایک دکان کے سامنے رک گئے۔ دکان میں سجا ہُوا سامان انہیں اچھا لگ رہا تھا۔

"تم اجنبی معلوم ہوتے ہو" — انہیں ایک آواز سنائی دی۔ انہوں نے دیکھا ایک آدمی جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی' ان سے مخاطب تھا — "معلوم ہوتا ہے بڑے لمبے سفر سے آئے ہو" — اس آدمی نے کہا۔

"ہاں بھائی!" — ایک نے کہا — "ہم بہت دور سے آئے ہیں اور اب واپس جا رہے ہیں"۔

"اس دکان سے کچھ خریدنا چاہتے ہو؟" — اس آدمی نے پوچھا۔

"ویسے ہی یہ چیزیں اچھی لگ رہی ہیں" — ان دونوں میں سے ایک نے کہا — "ہم جنگلوں میں رہنے والوں نے کیا خریدنا ہے!"

"تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو بتاؤ" — اس شخص نے کہا — "تم پردیسی ہو۔ میں تمہیں کوئی تحفہ دینا چاہتا ہوں"۔

"کیوں؟" — ایک مسافر نے پوچھا — "تم ہمیں تحفہ کیوں دینا چاہتے ہو؟"

"میں نے تم سے کیا لینا ہے!" — اس شخص نے کہا — "یہ میری عادت ہے کہ کسی سیدھے سادے اجنبی کو دیکھتا ہوں تو اُس سے ضرور پوچھتا ہوں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ پوچھنے سے میرا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اسے کسی چیز کی' کھانے پینے کی یا کسی طرح کی بھی مدد کی ضرورت ہو اور یہ بے چارہ کسی سے کچھ کہتا نہ ہو"۔

Scanned by iqbalmt

"ہمیں کچھ نہیں چاہئے دوست!" — ایک نے کہا — "یہی کافی ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ پیار اور محبت سے بات کی ہے"۔

"پھر میری خوشی کی خاطر میرے ساتھ آؤ" — اس شخص نے کہا — "میں تمہیں اس شہر کا ایک خاص شربت پلا کر رخصت کرنا چاہتا ہوں"۔

اس شخص نے ایسی اپنائیت کا اظہار کیا کہ وہ دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔ ذرا ہی آگے مشروبات کی ایک دکان تھی جس میں بیٹھنے کا بڑا ہی اچھا انتظام تھا۔ یہ شخص دونوں کو اندر لے گیا اور ان کے لئے شربت منگوالیا۔ وہ ایسی باتیں کرتا رہا جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے دنیا کی کسی اور چیز کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں سوائے اس کے کہ دوسروں کی خدمت کرے۔

"تمہارے ساتھ ایک لڑکی تھی" — اس شخص نے پوچھا — "اور تم امیر شہر کے ہاں گئے تھے۔ وہ لڑکی شاید شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے"۔

سفید ریش راہب نے اپنے ان دو آدمیوں کو حمیرا کے ساتھ بھیجا اور صرف یہ کہا تھا کہ اسے رے کے امیر شہر ابو مسلم رازی کے حوالے کر کے واپس آجائیں۔ انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ کوئی اور پوچھ بیٹھے کہ یہ لڑکی کون ہے تو اسے لڑکی کی اصلیت نہ بتائیں۔ یہ دونوں آدمی حمیرا کی پوری داستان سن چکے تھے۔ انہوں نے حمیرا کے ساتھ اتنا لمبا سفر کیا تھا۔ حمیرا نے خود بھی انہیں سنائی تھی کہ اس پر کیا بیتی ہے اور وہ کس طرح اَلموت سے نکلی ہے۔

اب رے سے رخصت ہوتے وقت ان دونوں کو یہ اجنبی میزبان مل گیا تو اس کی باتوں میں آگئے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے جسے وہ امیر شہر کے ہاں چھوڑ چلے ہیں۔ ان دونوں نے بڑے فخر اور خوشی سے حمیرا کی ساری داستان اس آدمی کو سنا ڈالی۔ اس آدمی نے حمیرا کے اس کارنامے پر دل کھول کر واہ واہ کی اور پھر ان دونوں آدمیوں کے خلوص اور دیانت داری اور پھر ان کے کردار کی بے پناہ تعریف کی۔ اس کے بعد دونوں رخصت ہوگئے۔

ان کے جانے کے بعد یہ شخص بہت ہی تیز چلتا ایک مکان میں چلا گیا۔ وہاں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

"لو بھائیو!" — اُس نے کہا — "وہ مل گئی ہے"۔

"کون؟"

"حمیرا!" — اس نے جواب دیا — "اس شہر کے حاکم ابو مسلم رازی کے گھر پہنچ گئی ہے۔ ابھی ابھی دو آدمی اُسے اپنے ساتھ لائے تھے اور وہاں چھوڑ کر چلے گئے ہیں"۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو سنایا کہ کس طرح اُس نے ان دونوں آدمیوں کو گھیرا اور ان سے یہ راز لیا ہے۔ یہ سب باطنی تھے اور حسن بن صباح کے جاسوس تھے جو کچھ عرصے سے رے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں دو ہی روز پہلے اَلموت سے اطلاع ملی تھی کہ حمیرا نام کی ایک لڑکی اَلموت سے لاپتہ ہوگئی ہے۔ اسے تلاش کیا جائے۔

"اَلموت کون جائے گا!" — ان میں سے ایک نے پوچھا اور کہا — "اگر آج ہی کوئی روانہ ہو جائے تو اچھا ہے۔ امام خوش ہو جائے گا"۔

"وہ صرف اتنی سی بات پر خوش نہیں ہوگا کہ لڑکی کا سراغ مل گیا ہے" — ان میں سے ایک نے کہا — "اب یہ حکم آئے گا کہ لڑکی کو اغوا کر کے اَلموت پہنچاؤ"۔

ایک آدمی اٹھا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔

○

چند دن گزرے تھے کہ ایک روز سلطان برکیارق کا چھوٹا بھائی محمد رے آگیا اور ابو مسلم رازی کے ہاں پہنچا۔ ابو مسلم اسے اس طرح شفقت اور پیار سے ملا جیسے باپ اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے سے ملتا ہے۔ محمد بڑا خوبصورت اور قد آور جوان نکلا تھا۔ اس میں اپنے باپ ملک شاہ والا جذبہ تھا۔

"کہو محمد!" — ابو مسلم رازی نے اُس سے پوچھا — "مرو کے حالات کیسے ہیں اور تم کیسے آئے؟"

"بہت بُرے!" — محمد نے جواب دیا — "آپ کے پاس مجھے ماں نے اور وزیراعظم عبدالرحمٰن سمیری نے بھیجا ہے۔ میں بھائی برکیارق کو بتائے بغیر آیا ہوں..... برکیارق پوری طرح اپنی بیوی کے قبضے میں آچکا ہے۔ وہ اُس کے دماغ میں جو کچھ بھی ڈالتی ہے وہ سلطنت کے لئے حکم بن جاتا ہے۔ مجھے اور سنجر کو برکیارق نے بھائی سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے کہتا ہے کہ میں تمہیں کسی اچھے عہدے پر لگا دوں گا لیکن کسی بھی وقت میرے راستے میں نہ آنا..... یہ تو ہماری گھریلو باتیں ہیں۔ اُس نے ایک بڑا ہی خطرناک حکم دے دیا ہے جس کے تحت فوج کی آدھی نفری کو گھر بھیجا جا رہا ہے..... فوج

Scanned by iqbalmt

آدھی رہ جائے گی"۔

"کیا کہا؟" — ابو مسلم نے چونک کر کہا — "کیا وہ اتنی خطرناک حماقت پر اتر آیا ہے کہ فوج آدھی کر کے سلطنت کو خطرے میں ڈال رہا ہے؟..... کیا وزیرِاعظم اور تمہاری ماں نے اسے روکا نہیں؟"

"سب نے روکا ہے" — محمد نے جواب دیا — "وہ کسی کی سنتا ہی نہیں۔ اصل خطرہ جو سامنے آگیا ہے اس سے وہ بے خبر ہے لیکن میں آپ کو خبردار کرنے آیا ہوں اور میرے آنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہمیں کچھ مشورہ دیں"۔

"ہاں محمد!" — ابو مسلم نے کہا — "یہ تو تم نے بڑی تشویشناک خبر سنائی ہے"۔

"وہاں تو خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوتی جا رہی ہے" — محمد نے کہا — "فوج میں سے اُن آدمیوں کو الگ کیا جا رہا ہے جنہیں فوج سے نکالنا ہے۔ ان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ انہیں اس کی کوئی پروا نہیں کہ وہ بے روزگار ہو جائیں گے بلکہ وہ سلطنت اور سلامتی کی باطنیوں کو ختم کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ بتا کر فوج میں شامل کیا گیا تھا کہ باطنیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے اسلام کے فروغ کے راستے کھولنے ہیں..... پھر خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ نائب سالار اوریزی بگڑ گیا ہے۔ اس نے وزیرِاعظم سے کہا ہے کہ وہ سپہ سالار ابو جعفر حجازی کے خلاف باقاعدہ لڑائی لڑے گا اور فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے گا"۔

"میں سپہ سالار حجازی کو اچھی طرح جانتا ہوں" — ابو مسلم رازی نے کہا — خوشامدی آدمی ہے۔ معلوم نہیں سلطان ملک شاہ مرحوم نے اسے سپہ سالار کیسے بنا دیا تھا۔ وہ سوائے خوشامد کے کچھ بھی نہیں جانتا"۔

"وہ ہمارے بھائی برکیارق کا ہر غلط حکم بسر و چشم مانتا ہے ..... اور دوسروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ بھی یہ حکم مانیں..... اس میں اور سالار اوریزی میں باقاعدہ دشمنی پیدا ہو گئی ہے"۔

"اوریزی صحیح معنوں میں مجاہد آدمی ہے" — ابو مسلم رازی نے کہا — "اس نے جو کہا ہے وہ کر کے بھی دکھا دے گا لیکن یہ صورتِ حال خطرناک ہو سکتی ہے"۔

"وہ خطرہ سامنے آگیا ہے" — محمد نے کہا — "وزیرِاعظم عبدالرحمٰن سمیری کے مخبروں نے انہیں بتایا ہے کہ باطنی تخریب کار دونوں طرف کے فوجیوں کو ایک دوسرے

کے خلاف مشتعل کر رہے ہیں۔ نظر یہی آرہا ہے کہ وہ فوجی جنہیں نکالا جا رہا ہے، ان فوجیوں سے ٹکرا جائیں گے جنہیں فوج میں رکھا جا رہا ہے۔ شہری بھی دو مخالف گروہوں میں بٹتے جا رہے ہیں۔ اس میں کسی شک شبے کی گنجائش نہیں رہی کہ باطنی شہریوں میں شامل ہو کر انہیں بھڑکا رہے ہیں۔ کسی بھی روز یہ آتش فشاں پھٹ پڑے گا"۔

"مجھے سوچنے دو" — ابو مسلم نے کہا — "یہ صورتِ حال ایسی نہیں کہ میں فوراً ہی کوئی مشورہ دے دوں۔ اس وقت میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں یقین دلا دوں کہ میں ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں اُس نفری کو جسے نکالا جا رہا ہے یہاں بلا لوں گا اور فوج تیار کر کے سلطان برکیارق کا تختہ اُلٹ دوں گا۔ بہرحال صورتِ حال بہت ہی خطرناک ہے۔ تم کچھ دن یہیں ٹھہرو، میں کچھ نہ کچھ سوچ لوں گا"۔

وہ اس مسئلے اور اس صورتِ حال پر باتیں کرتے رہے اور حسن بن صباح کا ذکر آگیا۔ اس ذکر کے ساتھ ابو مسلم رازی نے حمیرا کا نام لیا اور مختصراً محمد کو سنایا کہ یہ لڑکی کس طرح اس کے پاس پہنچی ہے اور حسن بن صباح سے انتقام لینے کے لئے بے تاب ہے۔

ابو مسلم رازی نے حمیرا کو بلا لیا۔ وہ آئی تو اس کا تعارف محمد سے کرایا اور اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"حمیرا!" — ابو مسلم نے کہا — "محمد کچھ دن یہاں رہے گا۔ اس میں وہی جذبہ اور وہی خیالات ہیں جو تمہارے ہیں۔ اس کی میزبانی تم نے کرنی ہے۔ اسے اس کے کمرے میں لے جاؤ اور اس کا خیال رکھنا"۔

محمد اور حمیرا اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔ دونوں کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیسی سنسنی خیز کہانی کے کردار بننے جا رہے ہیں۔

Scanned by iqbalmt

ابو مسلم رازی نے محمد اور حمیرا کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا اور خود گہری سوچ میں کھو گیا۔ محمد محسوس نہ کر سکا تھا کہ اُس نے ابو مسلم رازی کو مَرو کی جو خبر سنائی ہے‘ اس خبر نے اس جہاندیدہ امیر اور حاکم کی ذات میں کیسا تیز و تند طوفان بپا کر دیا ہے۔ ابو مسلم رازی اس قدر بے چین اور پریشان ہو گیا تھا کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ رکتا اور ایک ہاتھ کا گھونسہ دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتا اور پھر ٹہلنے لگتا۔ وہ سلطان ملک شاہ کا دستِ راست تھا۔ دونوں کا جذبہ ایک اور ایمان ایک تھا۔ دونوں باطنیوں کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ حسن بن صباح کا نام آ جاتا تو دونوں کا خون کھولنے لگتا تھا..... سلطان ملک شاہ دنیا سے اٹھ گیا تو اُس کے بیٹے نے اُس کی گدّی پر بیٹھ کر اسی حسن بن صباح اور اس کے فرقے کے ساتھ اپنا رویّہ دوستانہ کر لیا تھا۔

ابو مسلم رازی نے دروازے پر کھڑے دربان کو بلایا اور اُسے کہا کہ مجید فاضل صاحب کو اپنے ساتھ لے آؤ۔

مجید فاضل ایک بہت بڑا عالمِ دین شخص تھا جو دین کے علاوہ سیاست اور امورِ سلطنت کو بھی خوب سمجھتا اور ان سے متعلق مسائل اور مشکلات کا حل اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں نکال لیا کرتا تھا۔ اُس کا پورا نام جو تاریخوں میں آیا ہے‘ وہ ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی تھا۔ اُس نے علم‘ دانش اور تجربے کی تلاش میں کئی ملکوں کا سفر کیا تھا اور اب وہ رے میں رہتا تھا۔ ابو مسلم رازی خود بھی بڑھاپے کی عمر میں پہنچ گیا تھا اور اپنے علم و فضل سے اس نے بڑا اونچا مقام حاصل کر لیا تھا لیکن مجید فاضل کو اپنا استاد اور بہترین مشیر سمجھتا تھا۔ کوئی مسئلہ پیش آ جاتا تو اُسے بلا لیتا یا خود اُس کے ہاں چلا جاتا تھا۔

اُس نے دربان سے اتنا ہی کہا تھا کہ مجید فاضل کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ دربان جانتا تھا کہ اس شخصیت کے لئے بگھی لے کر جانا ہے اور انہیں اس سواری پر لانا ہے۔

کچھ دیر بعد بگھی مجید فاضل کو لے آئی۔ ابو مسلم رازی اُن کے استقبال کے لئے باہر نکلا اور اُسے بڑے احترام اور تعظیم سے اندر لے آیا۔

"کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے ہو!" — مجید فاضل نے اندر آ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا — "کوئی پیچیدہ مسئلہ آن پڑا ہے؟"

"پیچیدہ نہ ہوتا تو میں آپ کو زحمت نہ دیتا" — ابو مسلم رازی نے کہا — "وہ خطرہ جس کے متعلق ہم کئی بار بات کر چکے ہیں‘ ایک سیاہ کالی گھٹا کی طرح سلطنتِ سلجوقیہ پر چھا گیا ہے۔ اس گھٹا کے اندر بجلیاں چھپی ہوئی ہیں‘ وہ آپ خود جانتے ہیں کہ اب یہ گھٹا خون کا مینہ برسائے گی"۔

"کوئی اور اطلاع آئی ہے؟" — مجید فاضل نے پوچھا۔

ابو مسلم رازی نے وہ ساری صورتِ حال بیان کر دی جو کچھ دیر پہلے محمد نے اُسے سنائی تھی۔

"کیا برکیارق کچھ بھی نہیں سمجھ رہا؟" — مجید فاضل نے پوچھا۔

"نہیں!" — ابو مسلم رازی نے جواب دیا — "میں خود اُس کے ساتھ بات کر چکا ہوں محترم! جس نے اپنی عظیم ماں کی بات نہیں سنی اور اپنی بیوی کو بزرگ سمجھا ہے‘ اُس پر میری باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے!..... یہ تو وہی باتیں ہیں جو ہم کئی بار کر چکے ہیں۔ اب برکیارق فوج کی آدھی نفری نکال رہا ہے۔ کچھ دنوں بعد باقی فوج میں سے آدھی نفری کو بھی گھر بھیج دے گا۔ محمد بتاتا ہے کہ ان لوگوں میں جنہیں فوج سے نکالا جا رہا ہے اور شہروں میں بھی غم و غصہ پھیلتا چلا جا رہا ہے اور ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں جو قوم کو خانہ جنگی کی طرف گھسیٹ لیں گے"۔

"تم نے کیا سوچا ہے؟" — مجید فاضل نے پوچھا۔

"یہی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں" — ابو مسلم رازی نے کہا — "آپ کو زحمت دینے سے میرا مطلب یہی تھا کہ میں غلط سوچ رہا ہوں تو مجھے روکیں اور اگر میں صحیح بات تک پہنچ رہا ہوں تو میری حوصلہ افزائی کریں یا مجھے کوئی راستہ دکھائیں"۔

"کیا سوچا ہے؟"

Scanned by iqbalmt

"خانہ جنگی!" — ابو مسلم رازی نے کہا — "میں نے محمد سے کہا ہے کہ جن افراد کو فوج سے نکالا جا رہا ہے اگر انہوں نے کسی شدید ردِّعمل کا مظاہرہ کیا اور انہیں طاقت اور تشدد سے دبانے کی کوشش کی گئی تو میں ان نکالے جانے والوں کو یہاں لے آؤں گا اور ان کی ایک فوج بنالوں گا پھر میں برکیارق کی فوج کے مقابلے میں جاؤں گا"۔

"میں تمہاری سوچ کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں" — مجید فاضل نے کہا — "لیکن میں تمہیں پہل کرنے سے روکوں گا۔ یہ دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر وہ تشدد اور فوجی کارروائی پر اُتر آتے ہیں تو پھر تم اپنا فرض اس طرح ادا کرنا کہ اس سرکاری فوج کا خاتمہ نہ ہو۔ تمہارا مقصد صرف یہ ہو کہ برکیارق کو معزول کرکے محمد کو باپ کی گدّی پر بٹھایا جائے"۔

"میرا مقصد یہی ہے محترم!" — ابو مسلم رازی نے کہا — "میں یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک بیٹے کو معزول کرکے اس گدّی پر خود بیٹھ جاؤں گا اور دوسرے بیٹوں کو ان کے حق سے محروم کر دوں گا۔ محمد اور اس کا بھائی سنجر بڑے ہی عظیم باپ کے بیٹے ہیں۔ سلطان ملک شاہ اور میں ایک ہی منزل کے مسافر تھے"۔

ابو مسلم رازی کی آواز رقّت میں دب گئی اور اس کے آنسو پھوٹ آئے۔

"خانہ جنگی ہو کر رہے گی" — مجید فاضل نے کہا — "مجھے خبریں مل رہی ہیں۔ میرے شاگرد میرے جاسوس ہیں۔ مَرو سے مجھے خبریں ملتی رہتی ہیں۔ حسن بن صباح کے دہشت گرد باطنی شہروں میں بھرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ تو یقینی امر ہے کہ سلطان برکیارق کی بیوی روزینہ حسن بن صباح کی بھیجی ہوئی ہے۔ اتنی لمبی عمر کا تجربہ مجھے بتاتا ہے کہ دنیا میں جتنی تباہی عورت لائی ہے' اتنی تباہی ایک دوسرے کے ملکوں پر حملے کرنے والے بادشاہ بھی نہیں لا سکے۔ میں ہر عورت کی بات نہیں کر رہا۔ عورت وفادار بیوی بھی ہوتی ہے اور عورت عظیم ماں بھی ہوتی ہے اور اپنے دودھ کی دھاروں میں اپنی عظمت اپنے بچوں کی روح میں ڈال دیتی ہے۔ عورت بہن بھی ہوتی ہے جو اپنے بھائیوں کو جہاد پر رخصت کر دیتی ہے۔ میں اُس عورت کی بات کر رہا ہوں جسے تربیت ہی یہ ملتی ہے کہ جس کے پاس دھن دولت ہے' تخت و تاج ہے اُسے پھانس لو اور کنگال کر کے باہر پھینک دو۔ حسن بن صباح اپنی تربیت یافتہ لڑکیوں کو اسی طرح استعمال کرتا ہے۔ یہ تو تم خود جانتے ہو کہ حسین و جمیل نوجوان لڑکی بجائے خود جادو کا اثر رکھتی ہے۔ میں

نئی بات نہیں کہہ رہا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ برکیارق کو اس لڑکی کے جال سے نہیں نکالا جا سکتا"۔

"ایک بات اور ذہن میں آتی ہے" — ابو مسلم رازی نے کہا — "اگر اس لڑکی روزینہ کو قتل کروا دیا جائے تو آپ کیا مشورہ دیں گے؟"

"برکیارق کا ردِّعمل وحشیوں اور درندوں جیسا ہوگا" — مجید فاضل نے کہا — "وہ پاگل ہو جائے گا۔ اپنی ماں تک کو قتل کروا دے گا۔ اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کو قید خانے میں پھینک دے گا۔ اسے معلوم ہے کہ آپ بھی اس لڑکی کے خلاف ہیں۔ وہ آپ کو اس رتبے سے معزول کر کے قتل کروا دے گا یا قید خانے میں ڈال دے گا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس کی گمراہی کے نتائج سامنے آنے دیں۔ خون بہے گا' بہنے دیں تاکہ وہ دیکھے کہ اس نے کیا گل کھلائے ہیں اور یہ جو خون بے گناہوں کا بہہ گیا ہے یہ اُس کے کرتوت کا نتیجہ ہے اور وہ اپنے خاندان اور پوری سلطنت کی تباہی کا اکیلا ذمہ دار ہے' اس کی بیوی نہیں۔ بیوی تو آئی ہی اسی مقصد کے لئے تھی"۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ لڑکی جو اس سلطنت کی ملکہ بن بیٹھی ہے خزانہ خالی کر رہی ہے" — ابو مسلم رازی نے کہا — "اور یہ خزانہ قلعہ اَلموت میں جا رہا ہے۔ ہمیں بہت جلدی کوئی کارروائی کرنی پڑے گی"۔

"آپ یہ لعنت اپنے سر نہ لیں" — مجید فاضل نے کہا — "حسن بن صباح زیادہ جلدی میں ہے۔ وہ جو چال ایک لڑکی کے ذریعے چل رہا ہے وہ بہرحال کامیاب ہو گی۔ اسے کامیاب ہونے دیں۔ اس کے بعد آپ اپنی چال چلیں۔ یہ ہو گی خانہ جنگی ہی۔ باطنی خانہ جنگی کے لئے زمین ہموار کر چکے ہیں۔ آدھی فوج کو نکلوا دینا ان کی پہلی چال ہے۔ نائب سپہ سالار اوریزی جو سوچ رہا ہے اور کر رہا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ آپ تیار رہیں۔ جونہی کوئی اس قسم کی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو دیکھ لیں کہ آپ یہاں کچھ کر سکتے ہیں یا آپ کو وہاں پہنچنا چاہئے۔ خانہ جنگی سے نہ ڈرو۔ یہ میں بتا چکا ہوں کہ خانہ جنگی ہو کر رہے گی۔ آپ اسے روکنے کی کوشش کریں گے تو اس کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا کہ آپ اپنی توانائی اور اپنے وسائل ضائع کریں گے اور آپ دشمنوں کی نظر میں آ جائیں گے اور ایک روز یہ خبر ملے گی کہ رے کا امیر ابو مسلم رازی قتل ہو گیا ہے۔ محمد یہاں آیا ہے۔ اسے جلدی واپس بھیج دیں اور اسے یہ کہہ دیں کہ مَرو میں کسی کو پتہ

Scanned by iqbalmt

نہ چلنے دینے کہ وہ یہاں آیا تھا"۔

"ہم اسلام کی سربلندی اور فروغ میں مصروف تھے" ——— ابو مسلم رازی نے کہا ——— "لیکن حالات نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ اس سلطنت کو شکست و ریخت سے بچانا ایک مسئلہ بن گیا ہے"۔

"یہ سارا فتنہ اسلام کی تباہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے" ——— مجید فاضل نے کہا ——— "اسلام ایک مکمل دین ہے اور یہ اللہ کا اپنا دین ہے اور یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور باطل کی قوتیں اسے کمزور کرتی رہیں گی۔ یہ نہ سمجھو کہ حسن بن صباح کے پاس جو تربیت یافتہ لڑکیاں ہیں' وہ صرف اغوا کی ہوئی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کم سن اور انتہائی خوبصورت بچیاں حسن بن صباح کے حوالے کر رکھی ہیں۔ وہ اس باطنی ابلیس کی یہ ضرورت پوری کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو تم ہر دور میں اسلام کی بیخ کنی کے لئے سرگرم دیکھو گے۔ خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ خود مسلمان اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ ان کے دماغوں میں حکمرانی کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ حکمرانی اور اقتدار اعلیٰ کی ہوس ایسی خطرناک چیز ہے جو کسی میں داخل ہو جائے تو وہ اس کی خاطر اپنے دشمن کے ساتھ بھی دوستی کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ خلافت اسلام کی مرکزیت کی نشانی تھی لیکن کہاں ہے ہمارا خلیفہ؟...... برائے نام ایک آدمی خلافت کی گدی پر بیٹھا ہے اور وہ ایسے حالات پیدا کر لیتا ہے کہ وہ مر جائے تو یہ گدی اس کے خاندان میں ہی رہے۔ شریعت ختم ہو چکی ہے۔ یہی ایک پابندی تھی۔ حسن بن صباح نے یہی کمال کیا ہے کہ شرعی پابندیوں کو ختم کر کے یہ کہا ہے کہ یہ ہے اصل اسلام۔ انسان کی فطرت کسی پابندی کو قبول نہیں کرتی۔ یہ ابلیسی طرز فکر ہے جو انسان کو اچھا لگتا ہے کیونکہ اس میں لذت ہے' نشہ ہے اور اس میں کوئی روک نہیں' کوئی ٹوک نہیں...... بہرحال آپ مرو کے حالات پر نظر رکھیں اور تیار رہیں۔ میں آپ کے ساتھ رابطہ رکھوں گا اور مجھے ہر حال میں اور ہر وقت اپنے ساتھ سمجھیں"۔

جب ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی ابو مسلم رازی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت سلطان ملک شاہ مرحوم کا بیٹا' سلطان کا برکیارق کا چھوٹا بھائی محمد حمیرا کے ساتھ دوسرے کمرے میں بیٹھا باتیں کر بھی رہا تھا اور سن بھی رہا تھا۔ محمد خوبرو جوان اور خوش گفتار تھا اور وہ سلطان کا بیٹا اور موجودہ سلطان کا چھوٹا بھائی تھا۔ حمیرا جب اس کے ساتھ اس

کمرے میں آئی تھی تو اُس پر مرعوبیت طاری تھی اور وہ جھینپی ہوئی تھی۔ وہ خاص طور پر حسین اور دلکش لڑکی تھی لیکن اسے باطنیوں کی تربیت حاصل نہیں تھی کہ وہ محمد کو مرعوب کرتی۔

"محترم رازی نے تمہارے متعلق بہت ہی مختصر بات کی ہے" ——— محمد نے حمیرا سے کہا ——— "میں ساری بات تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں"۔

حمیرا پر جو بیتی تھی وہ اُس نے ہر ایک تفصیل کے ساتھ سنا دی۔ اُس کے آنسو بھی نکلے اُس نے آہیں بھی بھریں اور جب اس پر انتقام کے جذبے کا غلبہ ہوا تو اُس کے چہرے پر سرخی آ گئی اور اس کے دانت پسنے لگے۔

"اسلام کو تم جیسی بیٹیوں کی ضرورت ہے" ——— محمد نے کہا ——— "اگر انتقام لینا چاہتی ہو تو مردوں کی طرح حوصلہ مضبوط کرو عورتوں کی طرح روؤ نہیں"۔

"لیکن میں اکیلی کیا کر سکتی ہوں؟" ——— حمیرا نے کہا۔

"بہت کچھ کر سکتی ہو" ——— محمد نے کہا ——— "تم میں مردوں والی ہمت ہے لیکن ہم مرد جب تک زندہ و بیدار ہیں تو کسی عورت کو خطرے میں نہیں ڈالیں گے۔ تم نے میری باتیں سنی ہیں جو میں محترم رازی کو سنانے آیا تھا۔ تم نے محسوس کیا ہو گا کہ میرا اور تمہارا جذبہ ایک ہے۔ اسلام کو اور اس سلطنت کو میرا بڑا بھائی نقصان پہنچا رہا ہے۔ اسی لئے میں اپنے سگے بھائی کو دشمن کہہ رہا ہوں۔ ہم اس سلطنت کو اسلام کا قلعہ بنا چکے تھے۔ میرے والد مرحوم کا مقصد ہی یہی تھا مگر ان کی وفات کے بعد حالات نے کچھ اور ہی پلٹا کھایا ہے..... میری عمر ابھی اتنی نہیں ہوئی کہ میں دانشوروں اور عالموں کی طرح بات کر سکوں۔ میں تمہیں صرف یہ کہوں گا کہ جس طرح تم نے خوف کو قبول نہیں کیا اسی طرح اپنے آپ کو ہمیشہ بے خوف اور نڈر رکھنا۔ اگر تم پر خوف کا غلبہ ہوتا تو الموت سے تم کبھی نہ نکل سکتیں۔ تم اُس باطنی کو دریا میں پھینک کر ہلاک نہ کر سکتیں اور پھر تنہا سفر کا تو تمہارے ذہن میں خیال بھی نہ آتا لیکن تم نے خوف کو قبول نہیں کیا تھا اس لئے تمہارے دماغ نے تمہاری راہنمائی کی اور تم ایک آدمی سے گھوڑا لے کر یہاں تک پہنچ گئیں"۔

"کیا یہ سلطنت باطنیوں کو ختم کر سکے گی؟" ——— حمیرا نے پوچھا۔

"کر سکتی تھی" ——— محمد نے جواب دیا ——— "میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرے والد

Scanned by iqbalmt

مرحوم کی زندگی کا مقصد ہی یہی تھا..... باطنیوں کا خاتمہ..... مگر میرا بڑا بھائی باپ کی گدّی پر بیٹھا تو اُس نے باطنیوں کے خاتمے کی بجائے اپنے باپ کے مقصد کا خاتمہ کر دیا"۔

"وہ کیسے؟"

"وہ اس طرح" ـــــ محمد نے جواب دیا ـــــ "کہ وہ باطنیوں کی گود میں جاگرا ہے۔ اُس نے سب کی مخالفت کے باوجود ایک باطنی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے..... اُس کی بیوی کا نام روزینہ ہے..... وہ تم سے زیادہ خوبصورت نہیں لیکن اُس کے ہاتھ میں جو جادو ہے اس کو اسے چلانے کی تربیت ملی ہوئی ہے"۔

"کیا ہم اس لڑکی کو ختم نہیں کر سکتے؟" ـــــ حمیرا نے کہا۔ "اگر کوئی اور نہ کر سکے تو یہ کام میرے سپرد کریں..... میں جب تک چند ایک باطنیوں کا خون اپنے ہاتھوں بہا نہ لوں گی مجھے چین نہیں آئے گا۔ میں نے اپنے بڑے بھائی، ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کے خون کا انتقام لینا ہے"۔

"اور میں نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہے" ـــــ محمد نے کہا ـــــ "میرے باپ کو باطنیوں نے دھوکے میں زہر پلا کر مار ڈالا ہے۔ میں بھی تمہاری طرح سوچا کرتا ہوں لیکن ایک دو آدمیوں کو قتل کر دینے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کسی کو قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ روزینہ کو میں خود قتل کر سکتا ہوں، کروا بھی سکتا ہوں مگر ہم نے اس کے نتائج دیکھنے ہیں۔ میرا بھائی برکیارق ہمیں قتل کروا دے گا۔ وہ اپنے آپ میں ہے ہی نہیں"۔

"میں سوچ رہی تھی کہ روزینہ کی کنیز بن جاتی ہوں" ـــــ حمیرا نے کہا ـــــ "میں ایک غریب لڑکی بن کر اُس کے پاس جاؤں اور اُس سے کہوں کہ وہ مجھے اپنی کنیز بنا لے تو میرا خیال ہے کہ میری بات مان جائے گی۔ پھر میں اُسے آسانی سے زہر دے سکتی ہوں لیکن آپ نے جو بات کہی ہے وہ میں سمجھ گئی ہوں"۔

"تم یہیں انتظار کرو" ـــــ محمد نے کہا ـــــ "اپنا خون نہ جلاؤ۔ ہمیں جہاں کہیں تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تمہیں بلا لیں گے"۔

"میں یہاں کب تک پڑی رہوں گی!" ـــــ حمیرا نے کہا ـــــ "اچھا نہیں لگتا کہ امیرِ شہر کے ہاں مہمان ہی بنی رہوں، آخر ایک دن یہ مجھ سے تنگ آ جائیں گے۔ میرا تو کوئی گھر ہے ہی نہیں، نہ کوئی ٹھکانہ نہ کوئی پناہ!"

"ایسا نہ سوچو" ـــــ محمد نے کہا ـــــ "یہاں عموماً تم جیسی لڑکیاں اور مظلوم آدمی آتے ہی رہتے ہیں۔ تمہیں یہاں سے کوئی نکال نہیں دے گا"۔

"جذباتی سہارا تو مجھے کوئی نہیں دے سکتا" ـــــ حمیرا نے کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ـــــ "میرا بھائی شہر کا رئیس تھا۔ میں نے اچھے خاندان میں پرورش پائی اور اچھی زندگی دیکھی تھی"۔

"تمہیں اس سے زیادہ اچھی زندگی ملے گی انشاء اللہ!" ـــــ محمد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا ـــــ "اپنی ذات کے متعلق تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے"۔

"میری عمر دیکھیں" ـــــ حمیرا نے کہا ـــــ "میں تو کہوں گی کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی اچھی شکل و صورت دے کر مجھ پر کوئی کرم نہیں کیا۔ مجھ جیسی بے آسرا لڑکیوں کے لئے خوبصورتی مصیبت بھی بن جایا کرتی ہے۔ آپ یقیناً شادی شدہ ہیں....."

"نہیں حمیرا!" ـــــ محمد نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ "میں نے ابھی شادی کی سوچی بھی نہیں۔ ماں کو میرا فکر لگا رہتا ہے لیکن سلطنت کے بگڑتے ہوئے حالات نے میری توجہ اِدھر سے ہٹا رکھی ہے"۔

حمیرا فوراً کچھ بھی نہ بولی۔ اس کی نظریں محمد کے چہرے پر جم کر رہ گئیں اور پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کہنے کی جرأت نہیں رکھتی۔

"ایک بات پوچھوں حمیرا!" ـــــ محمد نے کہا ـــــ "کیا اپنی پسند کا کوئی آدمی تمہاری زندگی میں آیا ہے؟"

"یہی تو غلطی کر بیٹھی تھی" ـــــ حمیرا نے کہا ـــــ "آپ کو سنایا ہے کہ ایک آدمی کو دل میں بٹھایا تھا اور اسی آدمی کو اپنے ہاتھوں دریا میں دھکیل کر اور ڈبو کر مار ڈالا ہے..... اس کا نام جابر بن حاجب تھا..... اب تو میں محبت کے نام سے بھی ڈرتی ہوں۔ آنکھیں انسان کو باہر سے دیکھتی ہیں اندر سے نہیں دیکھ سکتیں۔ میری آنکھوں نے اور میرے دل نے مجھے دھوکا دیا"۔

"میری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے رہیں" ـــــ محمد نے بڑے ہی خوشگوار لہجے میں کہا ـــــ "میری آنکھیں تمہارا ضمیر اور تمہاری روح بھی دیکھ رہی ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ میں تمہارے اس ظاہری حسن اور پُرکشش جسم سے متاثر ہُوا ہوں یا اس

Scanned by iqbalmt

کارنامے سے جو تم نے کر دکھایا ہے یا اس جذبے سے جو تمہیں بے چین اور بے قرار کئے ہوئے ہے یا ان ساری چیزوں نے مل ملا کر ایسا اثر کیا ہے کہ میں تمہیں یہاں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا"۔

"آپ کی یہ بات سن کر میری روح کو تسکین ہوئی ہے" ——— حمیرا نے سر جھکا کر کہا ——— "اگر آپ نے مجھے دلی طور پر قبول کر لیا ہے تو میں اپنے آپ کو یقین دلا سکتی ہوں کہ میری زندگی کے خلا کو صرف آپ کی محبت پُر کر سکتی ہے"۔

دونوں کے ہاتھ آگے بڑھے اور ان ہاتھوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور پھر ان ہاتھوں نے محمد اور حمیرا کو اتنا قریب کر دیا کہ ان کے درمیان سے ہوا کا گزر بھی ممکن نہ رہا۔

"محترم ابو مسلم رازی دانشمند اور دور اندیش ہیں" ——— محمد نے مسکراتے ہوئے کہا ——— "انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ اس کمرے میں بلا مقصد نہیں بھیجا تھا۔ میری ماں نے انہیں دو تین مرتبہ کہا تھا کہ میرے اس بیٹے کے لئے ہمارے خاندان کے مطابق موزوں دلہن تلاش کریں..... لیکن حمیرا محبت اپنی جگہ' اُس جذبے اور مقصد کو جو ہم دونوں میں مشترک ہے اولیت حاصل ہونی چاہئے"۔

"اس مقصد پر تو میں اپنی محبت بھی قربان کر دوں گی" ——— حمیرا نے کہا۔

وہ ایک دوسرے میں گم ہو گئے تھے کہ انہیں دربان کی آواز سنائی دی ——— "امیر محترم یاد فرما رہے ہیں!"

محمد فوراً" اٹھا اور ابو مسلم رازی کے کمرے میں چلا گیا۔

"محمد بیٹا!" ——— ابو مسلم رازی نے کہا ——— "تم کل علی الصبح مرو کے لئے روانہ ہو جانا۔ مجھے وہاں کی خبریں بھیجتے رہنا' خود آنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا میں پہنچوں گا..... اور نائب سپہ سالار اوریزی کے ساتھ رابطہ رکھنا..... اب یہ بتاؤ کہ اس لڑکی حمیرا کے متعلق کیا خیال ہے!"

"انتقام کا جذبہ اسے پریشان کر رہا ہے" ——— محمد نے جواب دیا ——— "اچھی لڑکی ہے لیکن تنہائی محسوس کرتی ہے"۔

"وہ تو میں نے دیکھ لیا ہے کہ لڑکی بڑے کام کی ہے" ——— ابو مسلم رازی نے ذرا تبسم سے کہا ——— "جہاں تک اس کی تنہائی کا تعلق ہے اس کا علاج تمہارے پاس ہے۔

تم ابھی جاؤ اور یہ ذہن میں رکھنا کہ میں اس لڑکی کو ضائع نہیں ہونے دوں گا"۔

○

جس وقت محمد اور حمیرا کی ملاقات ہوئی تھی اس سے بہت پہلے حسن بن صباح کو یہ اطلاع پہنچا دی گئی تھی کہ ایک فدائی جابر بن حاجب کی قاتل حمیرا رے کے امیر ابو مسلم رازی کی پناہ میں پہنچ گئی ہے۔ حسن بن صباح نے بڑا سخت حکم دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس لڑکی کو اغوا کر کے اَلَموت لایا جائے اور پھر اسے گھٹنوں سے اوپر تک زمین میں گاڑ کر اس کے جسم پر اور منہ پر شہد مل دیا جائے۔

یہ بڑی ہی ظالمانہ سزا تھی جو حسن بن صباح نے سنائی تھی۔ شہد مل دینے سے چھوٹی بڑی چیونٹیوں اور کیڑے مکوڑوں نے اور دیگر حشرات الارض نے حمیرا کے جسم کا گوشت آہستہ آہستہ کھا جانا تھا۔ اس نے آخر مرنا ہی تھا لیکن ایسی اذیت میں مرنا تھا جو پانچ چھ دن اسے ملتی رہتی۔ حسن بن صباح نے کہا تھا کہ اُس کی جنت کی تمام لڑکیوں کو یہ منظر اور حمیرا کا حشر دکھایا جائے تاکہ کوئی لڑکی فرار کی یا کسی غلط حرکت کی جرأت نہ کرے۔

حسن بن صباح کو روزینہ کی رپورٹ بھی مل گئی تھی کہ اُس نے سلطان برکیارق کو پوری طرح مٹھی میں لے لیا ہے اور اس سے یہ فیصلہ کروا لیا ہے کہ فوج کی نفری آدھی کر دی جائے۔ روزینہ نے اپنی اس رپورٹ میں کہا تھا کہ اب آدمی بھیجے جائیں جو اس نفری میں اشتعال پیدا کریں جسے فوج میں سے نکالا جا رہا ہے۔ حسن بن صباح کو اس قسم کی رپورٹیں اور اطلاعیں دینے والی ایک روزینہ ہی نہیں تھی' یہ تو اُس کا ایک مکمل نظام تھا جو سلطنتِ سلجوقیہ میں پھیلا ہوا تھا اور اس سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا تھا۔

مَرو میں سپہ سالار ابو جعفر حجازی اپنے سلطان برکیارق کے حکم کے مطابق فوج کی چھانٹی کر رہا تھا۔ یہ وہ فوج تھی جسے سلطان ملک شاہ مرحوم نے باطنیوں کی سرکوبی کے لئے تیار کیا تھا اور اس فوج میں وہ اضافہ کر رہا تھا۔

سپہ سالار حجازی جس نفری کو فارغ کر رہا تھا اسے بارکوں میں سے نکال کر الگ کرتا جا رہا تھا۔ اس نفری کے لئے خیمے لگا دیئے گئے تھے۔ اسے فوری طور پر فارغ نہیں کیا جا رہا تھا کیونکہ ان کا حساب کتاب بھی کرنا تھا اور آخر میں یہ ساری نفری سلطان برکیارق کو دکھانی تھی تاکہ اُس کا آخری حکم لیا جا سکے۔ اس طرح ایک وسیع میدان میں خیموں کا

Scanned by iqbalmt

ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ فارغ کی جانے والی نفری کی تعداد پندرہ ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ اس نفری سے گھوڑے اور ہتھیار لے لئے گئے تھے۔

فوج کی ملازمت بیشتر لوگوں کا ذریعۂ معاش بن گیا تھا۔ اُس وقت کے فوجیوں کو یہ فائدہ بھی نظر آتا تھا کہ مفتوحہ علاقے سے مالِ غنیمت بھی ملتا تھا۔ اب ان پندرہ سولہ ہزار آدمیوں سے ذریعۂ معاش چھن رہا تھا۔ قدرتی طور پر ان میں مایوسی اور بے زاری پیدا ہو گئی تھی۔ اس بے زاری میں غصے کا عنصر بھی موجود تھا۔ وہ جب آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے تھے تو ہر فوجی یہ ضرور کہتا تھا کہ ہمیں کیوں نکالا گیا ہے' ہماری جگہ دوسروں کو کیوں نہیں نکالا گیا۔ انہیں اپنے آپ میں کوئی خامی یا کوئی نقص نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی ان میں کوئی خوبی نظر آتی تھی جنہیں فوج میں ہی رکھا جا رہا تھا۔ ان آدمیوں کی جذباتی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے تھے۔ غصے اور احتجاج سے وہ بارُود کی مانند ہوتے جا رہے تھے۔

"ہمیں تو کہتے تھے کہ باطنیوں کو ختم کرنا ہے"۔

"اب ہمیں ہی ختم کیا جا رہا ہے"۔

"نئے سلطان کی بیوی باطنی ہے"۔

"نئے سلطان نے حسن بن صباح کا عقیدہ قبول کر لیا ہے"۔

اور ایسی ہی باتیں تھیں جو خیموں کی اس بستی میں سنی اور سنائی جاتی تھیں چونکہ یہ سب فوجی تھے اس لئے کئی باتیں اخلاق سے گری ہوئی بھی کہتے تھے۔ فارغ کئے جانے والے ان پندرہ سولہ ہزار فوجیوں میں سالار بھی تھے اور عہدے داروں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی' باقی سب سپاہی تھے۔ مرؤ میں جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی' اس کے متعلق زیادہ تر یورپی مؤرخوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ہزاروں فوجی سراپا احتجاج بن گئے تھے۔ ایک وجہ تو سب کو نظر آ رہی تھی۔ وہ یہ کہ ان کی چھانٹی کی جا رہی تھی لیکن ایک وجہ اور بھی تھی کہ وہ آگ بگولہ ہوتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس ان کے رشتہ دار' دوست اور دوسرے شہری بھی ازراہِ ہمدردی آتے رہتے تھے۔ ان میں حسن بن صباح کے تخریب کار بھی شامل ہوتے تھے جن کی اصل حقیقت سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ ان فوجیوں کو خوب بھڑکاتے اور ان میں طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے تھے۔

ان ہی خفیہ تخریب کاروں نے فارغ کئے جانے والے فوجیوں میں یہ افواہ پھیلا دی کہ جن فوجیوں کو فوج میں ہی رکھا جا رہا ہے' وہ کہتے پھرتے ہیں کہ جنہیں نکالا گیا ہے وہ بزدل اور بد اخلاق ہیں اور ان میں ایسے آدمی بھی ہیں جو چھٹی پر جاتے ہیں تو راہزنی اور ڈکیتی کی وارداتیں کرتے ہیں۔ یہ افواہ خیموں کی ساری بستی میں پھیل گئی اور یہ تمام فوجی اتنے مشتعل ہوئے کہ ان کے پاس ہتھیار ہوتے تو فوج پر حملہ کر دیتے۔

سپہ سالار ابو جعفر حجازی تو بلاشک و شبہ خوشامدی آدمی تھا اور وہ سلطان کا ہر ناجائز حکم بھی ماننے کو تیار رہتا تھا۔ نکالے جانے والے فوجیوں کا کوئی ہمدرد تھا تو وہ نائب سپہ سالار اوریزی تھا۔ اُس نے سلطان برکیارق کو برملا کہہ دیا تھا کہ وہ فوج کی چھانٹی کے حق میں نہیں ہے۔ اس کا رویّہ اب یہ ہو گیا تھا کہ سپہ سالار حجازی کی بات سن لیتا لیکن اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ اوریزی خیموں میں گیا تو وہاں رہنے والے سابق فوجی اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ غصے اور عتاب سے وہ پھٹے جا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک تو انہیں بے گناہ اور بلاوجہ فوج سے نکالا جا رہا ہے اور دوسرے یہ کہ سارے شہر میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ انہیں اس لئے نکالا جا رہا ہے کہ یہ بزدل اور بد معاش ہیں۔ اوریزی نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ لوگ بہت ہی مشتعل تھے۔ اوریزی نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ سپہ سالار حجازی کے ساتھ بات کرے گا اور ابھی وہ ٹھنڈے رہیں۔

اس نے وہیں سے جا کر سپہ سالار حجازی کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"اوریزی بھائی!" ـــــ سپہ سالار حجازی نے اصل بات سمجھنے کی بجائے یوں کہا ـــــ "میں جانتا ہوں کہ تم اس کے حق میں نہیں کہ فوج کم کی جائے۔ تمہاری موجودگی میں سلطان نے حکم دیا تھا کہ فوج کی نفری آدھی کر دو۔ میں حیران ہوں کہ تم مجھ پر اور اس نفری پر جسے ہم فوج میں ہی رکھ رہے ہیں ایسے بے بنیاد الزام کیوں عائد کر رہے ہو"۔

"محترم سپہ سالار!" ـــــ نائب سپہ سالار اوریزی نے کہا ـــــ "آپ سلطان کو ضرور خوش کریں لیکن اپنی عقل پر ایسا پردہ بھی نہ ڈالیں کہ کسی اچھی بُری بات پر آپ غور بھی نہ کر سکیں۔ میں الزام عائد نہیں کر رہا۔ میں آپ کو خبردار کرنے آیا ہوں کہ ہمارے دشمن خیموں میں بھیجے جانے والے فوجیوں میں افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جنہیں آپ فوج میں رکھ رہے ہیں انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ میں اس

Scanned by iqbalm

فوج کا سالار ہوں اور میرے ذاتی خفیہ ذرائع بھی ہیں۔ ان سے مجھے سب کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ باطنی تخریب کار ہیں جو فوج کے ان دونوں دھڑوں کو آپس میں لڑانے کے لئے وجوہات پیدا کر رہے ہیں"۔

"تو پھر یہ کام تم خود کیوں نہیں کرتے!" ـــــ سپہ سالار حجازی نے کہا ـــــ "انہیں جتاؤ کہ یہ افواہ ہے اس پر یقین نہ کریں لیکن اوریزی بھائی! یہ کوئی افواہ نہیں۔ یہ خود اپنے پاس سے باتیں گھڑ رہے ہیں کیونکہ انہیں فوج سے نکالا جا رہا ہے۔ اب میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ لوگ جنہیں میں نے فوج سے الگ کر دیا ہے' جوابی کارروائی کی دھمکی دے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھی فوج میں رہنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے جنہیں رکھا جا رہا ہے"۔

نائب سپہ سالار اوریزی نے سپہ سالار حجازی کو سمجھانے کی بہت ہی کوشش کی کہ یہ افواہ بھی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے۔ حقیقتاً" خیموں میں رہنے والوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ سپہ سالار حجازی نے اپنے نائب اوریزی کی بات سمجھنے کی بجائے اس پر طنز کی اور اس پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ یہ ساری باتیں خود گھڑ رہا ہے۔

حسن بن صباح کے باطنیوں کا پروپیگنڈا اور افواہ بازی پورا پورا کام کر رہی تھی۔ یہی افواہیں شہریوں میں بھی پھیلائی جا رہی تھیں جس کا نتیجہ یا اثرات یوں سامنے آنے لگے کہ شہری بھی دو حصوں میں بٹنے لگے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب حکمران طوائف الملوکی شروع کر دیتے ہیں تو خوشامد کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ انتظامی امور خوشامد پرستی اور مفاد پرستی کی نظر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں دشمن بلا خوف و خطر اپنی تخریبی کارروائیاں کرتا ہے۔ یہ فضا سلطنتِ سلجوقیہ کے دارالحکومت میں پیدا ہو گئی تھی جو باطنیوں نے پیدا کی تھی۔

○

ایک دو دنوں بعد ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک رات ایک فوجی عہدے دار اپنے رہائشی کمرے میں قتل ہو گیا۔ وہ اُس فوج میں شامل تھا جسے رکھا جا رہا تھا۔ صبح اسے دیکھا گیا۔ اس کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ اس کے پیٹ میں اور سینے میں خنجر مارے گئے تھے۔ اس کے بستر پر بھی خون تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے سوتے میں خنجر مارے گئے اور وہ تڑپتے ہوئے فرش پر گرا اور اس کے بعد اس کی موت واقع ہوئی۔

تمام فوج میں یہ خبر پھیل گئی کہ فلاں عہدے دار کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس خبر کے ساتھ یہ افواہ بھی پھیلتی گئی کہ اسے اُن فوجیوں میں سے کسی نے قتل کیا ہے جنہیں فوج میں سے نکالا جا رہا ہے۔ یہ افواہ بھی پھیلائی گئی کہ نکالے جانے والے فوجی کہتے ہیں کہ وہ اب اسی طرح قتل کی وارداتیں کرتے رہیں گے۔ ان افواہوں میں تاثر یہ پیدا کیا گیا تھا کہ نکالے جانے والے فوجیوں کو رکھے جانے والے فوجیوں نے بُزدل اور بد اخلاق کہا ہے اس لئے نکالے گئے فوجیوں نے اپنی توہین کا انتقام لیا ہے۔ اس طرح فوج میں اچھی خاصی کشیدگی پیدا ہو گئی۔ بعض فوجیوں نے یہ بھی کہا کہ وہ نکالے جانے والوں کے ساتھ یہی سلوک کریں گے اور ان کی لاشیں ان کے گھروں تک پہنچیں گی۔

کسی فوجی کا یوں قتل ہو جانا بڑا ہی عجیب واقعہ تھا۔ ایسا واقعہ پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا۔ سپہ سالار ابو جعفر حجازی اپنے نائب سپہ سالار اوریزی کو ساتھ لے کر سلطان برکیارق کے ہاں چلا گیا۔ برکیارق اسی وقت جاگا تھا۔ روزینہ اُسے اتنی جلدی بستر سے نہیں نکلنے دیتی تھی جتنا جلدی سلطان ملک شاہ انہیں اٹھا دیا کرتا تھا۔

برکیارق کو اطلاع دی گئی کہ دونوں سپہ سالار آئے ہیں تو روزینہ باہر آئی اور ان سے پوچھا کہ وہ اتنی جلدی کیوں آئے ہیں؟

"ہم اتنی جلدی آنے کی معافی چاہتے ہیں" ـــــ سپہ سالار حجازی نے غلاموں کے سے لہجے میں کہا ـــــ "ایک عہدے دار قتل ہو گیا ہے۔ اس کی اطلاع سلطان محترم کو دینی ضروری ہے اور ان سے حکم لینا ہے"۔

روزینہ اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی اور دونوں سپہ سالاروں کو اندر سونے کے کمرے میں ہی لے گئی۔ سلطان برکیارق ابھی پلنگ پر ہی نیم دراز تھا۔

"کون بدبخت قتل ہو گیا ہے؟" ـــــ برکیارق نے مخمور سی آواز میں پوچھا۔

"ہمارا ایک عہدے دار تھا سلطانِ محترم!" ـــــ سپہ سالار حجازی نے جواب دیا اور بیان کیا کہ وہ کس طرح مردہ پایا گیا' لاش کس حالت میں تھی اور لاش فرش پر پڑی تھی۔

"تو پھر قاتل کو ڈھونڈو" ـــــ سلطان برکیارق نے کہا ـــــ "وہ مل جائے تو اس کا سر اُڑا دو"۔

"سلطانِ عالی مقام!" ـــــ سپہ سالار حجازی نے کہا ـــــ "قاتل اُن خیموں میں ہے جن میں نکالے جانے والے فوجیوں کو رکھا گیا ہے"۔

Scanned by iqbalmt

"سلطان محترم!" — نائب سالار اوریزی بولا "یہ باطنیوں کی دہشت گردی ہے اور اگر مجھے اجازت دیں تو میں بیان کروں کہ اس وقت دونوں دھڑوں کے فوجیوں کے درمیان کس قسم کی کشیدگی پیدا کر دی گئی ہے اور اسی طرح شہر کے لوگ بھی دو دھڑوں میں بٹتے جا رہے ہیں"۔

سپہ سالار حجازی نے اوریزی کی مخالفت شروع کر دی۔ سلطان برکیارق کے چہرے پر اکتاہٹ کے تاثرات نمایاں ہوئے جا رہے تھے۔ وہ تو جیسے کوئی بات بھی سننے کو تیار نہیں تھا۔ نائب سپہ سالار اوریزی نے سپہ سالار حجازی کو ٹوک کر اپنی بات شروع کر دی۔

روزینہ پاس بیٹھی سن رہی تھی۔

اس باطنی حسینہ نے سلطان برکیارق کو ذہنی طور پر اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی اہلیت سے ہی محروم ہو گیا تھا۔ یہ اثرات تھے اُس نشے کے جو وہ اُسے پلاتی رہتی تھی اور وہ خود بھی اس کے لئے ایک نشہ بن گئی تھی۔ اس کا ذہن مکمل طور پر روزینہ کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ سوچتی روزینہ تھی اور بولتا سلطان برکیارق تھا۔

"سلطان!" — روزینہ نے کہا — "ان دونوں کی باتیں آپ کو کسی فیصلے تک نہیں پہنچنے دیں گی۔ دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قاتل کو پکڑیں جو ممکن نظر نہیں آتا۔ دوسرا اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُن فوجیوں میں سے جنہیں نکالا جا رہا ہے' کوئی دو آدمی پکڑ لئے جائیں اور فوج کے دونوں دھڑوں کو آمنے سامنے کھڑا کر کے ان کے درمیان ان دونوں آدمیوں کے سر اڑا دیئے جائیں۔ اعلان کیا جائے کہ ان دونوں نے اس عہدے دار کو قتل کیا ہے۔ اس سے یہ ہو گا کہ آئندہ کوئی اتنی سنگین واردات کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اگر واقعی اس فوج کے ان دھڑوں میں کشیدگی اور دشمنی پیدا ہو گئی ہے تو وہ اسی طرح ختم کی جا سکتی ہے۔ اگر خیموں میں رہنے والا کوئی فوجی قتل ہو جائے تو دو فوجی اُدھر سے پکڑ کر انہیں سب کے سامنے جلاد سے قتل کروا دیا جائے"۔

"سن لیا تم دونوں نے!" — سلطان برکیارق نے کہا — "جاؤ اور اس حکم پر عمل کرو!"۔

"بہت اچھا فیصلہ ہے سلطانِ محترم!" — سپہ سالار حجازی نے کہا — "میں آج دو آدمی پکڑ کر قید خانے میں بند کر دوں گا اور کل صبح دونوں کو قتل کروا دیا جائے گا"۔

نائب سپہ سالار اوریزی نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں کوئی اس کی سننے

والا نہیں اور تباہی سلطنتِ سلجوقیہ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔

دونوں سپہ سالار وہاں سے آ گئے۔

○

اگلے روز سپہ سالار ابو جعفر حجازی خیموں کی طرف گیا۔ کچھ سپاہی جنہیں فوج سے نکالا جا رہا تھا باہر بیٹھے تھے۔ سپہ سالار حجازی کے ساتھ بارہ چودہ فوجی تھے جو برچھیوں اور تلواروں سے مسلح تھے۔ سپہ سالار حجازی نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"انہیں پکڑ کر لے چلو" — اُس نے حکم دیا — "یہی ہیں اس کے قاتل!"

مسلح فوجی ان دو آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں گھسیٹتے دھکیلتے اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ خبر خیموں کی ساری بستی میں پھیل گئی۔ پندرہ سولہ ہزار سابق فوجیوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ سب جانتے تھے کہ جنہیں پکڑ کر لے گئے ہیں' وہ بڑے ہی خوش اخلاق اور شریف سپاہی تھے۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے اور شور شرابا کرنے لگے لیکن ان کی سننے والا سوائے نائب سالار اوریزی کے اور کوئی نہ تھا۔

سپہ سالار حجازی کے حکم سے ان دونوں آدمیوں کو قید خانے میں بند کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ ان پندرہ سولہ ہزار فوجیوں میں دو سالار بھی تھے جنہیں فوج سے نکالا جا رہا تھا۔ وہ دو تین عہدے داروں کو ساتھ لے کر نائب سپہ سالار اوریزی کے ہاں چلے گئے۔ اسے بتایا کہ سپہ سالار نے دو آدمیوں کو یہ کہہ کر پکڑ لیا ہے کہ مقتول عہدے دار کو انہوں نے قتل کیا ہے۔ اوریزی نے یہ خبر سنی تو وہ بھڑک اٹھا۔ وہ اُسی وقت سپہ سالار حجازی کے پاس چلا گیا۔

"میں جانتا ہوں تم کیوں آئے ہو" — سپہ سالار حجازی نے بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کہا — "تم کہو گے کہ دو بے گناہوں کو کیوں پکڑ لیا ہے۔ اوریزی بھائی! تمہارے سامنے سلطان نے حکم دیا تھا"۔

"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو ایسا ظالمانہ حکم کبھی نہ مانتا" — نائب سالار اوریزی نے کہا — "محترم حجازی! آپ کس کے غلام بن گئے ہیں؟ آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ طاقت آپ کے ہاتھ میں ہے؟ سلطان کی طاقت کو ہم احتراماً مانتے ہیں۔ یہ اسلام کا حکم ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو اور اسلام کا حکم یہ بھی ہے کہ امیر کوئی غلط حکم خصوصاً

Scanned by iqbalm

اس قسم کا ظالمانہ حکم دیتا ہے تو وہ حکم نہ مانو"۔

"خدا کے لئے اوریزی بھائی!" ـــ سپہ سالار حجازی نے بے تکلف دوستوں جیسے لہجے میں کہا ـــ "اگر ہم ان دو ادنیٰ سے سپاہیوں کے سر نہیں کاٹیں گے تو ہم دونوں کے سر کٹ جائیں گے"۔

"میں ان ادنیٰ سپاہیوں کی خاطر اپنا سر کٹوانے کے لئے تیار ہوں" ـــ اوریزی نے کہا ـــ "میرا خیال ہے کہ میں آپ کے پاس آکر جھک مار رہا ہوں۔ مجھے یہ بتا دیں کہ آپ واقعی ان دو بے گناہ سپاہیوں کے سر کاٹ دیں گے؟"

"تو اور کس لئے انہیں قید خانے میں بھیجا ہے؟" ـــ سپہ سالار حجازی نے جواب دیا ـــ "کل سب کے سامنے ان کی گردنوں پر تلواریں چل جائیں گی"۔

"میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں" ـــ نائب سپہ سالار اوریزی نے کہا ـــ "یہ آخری بات ہوگی جو میں آپ سے کروں گا۔ اس کے بعد میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ حالات کیا کروٹ بدلیں گے۔ آپ یوں کریں کہ کل ان دونوں سپاہیوں کو قید خانے سے نکال کر اُدھر سے ہی انہیں گھروں کو بھیج دیں۔ فوج سے تو وہ نکال ہی دیئے گئے ہیں۔ پھر میں آپ کے ساتھ سلطان تک چلوں گا اور کہوں گا کہ ہم دونوں کی موجودگی میں قید خانے میں ان کے سر کاٹ دیئے گئے ہیں اور انہیں دفن بھی کر دیا گیا ہے"۔

"پھر جانتے ہو سلطان کیا کہے گا؟" ـــ سپہ سالار حجازی نے کہا ـــ "وہ کہے گا کہ میرے حکم کے مطابق ان کی گردنیں سرِعام فوج کے دونوں دھڑوں کے سامنے کیوں نہیں کاٹی گئیں؟"

"اس کا جواب میں دوں گا" ـــ نائب سپہ سالار اوریزی نے کہا ـــ "میں کہوں گا کہ سب کے سامنے انہیں قتل کیا جاتا تو فوج کے دونوں دھڑوں میں فساد کا خطرہ تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ یہ دونوں سپاہی بے گناہ ہیں"۔

"اوریزی بھائی!" ـــ سپہ سالار حجازی نے کہا ـــ "حکم سلطان کا نہیں، سلطان کی بیگم کا ہے۔ وہ قید خانے سے معلوم کروا لے گی کہ اس کے حکم کی واقعی تعمیل ہوئی ہے یا نہیں۔ تم خاموش ہی رہو تو ہم دونوں کے لئے بہتر ہے"۔

اوریزی خاموش رہا اور سر جھکا کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ ایک پتھر سے ہمکلام ہے۔

"انہیں کل کس وقت اور کہاں سزائے موت دی جائے گی؟" ـــ نائب سپہ سالار اوریزی نے بدلے ہوئے سے لہجے میں پوچھا اور ذرا سوچ کر کہا ـــ "مجھے آپ کا ساتھ دینا پڑے گا ورنہ آپ مارے جائیں گے!"

"زندہ باد اوریزی!" ـــ سپہ سالار حجازی نے خوش ہوتے ہوئے اوریزی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا ـــ "مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ میں تمہارے اس تعاون کے لئے ساری عمر ممنون رہوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے ہاتھوں کیا گناہ کروایا جا رہا ہے"۔

"اللہ بخشنے والا مہربان ہے" ـــ اوریزی نے کہا ـــ "آپ مجبور ہیں۔ اللہ آپ کو معاف کر دے گا..... انہیں کون سی جگہ یہ سزا دی جائے؟"

"وقت اور جگہ تم خود مقرر کر لو" ـــ سپہ سالار حجازی نے اوریزی کو خوش کرنے کے لئے کہا ـــ "تم جو جگہ مقرر کرو گے میں اسی کو مان لوں گا"۔

اوریزی اٹھا، سپہ سالار حجازی سے ہاتھ ملایا اور وہاں سے آ گیا۔

○

اگلے روز کے سورج نے طلوع ہوتے ہی یہ ظالمانہ منظر دیکھا کہ ایک طرف نکالی جانے والی فوج کے پندرہ سولہ ہزار آدمی کھڑے تھے۔ ان کے سامنے خاصے فاصلے پر وہ فوج کھڑی تھی جسے رکھا جا رہا تھا۔ ان کے درمیان دو سپاہی کھڑے تھے جن کے ہاتھ پیٹھوں کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ دونوں کے قریب ایک ایک آدمی چوڑے پھل والی تلواریں لئے کھڑے تھے۔ اس جگہ درختوں کی بہتات تھی۔ بالکل قریب بڑ کی قسم کے دو گھنے درخت تھے۔ منظر خاصا خوبصورت تھا لیکن خوبصورتی میں موت کی سانسیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان دو سپاہیوں میں جنہیں کچھ دیر بعد سزائے موت دی جانی تھی، ایک نوجوان تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر۔ یہ بدنصیب اسی شہر کا رہنے والا تھا۔ کچھ دور شہر کے لوگ کھڑے تھے۔ یہ خبر اُن تک بھی پہنچ گئی تھی۔ ان لوگوں میں اس ادھیڑ عمر سپاہی کی بیوی اور چھوٹے چھوٹے دو بچے بھی کھڑے تھے۔ بیوی بھی رو رہی تھی اور بچے بھی۔ بیوی نے ایک بار سپہ سالار حجازی تک رحم کے لئے پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن فوجیوں نے اُسے دھکے دے کر پیچھے کر دیا تھا۔ شہریوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

سپہ سالار حجازی گھوڑے پر سوار وہاں آیا اور دونوں بے گناہ سپاہیوں کے پاس گھوڑا

Scanned by iqbalmt

کر اعلان کیا کہ فوج کا جو عہدیدار قتل ہُوا ہے، اُس کے قاتل یہ دونوں ہیں اور مستند شہادت ملی ہے کہ قاتل یہی ہیں۔

"یہ سپہ سالار جھوٹ بول رہا ہے" — ادھیڑ عمر سپاہی نے چلا کر کہا — "اس سے پوچھو یہ کون سے قاضی کا فیصلہ ہے"۔

ایک جلاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا۔

سپہ سالار حجازی نے اپنا اعلان یہ کہہ کر مکمل کیا کہ ان دونوں کو تم سب کے سامنے سزائے موت دی جا رہی ہے۔

سپہ سالار ایک طرف چلا گیا۔ دونوں جلادوں نے دونوں فوجیوں کو دو زانو بٹھا دیا اور ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر سر نیچے کر دیئے۔ پھر دونوں نے اپنی تلواریں اوپر اٹھائیں۔ دو بے گناہوں کی زندگی اور موت کے درمیان صرف دو یا تین لمحے رہ گئے تھے۔ تلواروں کا ایک ایک وار ہی کافی تھا۔

تلواریں اوپر اٹھیں تو تماشائیوں کے اتنے بڑے ہجوم پر سناٹا طاری ہو گیا جیسے وہاں کوئی انسان موجود ہی نہ ہو۔ تلواریں اوپر اٹھیں۔ اب انہیں زناٹے سے نیچے آنا تھا۔ زناٹے تو سنائی دیئے لیکن وہ تلواروں کے نہیں بلکہ دو تیروں کے تھے۔ ایک تیر ایک جلاد کے سینے میں اور دوسرا دوسرے جلاد کے سینے میں اتر گیا تھا..... دو بیگناہوں کی جانیں لینے والے اپنی جانیں گنوا بیٹھے۔

"یہ تیر کس نے چلائے ہیں؟" — سپہ سالار حجازی نے ایسی آواز میں کہا جس میں گھبراہٹ بھی تھی غصہ بھی — "فوراً" پکڑو انہیں!"

فوج میں کچھ حرکت ہوئی۔ نائب سپہ سالار اوریزی گھوڑا دوڑاتا آیا اور بیگناہ سپاہیوں اور مرے ہوئے جلادوں کے پاس آ رکا۔

"خبردار!" — اوریزی نے بلند آواز سے کہا — "کوئی حرکت نہ ہو۔ اللہ نے انصاف کر دیا ہے۔ یہ دونوں بیگناہ ہیں۔ سپہ سالار سے پوچھو انہیں کون سے قاضی نے سزائے موت دی ہے اور کس کس کی شہادت پر سزا دی ہے؟ ..... کیا تم مسلمان ہو؟ کیا اسلام اجازت دیتا ہے کہ جسے چاہو پکڑ کر اس پر قتل کا الزام لگا دو اور اس کی گردن مار دو؟ کیا تم سب کافر ہو کر مرنا چاہتے ہو؟"

ہر طرف خاموشی طاری رہی۔ اوریزی نے اُن فوجیوں کی طرف دیکھا جنہیں فوج

سے نکالا جا رہا تھا۔

"کچھ آدمی آگے آؤ" — اس نے کہا — "اپنے ساتھیوں کو لے جاؤ"۔

چار آدمی دوڑے آئے اور وہ اپنے بیگناہ ساتھیوں کے ہاتھ کھول کر انہیں ساتھ لے گئے۔ اُدھر سے اُدھیڑ عمر سپاہی کی بیوی اپنے دو بچوں کے ساتھ دوڑتی آئی۔ باپ نے اپنے دونوں بچوں کو اٹھا لیا اور انہیں پیار کرنے لگا۔

فوج میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ سپہ سالار ابو جعفر حجازی وہاں سے چلا گیا۔ وہ سلطان برکیارق کو بتانے جا رہا تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی اور اس کا ذمہ دار اوریزی ہے۔

سپہ سالار حجازی کو تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ دو تیر کہاں سے آئے تھے۔ یہ اوریزی کا انتظام تھا۔ ان بیگناہ سپاہیوں کو سزا دینے کی جگہ کا اُسی نے انتخاب کیا تھا۔ وہاں قریب ہی بڑ جیسے دو گھنے درخت تھے۔ ان کے چوڑے پتّوں میں بیٹھا ہوا آدمی کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اوریزی نے رات کو دو تجربہ کار تیرانداز تیار کر دیئے تھے اور انہیں یہاں لا کر اچھی طرح بتا دیا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ دونوں تیرانداز صبح طلوع ہونے سے کچھ دیر پہلے ایک درخت پر اور دوسرا دوسرے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے تھے۔

سپہ سالار حجازی جا چکا تھا۔ فوج حکم کی منتظر کھڑی تھی۔ نائب سالار اوریزی نے فوج کو بارکوں میں چلے جانے کا حکم دیا اور خود اس انتظار میں اپنے ٹھکانے پر چلا گیا کہ ابھی سلطان کا بلاوا آئے گا۔

anned by iqbalmt

سالار اوریزی کی یہ کارروائی بڑا ہی سنگین جرم تھا۔ سلطان نے دو سپاہیوں کو سزائے موت دی تھی لیکن سالار اوریزی نے جلّادوں کو مروا دیا اور سپاہیوں کو رہا کرا لیا۔ اس نے دوسرا جرم یہ کیا کہ سپہ سالار ابو جعفر حجازی نے یہ حکم دیا ان تیر اندازوں کو ڈھونڈو اور پکڑو لیکن سالار اوریزی نے اس کے قریب آکر للکارا اور کہا' خبردار کوئی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ یہ حکم عدولی نہیں بلکہ غدّاری تھی۔

یہ الگ بات ہے کہ سپہ سالار حجازی کو سالار اوریزی کی یہ باغیانہ کارروائی اچھی لگی تھی یا بُری لگی تھی' اسے دراصل خوشی اس بات پر ہوئی تھی کہ اسے سلطان برکیارق کے پاس جانے کا ایک بڑا ہی معقول بہانہ مل گیا تھا اور اس کے ساتھ سالار اوریزی کو سالاری سے معزول کرانے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ سلطان سالار اوریزی کو صرف معزول نہیں کرے گا بلکہ اسے کوئی اور سزا بھی دے گا..... پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سپہ سالار حجازی سلطان برکیارق کا خوشامدی تھا اور وہ سلطان کے آگے زر خرید غلاموں کی طرح حرکتیں کرکے بہت خوش ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں سالار اوریزی خوددار اور باوقار سالار تھا جس کی اپنی ایک آزاد شخصیت تھی۔ وہ سلطان کا ہر حکم صرف اس لئے نہیں مانتا تھا کہ یہ سلطان کا حکم ہے بلکہ وہ دیکھتا تھا فوجی نقطۂ نگاہ سے یہ حکم سلطنت کے لئے نقصان دہ تو نہیں! یہ سالار اوریزی کا ایمان تھا لیکن سپہ سالار حجازی اسے اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتا تھا۔

سپہ سالاری حجازی وہاں سے سلطان برکیارق کے ہاں گیا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔ سلطان نے اسے اُسی وقت اندر بلا لیا۔ وہ اندر گیا اور رکوع میں جاکر سلطان کو سلام

کیا۔

"کام کر آئے حجازی؟" — سلطان برکیارق نے پوچھا — "دیکھنے والوں پر دہشت تو طاری ہو گئی ہو گی..... اب کوئی کسی کو قتل نہیں کرے گا"۔

"گستاخی مُعاف سلطانِ محترم!" — سپہ سالار حجازی نے سلطان کے اشارے پر بیٹھتے ہوئے کہا — "آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی"۔

"کیوں؟" — سلطان نے بدک کر پوچھا — "حکم کی تعمیل کیوں نہیں ہو سکی؟"

"دونوں جلّاد تیروں سے مارے گئے ہیں" — سپہ سالار حجازی نے کہا۔

"کس نے مارے ہیں؟" — سلطان برکیارق نے پوچھا — "کون تھے وہ تیر انداز؟ کیا انہیں آپ نے پکڑ لیا ہے؟"

سپہ سالار حجازی نے سلطان کو پورا واقعہ تفصیل سے سنا دیا اور سالار اوریزی کے خلاف بغاوت کا جرم ثابت کرنے کے لئے اور بھی بہت کچھ کہا۔

"سلطانِ عالی مقام!" — حجازی نے کہا — "وہ تو کبھی کا میرے پیچھے پڑا ہُوا تھا کہ میں سلطان کا یہ حکم نہ مانوں کہ فوج کی آدھی نفری کو گھر بھیج دیا جائے۔ یہ دونوں تیر انداز اسی کے تھے"۔

"یہ جرأت؟" — سلطان برکیارق نے لال پیلا ہوتے ہوئے کہا — "یہ مجال؟ ... اسے قید خانے کے تہ خانے کی اُس کوٹھڑی میں بند کردو جس میں سب سے زیادہ کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں"۔

"اس نے سلطان کی توہین کی ہے" — روزینہ نے کہا — "اسے عبرت کا نشان بنا دو..... ہم یہاں بلا کر اسے سزا دلائیں گے۔ اسے زنجیروں میں باندھ کر یہاں سے بھیجیں گے۔ آپ اسے بازار میں سے گزارنا اور کسی چوک میں کھڑا کر کے لوگوں کو اکٹھا کر لینا اور اعلان کرنا کہ یہ سلطان کا باغی اور غدار ہے۔ اسے ابھی بلایا جائے"۔

"ہاں' اسے ابھی بلایا جائے" — سلطان برکیارق نے اپنی بیوی کا حکم دہرایا۔

○

جس وقت سپہ سالار حجازی سلطان برکیارق کی طرف چلا تھا اُس وقت نائب سپہ سالار اوریزی اپنے ٹھکانے کی طرف چلا گیا تھا۔ اس نے فوج کو واپس بارکوں میں بھیج دیا تھا۔ وہ جب وہاں سے چلا تو اس کے ساتھ چار پانچ آدمی اُس نفری میں سے تھے جسے فوج

Scanned by iqbalmt

میں سے نکل جانے کا حکم ملا تھا اور وہ ابھی تک خیموں میں رہتے تھے۔

"میرے رفیقو!" ——— سالار اوریزی نے ان چار پانچ آدمیوں سے کہا ——— "توقع تو یہ ہے کہ مجھے جلاد کے حوالے کیا جائے گا یا عمر بھر کے لئے قید خانے میں پھینک دیا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں مجھے پہلے قید خانے میں لے جائیں گے۔ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ میں تمہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا تو تم نے ان سابق فوجیوں کو اور شہر کے ہم خیال لوگوں کو اپنے ساتھ کس طرح ملانا ہے۔ ہم بہت سا کام تو کر ہی چکے ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تم میری قیادت سے محروم ہو جاؤ گے تو حوصلہ ہی نہ ہار بیٹھو"۔

"ہم آپ کی قیادت سے محروم نہیں رہیں گے" ——— ایک ادھیڑ عمر فوجی نے کہا ——— "ہمیں پوری امید ہے کہ ہم آپ کو جلاد تک پہنچنے ہی نہیں دیں گے"۔

سالار اوریزی نے انہیں کچھ ہدایات دینی شروع کر دیں۔

"میں راز کی ایک بات تمہیں آج بتا دیتا ہوں" ——— سالار اوریزی نے کہا ——— "سلطان ملک شاہ مرحوم کا دوسرا بیٹا محمد اور اس سے چھوٹا سنجر ہمارے ساتھ ہیں۔ اب میری گرفتاری کے بعد جو کچھ بھی ہو گا اس کی اطلاع محمد رے کے امیر ابو مسلم رازی تک پہنچائے گا۔ میں نہ ہوا تو ابو مسلم رازی تمہارا سالار اور قائد ہو گا"۔

سالار اوریزی اپنی ہدایات مکمل کر چکا تھا کہ اطلاع ملی کہ سلطان کا بلاوا آیا ہے۔

"میں جاتا ہوں" ——— سالار اوریزی نے اپنے آدمیوں سے کہا ——— "گھوڑے تیار کرو اور دو آدمی میرے محافظ بن کر میرے ساتھ چلو۔ سالار اپنے محافظ ساتھ لے جا سکتا ہے۔ مجھے اب سزا سنائی جائے گی جس کا دونوں محافظوں کو وہیں پتہ چل جائے گا۔ وہ وہاں سے کھسک آئیں گے اور یہاں بتائیں گے کہ مجھے کیا سزا سنائی گئی ہے، پھر تم لوگوں نے اپنی کارروائی کرنی ہے..... میں جا رہا ہوں، اللہ تمہارا مددگار ہے"۔

سالار اوریزی اپنے ان آدمیوں سے ہاتھ ملا کر باہر نکلا۔ دو محافظ تیار ہو چکے تھے۔ سالار اوریزی گھوڑے پر سوار ہوا۔ جب وہ حویلی کے بڑے دروازے کے سامنے سے گزرنے لگا تو اس کی بیوی اور ایک جوان بیٹی اس کے راستے میں آ گئیں۔ بیٹی نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"نہ جائیں!" ——— بیٹی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا ——— "ہمیں پتہ چل چکا ہے کہ

آپ کیا کر آئے ہیں۔ سلطان آپ کی جان بخشی نہیں کرے گا۔ یہیں سے کسی طرف بھاگ جائیں۔ ہم آپ کے پیچھے پہنچ جائیں گی"۔

"میں آپ کو یہاں سے نکلوا دیتی ہوں" ——— بیوی نے کہا ——— "سلطان کے سامنے نہ جائیں۔ وہ آپ کی وفا کی کوئی قیمت نہیں دے گا۔ وہ آپ کی گردن کٹوا دے گا"۔

بیٹی رو رو کر اسے روک رہی تھی لیکن اوریزی مسکرا رہا تھا۔

"پریشان نہ ہو بیٹی!" ——— سالار اوریزی نے بڑے پیار سے کہا ——— "میں جو کچھ کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو" ——— وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا ——— "میں جانتا ہوں تم بڑے ہی حوصلے اور جرأت والی عورت ہو۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں، سوچ سمجھ کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ کر کر رہا ہوں۔ اندر جاؤ اور میرے لئے دعا کرو"۔

ماں بیٹی روتی رہیں، اسے روکتی رہیں لیکن سالار اوریزی انہیں خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ دو محافظ اس کے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ بیٹی اور اس کی ماں نے ہاتھ پھیلا کر اور آسمان کی طرف دیکھ کر اس کی سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ ان کی آہوں اور ان کے آنسوؤں میں بھی دعائیں تھیں۔

وہ سلطان کے محل میں جا پہنچا اور اندر اطلاع پہنچائی۔ اسے "فوراً" بلا لیا گیا۔

○

سالار اوریزی جب سلطان برکیارق کے سامنے گیا تو جھکا نہیں بلکہ مسلمانوں کی طرح السلام علیکم کہا اور پوچھا کہ اس کے لئے کیا حکم ہے۔

سلطان نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا اور اسے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ تم نے دونوں جلادوں کو تیر اندازوں سے مروا دیا ہے؟" ——— سلطان نے اس سے پوچھا۔

"ہاں سلطانِ محترم!" ——— سالار اوریزی نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا ——— "جلادوں کو میں نے مروایا ہے"۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ان دو سپاہیوں کو میرے حکم سے سزائے موت دی جا رہی تھی؟" ——— سلطان برکیارق نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"معلوم تھا سلطانِ محترم!" ——— سالار اوریزی نے جواب دیا۔

"پھر تم نے میرے حکم کی تعمیل میں یہ رکاوٹ کیوں ڈالی؟" ——— سلطان نے گرج

Scanned by iqbalmt

کر پوچھا۔

"اس لئے کہ کسی کو سزائے موت دینے کا جو حکم اللہ نے دیا ہے' آپ نے اس حکم کے تقاضے پورے نہیں کئے تھے"..... سالار اوریزی نے کہا — "آپ ان دو معصوم اور بے گناہ سپاہیوں کو نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کو قتل کروا رہے تھے"۔

"یہاں میرا حکم چلتا ہے" — سلطان برکیارق نے اپنی ران پر بڑے زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"اور میں بحیثیت ایک مسلمان صرف اللہ کا حکم مانتا ہوں .... یہ سلطنت آپ کی نہیں' یہ اللہ کی دی ہوئی سلطنت ہے۔ اسلامی سلطنت میں صرف اسلامی قانون چلے گا۔ آپ مجھے حکم دیں کہ اپنے پیٹ میں تلوار گھونپ دو کہ اس سے سلطنت کو فائدہ پہنچے گا تو میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا"۔

"تم زبان دراز ہو" — روزینہ بولی — "اس سلطنت میں کوئی زبان دراز نہیں رہ سکتا۔ تم سالاری کے قابل نہیں"۔

"محترمہ!" — سالار اوریزی نے کہا — "یہ الموت نہیں' یہ مرو ہے۔ یہ باطنیوں کی نہیں مسلمانوں کی سلطنت ہے۔ یہاں حسن بن صباح کا حکم نہیں چلے گا"۔

"خاموش بدتمیز!" — سلطان برکیارق اور زور سے گرجا..... "میں تمہیں اس گستاخی کی ایسی سزا دوں گا کہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں گے"۔

"کان کھول کر سن لو سلطان!" — سالار اوریزی نے کہا — "میں جانتا ہوں کہ آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔ میں صرف اللہ سے ڈرتا ہوں۔ تمہارے جلّاد کے ہاتھوں سر کٹواؤں گا تو اللہ کے حضور سرخرو ہو جاؤں گا۔ میں صرف اللہ کے آگے جوابدہ ہوں"۔

"اس گستاخ' زبان دراز کو سالاری سے معزول کریں" — روزینہ نے کہا۔

"نہیں روزینہ!" — سلطان برکیارق نے کہا — "میں اسے صرف معزول نہیں کروں گا اسے اور بھی سزا دینی ہے"۔

"مجھے سالاری تم نے نہیں' تمہارے باپ نے دی تھی" — سالار اوریزی نے کہا — "تم مجھ سے سالاری چھین لو گے تو بھی میں اپنی قوم کا سالار ہی رہوں گا اور اس سلطنت کی عظمت اور بقا کے لئے اپنے فرائض پورے کرتا رہوں گا..... میں ان

شہیدوں کی روحوں کے آگے جوابدہ ہوں جن کا خون اس سلطنت کی بنیادوں میں ابھی تک تازہ ہے"۔

"میں اپنی اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتا" — سلطان برکیارق نے قہر آلود آواز میں کہا — "اور سن لو اوریزی!....."

"یہ عورت" — سالار اوریزی نے روزینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا — "یہ عورت سلطان کی سراپا توہین ہے۔ یہ آستین کا سانپ ہے" — پھر اس نے سپہ سالار حجازی کی طرف اشارہ کر کے کہا — "اور سلطان کی آستین میں دوسرا سانپ یہ شخص ہے۔ یہ تمہیں آنے والا وقت بتائے گا"۔

"سلطانِ عالی مقام!" — سپہ سالار حجازی تڑپ کر بولا — "اسے آپ مزید توہین کی اجازت نہ دیں اور اسے سزا سنا دیں"۔

"ہاں سلطان!" — روزینہ نے کہا — "اسے سزائے موت نہ دیں۔ عمر بھر کے لئے قید خانے میں ڈال دیں جہاں یہ گل سڑ کر مرے گا۔ مرنے سے پہلے اسے وقتاً فوقتاً باہر نکالیں اور بیڑیاں ڈال کر شہر کے لوگوں کے سامنے کھڑا کریں اور لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ ہے سزا باغی اور غدار کی"۔

سلطان برکیارق نے سالار اوریزی کو یہی سزا سنا دی اور کہا کہ اس کی تلوار اس سے لے لی جائے۔

سالار اوریزی نے اپنی تلوار اور نیام اتار کر سلطان کی طرف پھینک دی۔

"یہ لو تلوار سلطان!" — سالار اوریزی نے کہا — "میں اس وقت جہاد کے میدان میں اترا تھا جب تم ابھی ماں کا دودھ پی رہے تھے" — اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر کے کہا — "یہ ہاتھ تلوار سے کبھی خالی نہیں رہیں گے۔ جذبہ اور ایمان زندہ رہنا چاہئے۔ ان ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ خود تلوار دے گا"۔

سلطان برکیارق نے قہقہہ لگایا اور روزینہ کی طرف دیکھا۔ روزینہ بھی ہنس پڑی۔

"اس شخص کا دماغ اس کے قابو سے نکل گیا ہے" — سلطان برکیارق نے کہا — "میں اسے اس کال کوٹھڑی میں بھجوا رہا ہوں جہاں یہ ایک سال بھی زندہ نہیں رہے گا اور یہ کہتا ہے کہ اللہ اس کے ہاتھ میں تلوار دے گا..... او بدقسمت انسان! تلوار اگر کبھی تمہارے پاس آئی بھی تو وہ تمہارے ہاتھ میں نہیں بلکہ جلّاد کے ہاتھ میں ہو گی اور تمہارا

Scanned by iqbalmt

سر جھکا ہُوا ہو گا..... لے جاؤ اسے"۔

"ٹھہر جاؤ" — روزینہ نے کہا — "ہمارے سامنے اس کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ دو اور باہر لے جا کر اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو۔ پھر اسے گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں بلکہ پیدل لے کر جاؤ اور اتنا آہستہ چلنا کہ لوگوں کا ہجوم تمہارے پیچھے اکٹھا ہو جائے اور پھر اسے چوک میں کھڑا کر کے لوگوں کو بتانا کہ غداری اور بغاوت کی سزا یہ ہے اور پھر اسے چوک سے فوراً آگے نہ لے جانا۔ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے دیکھیں"۔

سپہ سالار حجازی دوڑتا باہر نکلا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ سلطان کے دو محافظ تھے انہوں نے زنجیریں اور بیڑیاں اٹھا رکھی تھیں جو اوریزی کو ڈال دی گئیں۔

"لے جاؤ اسے" — سلطان برکیارق نے کہا۔

"سلطان!" — سالار اوریزی نے مسکرا کر کہا — "میں واپس آؤں گا..... اِنشاء اللہ..... اُس وقت تم سلطان نہیں ہو گے"۔

○

سالار اوریزی کو جب باہر لایا گیا تو اس کے دونوں گھوڑ سوار محافظ ذرا دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔ اپنے سالار کو زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھا دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ اسے قید خانے میں لے جایا جا رہا ہے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔

زنجیر کا ایک سرا سپہ سالار حجازی کے ہاتھ میں تھا جو اس نے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔ اس نے بارہ گھوڑ سوار محافظ اپنے ساتھ لے لئے اور وہاں سے چل پڑا۔ آگے آگے وہ جا رہا تھا۔ اس کے گھوڑے کے ساتھ بندھا سالار اوریزی پیدل چلا جا رہا تھا اور پیچھے بارہ محافظ چل رہے تھے۔ سلطان کے محل سے نکل کر سپہ سالار حجازی اُس راستے پر ہو گیا جس راستے میں شہر کی آبادی زیادہ تھی۔ شہر کے کئی لوگ سالار اوریزی کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اوریزی کو زنجیروں میں بندھا لے جایا جا رہا ہے تو لوگ پہلے تو حیران ہوئے پھر پیچھے پیچھے چل پڑے۔ وہ محافظوں سے پوچھتے تھے کہ سالار اوریزی نے کیا جرم کیا ہے۔ محافظ لوگوں کو صرف یہی ایک جواب دیتے تھے کہ سالار اوریزی نے بغاوت اور غداری کی ہے۔

قید خانہ شہر سے باہر اور کچھ دُور تھا۔ اس کے اِرد گِرد گھنا جنگل تھا اور راستے میں تھوڑا سا علاقہ چٹانی بھی تھا۔ قید خانے تک باہر باہر سے جایا جا سکتا تھا لیکن سپہ سالار

حجازی اوریزی کو شہر میں لے گیا اور ایک ایسے چوک میں جا رکا جہاں چار بازار ملتے تھے۔ کچھ تو راستے میں لوگ پیچھے پیچھے چل پڑے تھے اور زیادہ تر بازار میں آنے والے لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے۔ سپہ سالار حجازی نے لوگوں سے کہا کہ اسے لمبی میز کی ضرورت ہے۔ ذرا سے وقت میں ایک لمبی اور مضبوط میز آ گئی۔ یہ میز چوک میں رکھ کر سالار اوریزی کو اس پر کھڑا کر دیا گیا اور حجازی خود گھوڑے سے اتر کر میز پر اوریزی کے پاس جا کھڑا ہُوا۔ اوریزی کی زنجیر اُس کے ہاتھ میں تھی۔ گھوڑ سوار محافظوں نے اپنی ترتیب اس طرح کر لی کہ دائرے میں ذرا دُور دُور کھڑے ہو گئے تاکہ لوگ آگے نہ جا سکیں۔

اگر اوریزی چور، ڈاکو یا قاتل ہوتا تو لوگ اُسے دیکھ کر ہنستے اور اس پر لعن طعن کرتے لیکن لوگ جانتے تھے کہ یہ سالار اوریزی ہے۔ اس لئے وہ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ اس سالار سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے۔

اسی صبح جب دو سابق فوجیوں کو سزائے موت دی جانے لگی تھی، شہر کے لوگوں کو پتہ چلا تو ایک ہجوم یہ تماشا دیکھنے پہنچ گیا تھا۔ وہ تو کوئی اور تماشا دیکھنے آئے تھے لیکن وہاں کوئی اور ہی تماشا ہو گیا۔ وہاں جلاد ہی مارے گئے اور لوگوں نے سالار اوریزی کو دیکھا کہ وہ گھوڑا دوڑاتا مرے ہوئے جلادوں کے پاس جا پہنچا اور اس نے مارے جانے والے دونوں آدمیوں کو آزاد کر دیا تھا۔ لوگ سمجھ نہ سکے تھے کہ یہ کیا ہُوا ہے۔ اب جس وقت وہ سالار اوریزی کو زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھا دیکھ رہے تھے، اُس وقت تک بیشتر لوگوں کو پتہ لگ چکا تھا کہ یہ دونوں آدمی بے گناہ تھے جنہیں سالار اوریزی نے رہا کروایا تھا۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں سالار اوریزی کا احترام پیدا ہو گیا تھا۔

سپہ سالار حجازی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ لوگ خاموش ہو گئے۔

"اس شخص کو اچھی طرح پہچانو یہ کون ہے" — سپہ سالار حجازی نے سالار اوریزی کی طرف اشارہ کر کے کہا — "اسے سلطانِ محترم نے عمر قید کی سزا دی ہے..... جانتے ہو کیوں؟..... یہ سلطان کا باغی اور غدار ہے..... یہ شخص قاتلوں کا ساتھی ہے۔ اس نے دو قاتلوں کو سزائے موت سے چھڑوانے کے لئے دو جلادوں کو قتل کروایا ہے۔ یہ فوج میں بغاوت پیدا کر رہا تھا"۔

"اور میرے ساتھ اس سپہ سالار کو بھی پہچان لو" — اوریزی نے ہنستے ہوئے کہا

Scanned by iqbalmt

—— "یہ عیاش سلطان برکیارق کا پجاری ہے۔ مجھے سلطان نے غدار نہیں کہا بلکہ اس کی باطنی بیوی نے کہا ہے..... یہ سپہ سالار ابو جعفر حجازی سلطان کی اس باطنی بیوی کے آگے سجدے کرتا ہے"۔

"خاموش رہ غدار!" —— حجازی نے اوریزی کو ڈانٹ کر کہا —— "اپنے گناہوں پر جھوٹ کا پردہ مت ڈال ورنہ یہیں زبان کھینچ لوں گا"۔

"بولنے دو اسے!" —— ہجوم میں سے کچھ آوازیں سنائی دیں —— "اسے بولنے دو..... ہمیں پتہ چلنے دو ہُوا کیا ہے"۔

سپہ سالار حجازی نے دیکھا کہ لوگوں کا ردِعمل اور رویہ کچھ اور ہے تو وہ ذرا دبک گیا۔ ہجوم اب شور شرابہ کرنے لگا تھا کہ اوریزی کو بولنے دیا جائے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ لوگوں کی ہمدردیاں اوریزی کے ساتھ ہیں۔

"میں نے آج صبح دو بے گناہوں کو جلادوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا ہے" —— اوریزی نے بلند آواز میں کہا —— "انہیں ایک فوجی عہدیدار کا قاتل نہ ملا تو سلطان نے بلکہ سلطان کی بیوی نے یہ فیصلہ سنایا کہ سابق فوجیوں میں سے کوئی دو فوجی پکڑ لئے جائیں اور ان کی گردنیں کاٹ دی جائیں اور لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ یہ دو آدمی قاتل تھے"۔

"اے لوگو!" —— سپہ سالار حجازی نے کہا —— "اس کی مت سنو' یہ تو دھتکارا ہُوا مجرم ہے"۔

لوگ شور بپا کئے جا رہے تھے۔ سپہ سالار حجازی کے لئے حکم تھا کہ اوریزی کو زیادہ سے زیادہ دیر چوک میں کھڑا رکھا جائے۔ مقصد اس کی تذلیل تھا۔ خود حجازی بھی یہی چاہتا تھا کہ اوریزی کو خوب ذلیل و خوار کیا جائے لیکن اب لوگوں نے کچھ اور ہی انداز سے واویلا بپا کر دیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اوریزی کو فوراً" قید خانے تک پہنچا دیا جائے لیکن وہ روزینہ سے ڈرتا تھا کہ اسے پتہ چل گیا کہ اوریزی کو زیادہ دیر چوک میں کھڑا نہیں رکھا گیا تو وہ ناراض ہوگی۔

"اے اہلِ اسلام!" —— سالار اوریزی نے بڑی بلند آواز میں کہا —— "اس اسلامی سلطنت کی حفاظت کے لئے بیدار اور چوکس ہو جاؤ۔ حسن بن صباح آ رہا ہے۔ اس شہر میں باطنی چلے آ رہے ہیں۔ وہ تخریب کاری کے لئے آئے ہیں اور آ رہے ہیں۔ سلطنت

کی اصل حکمران ایک باطنی عورت ہے اور سلطان برکیارق برائے نام سلطان ہے۔ اس سلطنت سے عدل و انصاف اٹھ گیا ہے"۔

اُس وقت جب سالار اوریزی کو چوک میں کھڑا کر کے ذلیل و رسوا کیا جا رہا تھا' اس سے کچھ دیر پہلے سلطان برکیارق کی ماں اور اس کے دوسرے دونوں بیٹوں محمد اور سنجر کو پتہ چلا کہ سالار اوریزی کو یہ سزا دی گئی ہے اور اس کا اصل جرم کیا ہے۔ محمد اور سنجر تو خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے لیکن ان کی ماں سے نہ رہا گیا۔ وہ غصے سے اٹھی اور باہر نکلی۔ ایک خادم آ رہا تھا۔ اس نے برکیارق کی ماں کو دیکھا تو رک گیا۔

"مادرِ سلطان!" —— اس خادم نے کہا —— "میں بازار سے آ رہا ہوں۔ سالار اوریزی کو سپہ سالار حجازی نے چوک میں کھڑا کر رکھا ہے اور وہاں لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں"۔

"تو اس بیچارے کو ذلیل بھی کیا جا رہا ہے؟" —— ماں نے حیرت سے کہا۔

وہ اپنے بیٹے سلطان برکیارق کے کمرے کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتی چل پڑی۔

"ہے کہاں میرا بے غیرت بیٹا!" —— ماں کہتی چلی جا رہی تھی —— "میں نے تو حلال کا جنا تھا۔ اس کے باپ کو دھوکا نہیں دیا تھا۔ میں نے اپنی اولاد کے خون میں ملاوٹ نہیں کی تھی" —— اس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی —— "کیا اس نے اوریزی کو گرفتار کر لیا ہے؟..... یہ اس باطنی چڑیل کا کام ہے"۔

روزینہ اپنے کمرے میں تھی۔ اسے برکیارق کی ماں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ اسے برکیارق کی ماں آتی نظر آئی۔ روزینہ نے بڑی تیزی سے ایک طرف جا کر دربان کو بلایا۔

"اسے روک لو" —— روزینہ نے دربان سے کہا —— "کہنا سلطان سو رہے ہیں.... اسے اندر نہ آنے دینا"۔

دربان برکیارق کی ماں کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور اسے روک دیا۔ یہ بھی کہا کہ سلطان کی طبیعت ٹھیک نہیں اور وہ سو رہے ہیں لیکن ماں نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا اور آگے کو چل پڑی۔

روزینہ بہت ہی چالاک لڑکی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ماں رک نہیں رہی تو وہ دوڑتی

Scanned by iqbalmt

باہر نکلی اور برکیارق کی ماں کے آگے جا کھڑی ہوئی اور بڑے پیار سے اس سے پوچھا کہ وہ کیوں اتنے غصے میں ہیں؟

"کیا تمہارے دربان مجھے روک لیں گے؟" ــــ ماں نے غصے کے عالم میں کہا۔

روزینہ نے دربان کو ڈانٹ کر کہا کہ اس نے انہیں کیوں روکا ہے؟ کیا وہ بھول گیا ہے کہ یہ عظیم خاتون کون ہیں؟..... دربان خاموش کھڑا روزینہ کا منہ دیکھتا رہا۔

"کیا برکیارق سویا ہوا ہے؟" ــــ ماں نے روزینہ سے پوچھا۔

"اگر وہ سوئے ہوئے ہیں تو بھی آپ کے لئے جاگ اٹھیں گے" ــــ روزینہ نے احترام کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ــــ "آپ میرے کمرے میں آ کر بیٹھیں، میں انہیں اٹھا کر یہیں لے آؤں گی"۔

ماں روزینہ کی باتوں میں آ گئی اور اس کے ساتھ اس کے کمرے میں جا بیٹھی۔

روزینہ کمرے سے نکل گئی اور سلطان برکیارق کے پاس چلی گئی۔ اسے بتایا کہ اس کی ماں واہی تباہی بکتی آئی ہے اور اس نے ماں کو دوسرے کمرے میں ذرا ٹھنڈا کر کے بٹھا لیا ہے۔

"تو میں اس کا کیا علاج کروں؟" ــــ برکیارق نے پوچھا۔

"وہ ماں ہے" ــــ روزینہ نے کہا ــــ "اس کا احترام ہم پر فرض ہے لیکن وہ ایک باغی اور غدار سالار کا ساتھ دے رہی ہے۔ آپ سلطنت کے مفاد کو دیکھیں گے یا ماں کے احترام کو؟"

"میں تو سلطنت کے مفاد کو پہلے دیکھوں گا" ــــ برکیارق نے کہا ــــ "تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں ماں کے سامنے جاؤں یا نہ جاؤں"۔

"آپ یہاں سے ادھر ادھر ہو جائیں تو اچھا ہے" ــــ روزینہ نے کہا۔

ادھر محمد اور سنجر کو پتہ چلا کہ ان کی ماں بڑے غصے میں برکیارق کی طرف گئی ہے تو انہیں فکر ہوا کہ برکیارق اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گا۔ دونوں ماں کے پیچھے دوڑ پڑے۔ وہاں انہیں بتایا گیا کہ ان کی ماں فلاں کمرے میں ہے۔ وہ دونوں اس کمرے میں گئے تو ماں کو بڑے غصے میں ٹہلتے دیکھا۔

"چلو ماں!" ــــ محمد نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا ــــ "یہاں آپ کیا لینے آئی ہیں؟ آپ کے اس بیٹے کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا"۔

"میں اس کا دماغ ٹھیک کرنے آئی ہوں" ــــ ماں نے کہا..... "میں نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا؟"

"ہم دونوں بھائی کریں گے" ــــ محمد نے کہا ــــ "ہم نے انتظام کر دیا ہے۔ آپ یہاں سے چلیں"۔

ماں جانے پر راضی نہیں ہو رہی تھی۔ محمد اور سنجر کی بہت سی باتوں اور منت سماجت کے بعد وہ اس پر راضی ہوئی کہ وہ اسی کمرے میں بیٹھی رہے گی اور دونوں بھائی برکیارق کے پاس جائیں گے۔

"میں اس کے پاس کیوں نہ جاؤں؟" ــــ ماں نے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں آپ کیوں نہ جائیں" ــــ سنجر بولا ــــ "اگر ہمارے اس بڑے بھائی برکیارق نے ہمارے سامنے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی تو میں اسے یہیں ختم کر دوں گا۔ کیا آپ اپنے ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے کے ہاتھوں مروانا پسند کریں گی؟"

وہ آخر ماں تھی۔ اس پر سنجر کی اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ اس کا منہ ذرا سا کھل گیا اور آنکھیں ٹھہر گئیں۔ وہ آہستہ سے بیٹھ گئی اور اس نے سر سے اشارہ کیا کہ تم جاؤ میں یہیں بیٹھوں گی۔

محمد اور سنجر برکیارق سے ملنے کمرے سے نکل گئے۔ ماں اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر رونے لگی۔ اس نے آہ لے کر کہا "یہ وقت بھی دیکھنا تھا"

"آؤ..... بیٹھو" ــــ برکیارق نے اپنے بھائیوں سے کہا اور پوچھا ــــ "ماں کو کیا ہو گیا ہے؟..... سنا ہے وہ چیختی چلاتی یہاں آئی ہے۔ وہ پاگل تو نہیں ہو گئی؟"

"ابھی ہوئی تو نہیں بھائی جان!" ــــ محمد نے کہا ــــ "ہو جائے گی"۔

"جلدی پاگل ہو جائے گی" ــــ سنجر نے کہا۔

"ابھی تو وہ مجھے پاگل سمجھتی ہے" ــــ برکیارق نے کہا ــــ "اب وہ کیا کہنے آئی ہیں؟"

"وہ سلطنت کی تباہی کو برداشت نہیں کر سکتی" ــــ محمد نے پُر اعتماد اور دو ٹوک لہجے میں کہا ــــ "سالار اوریزی کو آپ نے یہ سزا دے کر اچھا نہیں کیا"۔

"کیوں روزینہ!" ــــ برکیارق نے روزینہ کی طرف دیکھ کر کہا ــــ "انہیں بتاؤ کہ اوریزی نے کیا جرم کیا ہے"۔

Scanned by iqbalmt

"ہم آپ کے ساتھ بات کرنے آئے ہیں بھائی جان!" — سنجر نے کہا۔

"تم ابھی بہت چھوٹے ہو سنجر!" — برکیارق نے کہا — "سلطنت کے کاموں کو ابھی تم نہیں سمجھ سکتے"۔

"لیکن میں ایک بات سمجھ سکتا ہوں" — سنجر نے کہا — "جو مرد اپنی بیوی کا غلام ہو کر اپنے گھر کے سارے معاملات اور فیصلے اُس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے' اُس کے گھر میں تباہی' ذلت اور خواری کے سوا کچھ نہیں رہتا لیکن آپ نے گھر کے نہیں بلکہ اتنی بڑی سلطنت کے معاملات اور فیصلے اپنی بیوی کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ایک قابل' تجربہ کار اور جذبے والا سالار ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے اور اسے عمر قید دے دی گئی ہے"۔

"تم دونوں بھائی میری ایک بات غور سے سن لو" — برکیارق نے کہا — "روزینہ میرا دماغ ہے۔ میرے کان اور میری آنکھیں بھی روزینہ ہے....."

"سلطانِ محترم!" — محمد نے کہا — "یہ بات آپ فخر سے نہ کہیں۔ یوں کہیں کہ اللہ نے آپ کے دماغ پر مہر لگا دی ہے اور ایک مشکوک لڑکی کے ہاتھوں آپ کی سوچنے کی طاقت ختم کر ڈالی ہے۔ آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھ چکی ہے"۔

"کیا بک رہے ہو محمد!" — برکیارق نے ڈانٹ کر کہا۔

"میں بک نہیں رہا" — محمد نے کہا — "میں وہ بات کہہ رہا ہوں جو اللہ نے قرآن میں کہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُن گناہگار لوگوں پر جو اپنے گناہوں پر فخر کرتے ہیں اللہ نے یہ لعنت نازل کی ہے کہ ان کے دماغوں' کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے..... آپ نے اپنے اوپر شیطان کو مسلط کر لیا ہے"۔

"آپ کی آنکھیں اُس وقت کھلیں گی جب سلطنتِ سلجوقیہ پر باطنیوں کا قبضہ ہو چکا ہو گا" — سنجر نے کہا۔

"آپ کی جگہ حسن بن صباح بیٹھا ہُوا ہو گا" — محمد نے کہا — "اور آپ کی لاش بھی نہیں ملے گی اور یہاں آپ کی اس بیگم کی حکمرانی ہو گی۔ اپنی آنکھوں سے پٹی کھولیں بھائی جان!"

"میں یہاں سے چلی جاتی ہوں" — روزینہ نے منہ بسور کر کہا — "ان لوگوں کو میرا وجود اچھا نہیں لگتا"۔

روزینہ دروازے کی طرف چل پڑی۔ سلطان برکیارق اُس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ دروازے سے نکل گئی اور اپنے کمرے میں پلنگ پر اوندھے منہ گر کر رونے لگی۔ برکیارق بے تاب ہو کر اسے منانے بیٹھ گیا لیکن روزینہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ آخر برکیارق نے اسے اٹھا لیا۔

"میری وجہ سے آپ کی ماں آپ کے خلاف ہو گئی ہے" — روزینہ نے کہا — "آپ کے بھائی آپ کے دشمن ہو گئے ہیں۔ مجھے آپ کی اور اس سلطنت کی سلامتی چاہئے۔ میں تارک الدنیا ہو کر کسی غار میں جا بیٹھوں گی اور آپ کے لئے اور آپ کی سلطنت کے لئے دعا کرتی رہا کروں گی"۔

برکیارق اتنی بڑی سلطنت کا سلطان تو بن گیا تھا لیکن وہ نہ سمجھ سکا کہ چالاک اور عیار عورت جب چاہے اپنے آنسو نکال سکتی ہے۔ یہ تو قلعہ الَموت کی تربیت یافتہ لڑکی تھی۔

"تم بتاؤ میں کیا کروں" — برکیارق نے کہا — "جو فیصلہ تم کرو گی میں اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کو سنا دوں گا"۔

"میری اپنی کوئی خواہش نہیں" — روزینہ نے کہا — "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ سلطنت کے معاملات میں پوری دلچسپی لیں اور اسی طرح فیصلے کرتے رہیں جس طرح آپ نے اس سالار کو سزا سنائی ہے۔ میں تو آپ کو روحانی سکون دے رہی ہوں مگر آپ کی ماں اور بھائی یہ سکون تباہ کر رہے ہیں۔ یہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا"۔

"پھر تم چپ رہو" — برکیارق نے کہا — "اگر میری ماں کا منہ بند نہ ہُوا تو میں اسے نظر بند کر دوں گا"۔

روزینہ کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا اور برکیارق کی جان میں جان آئی۔

"اپنے بھائیوں کو چلتا کریں" — روزینہ نے کہا — "انہیں کہیں کہ وہ ایک باغی اور غدار سالار کی حمایت نہ کریں ورنہ تمہیں بھی وہیں پہنچا دیا جائے گا جہاں اسے پہنچا دیا گیا ہے"۔

سلطان برکیارق لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس کمرے میں گیا جہاں وہ اپنے دونوں بھائیوں کو بیٹھا چھوڑ گیا تھا۔ بھائی وہاں نہیں تھے۔ وہ اُس کمرے میں گیا جہاں اُس کی ماں بیٹھی تھی۔ ماں بھی جا چکی تھی۔

Scanned by iqbalmt

○

سالار اوریزی کو ابھی تک چوک میں کھڑا رکھا ہُوا تھا۔ سپہ سالار ابو جعفری حجازی نے اسے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔

"سپہ سالار حجازی جھوٹ کہہ رہا ہے" —— ایک آواز اٹھی۔

"سپہ سالار خود غدار ہے" —— ایک اور آواز۔

"ہم انصاف چاہتے ہیں" —— دو تین آوازیں اٹھیں۔

اور ہجوم میں ایک بار پھر شور و غوغا شروع ہو گیا۔ حجازی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار آ گئے اور وہ اِدھر اُدھر، آگے اور پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے محافظوں نے برچھیاں تان لی تھیں اور وہ لوگوں کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔

ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آ رہا تھا۔ لوگوں نے اُدھر دیکھا۔ گھوڑے پر کوئی عورت سوار تھی اور اس کے ہاتھ میں سلطنتِ سلجوقیہ کا پرچم تھا جس پر چاند اور ستارے کا نشان تھا۔ گھوڑا اسی رفتار سے چلا آ رہا تھا۔ ہجوم نے اسے راستہ دے دیا۔ گھوڑا دونوں سالاروں کے پاس جا رکا۔ سوار عورت بڑی تیزی سے گھوڑے سے اتری اور اُس میز پر چڑھ گئی جس پر دونوں سالار کھڑے تھے۔ عورت نے اپنا نقاب اٹھا دیا..... وہ سلطان برکیارق کی ماں تھی۔

"میرے عزیز لوگو!" —— برکیارق کی ماں نے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر کہا —— "اس پرچم کو دیکھو۔ یہ پرچم تمہارے ایمان اور دین کی علامت ہے۔ یہ پرچم تمہاری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا نشان ہے۔ یہ پرچم اس اسلامی سلطنت کی عصمت ہے۔ آج حسن بن صباح کے باطنی اس پرچم کو پامال کرنے کے لئے تمہارے درمیان آ گئے ہیں۔ انہیں پہچانو۔ اچھے اور بُرے کو پہچانو..... مجھے پہچانو..... میں تمہاری ماں ہوں..... سلطان ملک شاہ کو یاد کرو۔ اُس کے ایمان اور جذبے کو یاد کرو۔ بھول جاؤ کہ میرا بیٹا سلطان ہے۔ میں اس ناخلف انسان کو اپنا بیٹا کہنے سے شرماتی ہوں۔ میرے بیٹے تم ہو۔ میرا بیٹا ایک باطنی چڑیل کے قبضے میں آ گیا ہے۔ اسلام کو حسن بن صباح کی گدھوں اور چیلوں نے نوچنا شروع کر دیا ہے..... سلطنتِ سلجوقیہ کی جس فوجی طاقت پر ہم سب کو اور تم سب کو ناز تھا، اس فوجی طاقت کو توڑا جا رہا ہے۔ تمہارے سالار اوریزی کو اس

جرم میں قید میں ڈالا جا رہا ہے کہ یہ اس فوجی طاقت کو نہ صرف قائم رکھنا چاہتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کر رہا تھا۔ قید میں اس سپہ سالار حجازی کو ڈالنا چاہئے....."

"محترم ماں!" —— سپہ سالار حجازی نے برکیارق کی ماں کو بازو سے پکڑ کر کہا —— "سلطان برکیارق کا حکم بڑا ہی سخت ہے۔ آپ خاموش....."

"چھوڑ دے میرا بازو خوشامدی غلام!" —— برکیارق کی ماں نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا —— "میرے عزیز لوگو! میری بات غور سے سن لو..... تمہارے درمیان افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ حسن بن صباح قلعہ الموت میں بیٹھا تمہیں آپس میں لڑا رہا ہے..... اگر تم نے آنکھیں نہ کھولیں اور اپنی عقل استعمال نہ کی تو یہاں بھائی بھائی کی گردن کاٹے گا۔ بھول جاؤ کہ سلطان میرا بیٹا ہے میں کہہ چکی ہوں کہ میں اس سلطنت کی ماں ہوں، میں تمہاری ماں ہوں..... اوریزی ابھی تک سالار ہے، یہ مجرم نہیں....."

اس کے بعد برکیارق کی ماں بولتی رہی لیکن اس کی آواز ہجوم کے شور و غل میں دب گئی۔ ہجوم بھڑک اٹھا تھا۔ لوگ ایسے جوش میں آ گئے تھے کہ سپہ سالار حجازی کو اپنا انجام کچھ اور ہی نظر آنے لگا۔

اس شور و غل میں سپہ سالار حجازی نے اپنے قریب کھڑے محافظ سے کچھ کہا۔ محافظ نے پیچھے سے اوریزی کو کمر سے دبوچا اور اسے اٹھا کر قریب کھڑے ایک گھوڑے پر بٹھا دیا پھر خود اس گھوڑے پر اوریزی کے پیچھے سوار ہُوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سپہ سالار حجازی میز سے کود کر اترا اور ایک محافظ کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس نے محافظوں کو کوئی حکم دیا۔

تمام محافظوں نے گھوڑے دوڑا دیئے اور برچھیاں آگے کر لیں۔ تمام لوگ گھوڑوں اور برچھیوں سے ڈر گئے اور ایک طرف ہو گئے اور اس طرح سپہ سالار حجازی اور اس کے محافظ سالار اوریزی کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

○

پہلے تو محافظوں نے ہجوم کو پیچھے روک رکھا تھا، جب محافظ وہاں سے نکل بھاگے تو ہجوم برکیارق کی ماں کے قریب آ گیا۔ اس خاتون نے ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ ہر کوئی سالار اوریزی کا حامی ہو گیا تھا۔

محمد اور سنجر کو کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ ان کی ماں باہر کہیں چلی گئی ہے۔ وہ اسے

Scanned by iqbalmt

ڈھونڈنے لگے تو اصطبل سے پتہ چلا کہ ان کی ماں ایک گھوڑا نکلوا کر اور پرچم ہاتھ میں لے کر کہیں چلی گئی ہے۔ سب کا خیال یہی تھا کہ وہ اُس چوک میں ہی گئی ہو گی جہاں سالار اوریزی کو تذلیل کے لئے کھڑا کیا گیا ہو گا۔

محمد اور سنجر نے گھوڑے لئے، ان پر سوار ہوئے اور چوک کی طرف گھوڑے دوڑا دیئے۔ ان کی ماں وہیں تھی اور ہجوم نعرے لگا رہا تھا۔ دونوں بھائی اُس میز پر چڑھ گئے جس پر ان کی ماں کھڑی تھی۔ انہوں نے ماں سے کہا کہ وہ واپس چلے۔

"اے ایمان والو!" ـــــ ماں نے اپنے ایک پہلو میں محمد کو اور دوسرے پہلو میں سنجر کو کھڑا کر کے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور بلند آواز سے کہا ـــــ "میں اپنے یہ دونوں بیٹے اس اسلامی سلطنت پر قربان کر دوں گی"۔

محمد نے لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے اس جوش و خروش کو قابو میں رکھیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ اس نے کہا کہ ہم حسن بن صباح کو ختم کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی ہے کہ حسن بن صباح ہمیں ختم کرنے کا بندوبست کر چکا ہے۔

یہ کہہ دینا تو آسان تھا کہ باطنی شہر میں پھیلتے جا رہے ہیں لیکن یہ معلوم کرنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن تھا کہ شہر کے لوگوں میں باطنی کون کون ہیں۔ بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مرو کا شہر حسن بن صباح کی گرفت میں آ گیا تھا اور اس شہر میں خون خرابہ "تقریباً" شروع ہو گیا تھا۔ محمد اور سنجر اپنی ماں کو ساتھ لے کر چلے گئے۔

سپہ سالار ابو جعفر حجازی سالار اوریزی کو اپنے محافظوں کے ساتھ لے کر سرپٹ دوڑتے گھوڑوں پر شہر سے نکل گیا۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ تعاقب میں کوئی بھی نہیں آ رہا تھا۔ اسے تعاقب کا کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ اس کے محافظ تلواروں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ شہری تعاقب کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی اس کے دل پر یہ اندیشہ سوار ہو گیا تھا کہ شہری بھڑک اٹھے تھے اور اس کے خلاف ہو گئے تھے۔

اس نے محافظوں کو گھوڑے آہستہ کرنے کا حکم دیا۔ قید خانہ ابھی دور تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہو گئے تھے۔ اوریزی زنجیروں میں بندھا ایک محافظ کے آگے بیٹھا بالکل خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر افسوس اور تذبذب کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا۔ آگے علاقہ چٹانی آ گیا۔ راستہ ان چٹانوں کے درمیان سے بل کھاتا گزرتا تھا۔ یہ قافلہ اس راستے پر

چلا چٹانوں کے اندر گیا تو اچانک دائیں بائیں سے بہت سے آدمی جو تلواروں اور برچھیوں سے مسلح تھے، ان پر ٹوٹ پڑے۔ حملہ آوروں نے دو تین محافظوں کو تو پہلے حملے میں ہی گھائل کر کے گھوڑے سے گرا دیا۔ جن پر حملہ ہُوا تھا وہ کوئی اناڑی نہیں تھے، وہ تجربہ کار محافظ تھے جنہیں جانیں قربان کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ فوج سے منتخب کئے گئے تھے۔

وہاں لڑنے کے لئے جگہ تنگ تھی۔ محافظوں کے لئے مشکل یہ تھی کہ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور پینترے بدلنے کے لئے گھوڑوں کو تیزی سے موڑنا اور آگے پیچھے کرنا مشکل تھا۔ حملہ آور پیادہ تھے۔ محافظوں نے جم کر لڑنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ گھوڑوں سے اتر آئے۔

سپہ سالار حجازی نے بلند آواز سے حکم دیا کہ اوریزی کو حفاظت میں لئے رکھو، اسے بھاگنے نہ دینا..... وہ تو زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھا ہُوا تھا۔ وہ بھاگ نہیں سکتا تھا لیکن حجازی یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ حملہ اوریزی کو آزاد کرانے کے لئے ہُوا ہے۔ چار پانچ محافظوں نے سالار اوریزی کو گھوڑے سے اتار کر ایک جگہ گرا دیا اور وہ سب اس کے اردگرد کھڑے ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے لگے۔ حملہ آوروں کی تعداد محافظوں سے خاصی زیادہ تھی لیکن کسی ایک محافظ نے بھی پیٹھ دکھانے کی نہ سوچی۔

"میرے شیرو!" ـــــ سپہ سالار حجازی کی آواز گرجی ـــــ "قیدی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اسے قید خانے تک پہنچا دو گے تو تمہیں جھولیاں بھر کر انعام دلواؤں گا"۔

محافظوں کے لئے سالار اوریزی بڑی ہی قیمتی چیز بن گیا تھا۔ وہ اسی کے قریب رہنے کی کوشش کرتے اور لڑ رہے تھے۔ اوریزی کو انہوں نے ایک چٹان کے دامن میں بٹھا دیا تھا۔ دو تین حملہ آور اس چٹان پر چڑھ گئے۔ چٹان اونچی نہیں تھی۔ حملہ آوروں نے اوپر سے محافظوں کو برچھیاں ماریں لیکن چٹان کے پہلوؤں کی طرف سے محافظوں نے اوپر جا کر حملہ آوروں کو گرا لیا۔

"لڑتے ہوئے مر جاؤ" ـــــ سپہ سالار حجازی کی آواز ایک بار پھر گرجی ـــــ "اگر قیدی تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو سلطان تم سب کو سزائے موت دے گا"۔

حملہ آور پیچھے ہٹ گئے اور کچھ دیر کے لئے یہ خونریز لڑائی تھم گئی۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ حملہ آور بھاگ گئے ہیں یا چٹانوں میں چھپ گئے ہیں۔ حجازی نے محافظوں کو اکٹھا

Scanned by iqbalmt

کر لیا۔ وہ ابھی نکل نہیں سکتا تھا۔ اس نے محافظوں کو گنا تو پانچ محافظ کم ہو گئے تھے۔ وہ شدید زخمی ہوئے یا مارے گئے تھے۔ حملہ آوروں میں سے بھی کچھ کم ہو گئے تھے۔

حملہ آور چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ محافظ اپنے گھوڑوں کو پکڑ کر لے آئے اور چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ اچانک ایک طرف سے پانچ چھ حملہ آور دوڑتے ہوئے آئے۔ محافظوں نے گھوڑوں کو چھوڑا اور حملہ آوروں کے مقابلے کو آگے بڑھے۔ حملہ آور لڑتے ہوئے اس طرح پیچھے ہٹنے لگے جیسے وہ محافظوں کی تلواروں اور برچھیوں اور ان کے جوش و خروش کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں۔

پیچھے ہٹتے ہٹتے آدھے حملہ آور ایک چٹان سے ایک طرف مڑ گئے اور باقی ذرا پیچھے جا کر دوسری طرف مڑ گئے اور بھاگنے لگے۔ محافظ ان کے پیچھے دوڑے۔

ادھر جہاں اوریزی کو بٹھایا گیا تھا' وہاں ایک سپہ سالار حجازی تھا اور اس کے ساتھ صرف ایک محافظ تھا۔

"اس قیدی کو میں ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا" — سپہ سالار حجازی نے محافظ سے کہا — "اگر ان لوگوں نے ہمارا پیچھا نہ چھوڑا تو میں اسے یہیں قتل کر دوں گا۔ سلطان یقیناً خوش ہو گا"۔

سالار اوریزی حجازی کی یہ بات سن رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر خوف کا نام و نشان نہ تھا بلکہ وہ مسکرا رہا تھا۔ حجازی نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں اوریزی!" — حجازی نے طنزیہ لہجے میں کہا — "مسکراتے ہوئے جان دے دو تو بڑا ہی اچھا ہے"۔

سالار اوریزی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتا اور مسکراتا رہا منہ سے کچھ نہ بولا۔

اچانک قریب سے ہی چار پانچ حملہ آور نکلے اور انہوں نے ہلہ بول دیا۔ حجازی کے ہاتھ میں تلوار تھی اور وہ کچھ لڑا بھی تھا لیکن اب وہ بھاگ اٹھا اور قریب کھڑے گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے ایڑ لگا دی۔ پیچھے جو محافظ رہ گیا تھا اسے وہیں کاٹ دیا گیا۔

حملہ آوروں نے اوریزی کو اٹھایا اور ایک گھوڑے پر ڈال دیا۔ اس کے پیچھے ایک حملہ آور سوار ہو گیا اور اس نے گھوڑا دوڑا دیا۔

حملہ آوروں نے بڑی اچھی چال چلی تھی۔ وہ ایک طرف سے آئے اور محافظوں

سے لڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے ہٹتے محافظوں کو اپنے ساتھ چٹانوں کے اندر لے گئے۔ پیچھے میدان صاف تھا۔ حملہ کرنے اور اوریزی کو اڑا لے جانے کے لئے آدمی موجود تھے۔ ان کی یہ چال کامیاب رہی۔

دو یا تین محافظ بچ کر نکلے ہوں گے۔ وہ پیدل بھاگے تھے۔ باقی شدید زخمی ہوئے اور مارے بھی گئے تھے۔ ان کے گھوڑے پیچھے رہ گئے تھے۔

○

سلطان برکیارق کو دربان نے اطلاع دی کہ سپہ سالار حجازی آیا ہے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے فوراً "اندر بھیجا جائے۔

حجازی جب سلطان برکیارق کے سامنے گیا تو شکست اور شرمساری اس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"آپ اتنے بوڑھے تو نہیں ہو گئے!" — برکیارق نے مسکراتے ہوئے کہا — "لیکن تھکن آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ کیا ایک قیدی کو قید خانے تک پہنچانا لڑائی سے زیادہ بڑی مشقت ہے؟"

"سلطان عالی مقام!" — سپہ سالار حجازی نے تھکی تھکی اور ہاری ہوئی آواز میں کہا — "میں لڑائی میں سے ہی نکل کر آیا ہوں"۔

"کیسی لڑائی؟" — برکیارق نے پوچھا — "کیا قید خانے کے عملے کے ساتھ لڑائی ہو گئی تھی..... کیا وہ قیدی کو وصول نہیں کر رہے تھے؟..... کس سے لڑائی لڑی ہے؟"

"ہم قید خانے کے قریب پہنچ گئے تھے" — حجازی نے کہا — "ہم جب چٹانوں میں سے گزر رہے تھے تو ہم پر آگے سے' پیچھے اور دائیں بائیں سے حملہ ہو گیا۔ حملہ آور تعداد میں زیادہ تھے۔ ان کے پاس تلواریں اور برچھیاں تھیں اور....."

"مجھے صرف ایک بات بتاؤ" — سلطان برکیارق نے پوچھا — "کیا اوریزی کو اُسی کوٹھڑی میں بند کر آئے ہو یا نہیں؟"

حجازی کی زبان ہل نہ سکی۔ اس نے اپنا سر نفی میں ہلایا اور سر جھکا لیا۔

"پھر کہاں ہے اوریزی؟" — روزینہ جو اس وقت تک خاموش تھی' بولی — "کیا اسے جنگل میں پھینک آئے ہو؟"

"نہیں!" — سپہ سالار حجازی نے کہا — "اسے حملہ آور لے گئے ہیں۔

Scanned by iqbalmt

"پھر تم زندہ میرے پاس کیوں آئے ہو؟" —— سلطان برکیارق نے گرج کر کہا اور پوچھا —— "باقی محافظ کہاں ہیں؟"

"صرف ایک میرے ساتھ آیا ہے" —— سپہ سالار حجازی نے کہا —— "باقی شاید زندہ نہیں"۔

"حملہ آور کون تھے؟" —— سلطان برکیارق نے پوچھا —— "کیا تم نے کسی کو پہچانا نہیں؟"

"میں صرف شک میں بات کر سکتا ہوں سلطانِ محترم!" —— سپہ سالار حجازی نے جواب دیا —— "مجھے شک ہے کہ حملہ آور اُن فوجیوں میں سے تھے جنہیں فوج سے نکال کر ابھی خیموں میں رکھا ہُوا ہے..... میرے ساتھ جو محافظ آیا ہے' وہ کچھ وثوق کے ساتھ بات کرتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے اندر بلا لوں"۔

سلطان برکیارق کے اشارے پر حجازی باہر گیا اور اس محافظ کو ساتھ لے آیا۔

"کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا تھا؟" —— سلطان برکیارق نے محافظ سے پوچھا۔

"ہاں عالی جاہ!" —— محافظ نے جواب دیا —— "وہ ہمارے اُن ساتھیوں میں سے تھے جنہیں فوج میں سے نکالا جا رہا ہے..... میں نے تین کو تو پہچان لیا تھا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ باقی بھی وہی ہوں گے جو فوج سے نکالے گئے ہیں"۔

سپہ سالار حجازی نے سلطان برکیارق سے اجازت لے کر اس محافظ کو باہر بھیج دیا۔

"سلطانِ عالی مقام!" —— سپہ سالار حجازی نے کہا —— "پیشتر اس کے کہ آپ مجھے سزا دیں یا کوئی اور حکم دیں' میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں لیکن کہنے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ میری بات کا تعلق آپ کی محترمہ والدہ اور بھائیوں کے ساتھ ہے"۔

"جو کہنا ہے صاف صاف کہو" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "میں سنوں گا۔ مجھے صرف سلطنت کے مفاد کا خیال ہے۔ میری ماں ہے یا بھائی' ان کا درجہ سلطنت کے بعد ہے۔ ان کے متعلق انتہائی بُری اور توہین آمیز بات کرو گے تو میں وہ بھی سنوں گا۔ مجھے صحیح صورتِ حال معلوم ہونی چاہئے"۔

"محترم سلطان! آپ کا اقبال اور زیادہ بلند ہو" —— حجازی نے کہا —— "کسی نے ہم پر حملے کی جرأت نہیں کرنی تھی۔ یہ حملہ آپ کی محترمہ والدہ اور آپ کے بھائی محمد نے کرایا ہے۔ وہ اس طرح کہ میں آپ کے حکم کے مطابق اوریزی کو چوک میں کھڑا کر

کے اس کا جرم لوگوں کو بتا رہا تھا۔ اوریزی اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ بول رہا تھا۔ ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ اتنے میں آپ کی والدہ محترمہ گھوڑے پر سوار وہاں آ پہنچیں۔ ان کے ہاتھ میں سلطنت کا پرچم تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر ہمارے پاس آ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف اور میرے خلاف اتنا زیادہ بھڑکایا کہ لوگ ہمارے خلاف اور اوریزی کے حق میں مشتعل ہو گئے۔ پھر آپ کا بھائی محمد چھوٹے بھائی سنجر کے ساتھ آ گیا۔ محمد نے اتنی اشتعال انگیز باتیں تو نہ کیں لیکن جو کچھ بھی اس نے کہا تھا وہ اوریزی کے حق میں جاتا تھا۔ لوگوں کا ہجوم اتنا زیادہ مشتعل ہو گیا کہ لوگ ہم پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے لگے۔ وہ محافظوں کی برچھیوں سے بھی نہ ڈرے۔ یہ تو میرا کمال تھا کہ میں نے اوریزی کو ایک گھوڑے پر پھینکا اور محافظوں سے کہا کہ یہاں سے نکلیں اور ان کی برچھیوں اور گھوڑوں کی زد میں کوئی بھی آتا ہے' پرواہ نہ کریں..... سلطانِ عالی مقام! میں خوش تھا کہ قیدی کو مشتعل ہجوم میں سے نکال لایا ہوں لیکن آگے جا کر ہم پر حملہ ہُوا تو میں سمجھ گیا کہ سابق فوجی بھی ہجوم میں موجود تھے۔ وہ کسی اور راستے سے ہم سے پہلے آگے جا کر گھات میں بیٹھ گئے۔ یہ ہے ہم پر حملے کی اصل وجہ"۔

سلطان برکیارق کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے روزینہ کی طرف دیکھا۔ روزینہ دانت پیس رہی تھی۔ یہ اس کے غصے کی انتہا تھی۔

"اگر وہ میری ماں ہوتی" —— روزینہ نے کہا —— "تو معلوم نہیں میں کیا کر گزرتی۔ وہ آپ کی ماں ہے اس لئے میں کچھ کہہ نہیں سکتی..... ماں کو اتنا بھی خیال نہیں کہ وہ سلطنت کو خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک رہی ہے..... اور آپ کا بھائی محمد..... ایک احمق آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ آپ کا تختہ الٹنا چاہتا ہے اور اس کے دل میں سلطانی کے سوا کچھ بھی نہیں"۔

"میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا حجازی!" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "اس کی بجائے میں تمہیں مہلت اور موقع دیتا ہوں کہ ان حملہ آوروں کو پکڑو' پھر دیکھنا کہ میں انہیں کیا سزا دیتا ہوں"۔

"گستاخی معاف سلطانِ عالی مقام!" —— حجازی نے کہا —— "میں تو ان غداروں اور باغیوں کو پکڑنے کے لئے دن رات ایک کر دوں گا لیکن آپ کی والدہ محترمہ اور بھائی

Scanned by iqbalmt

میرے لئے بہت بڑی رکاوٹ بن جائیں گے۔ میں ان کے محاذ کو ایک کاری ضرب سے توڑ سکتا ہوں۔ ان کے سر آپ کے قدموں میں پیش کر سکتا ہوں لیکن وہ آپ کی ماں اور آپ کے بھائی ہیں جن پر میں ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ انہیں اگر آپ پابند کرلیں تو..... "

"ماں کو نظر بند کر دیں" ـــــ روزینہ نے برکیارق سے کہا ـــــ "ماں کو قید خانے میں پھینکنا بہت ہی معیوب ہے۔ انہیں ان کے کمرے میں پابند کر دیں کہ وہ باہر نہ نکلیں۔ پہرہ کھڑا کر دیں۔ بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ وہ آپ کے حکم کے خلاف لوگوں کو نہ بھڑکائیں۔ انہیں ذہن نشین کرائیں کہ حسن بن صباح سیاہ گھٹا کی طرح افق سے اٹھتا چلا آ رہا ہے اور اگر یہاں بھائیوں میں ہی اختلاف پیدا ہو گیا تو یہ گھٹا سلطنتِ سلجوقیہ کو تاریک کر ڈالے گی"۔

اس باطنی لڑکی روزینہ کی ایسی ہی باتیں تھیں جو سلطان برکیارق کو متاثر کرتی تھیں۔ اسے کوئی کہتا تھا کہ یہ حسن بن صباح کے گھونسلے سے نکلی ہوئی لڑکی ہے تو برکیارق کا خون کھول اٹھتا اور ایسی بات کہنے والے پر وہ برس اٹھتا تھا۔

"اب سنو حجازی!" ـــــ سلطان برکیارق نے دو ٹوک لہجے میں کہا ـــــ "دو راتوں بعد جب تیسری رات آدھی گزر جائے تو اپنی پوری فوج کو بیدار کرو اور ان فوجیوں کے خیموں کو محاصرے میں لے لو جنہیں ہم نے فوج سے سبکدوش کر کے خیموں میں عارضی طور پر رکھا ہُوا ہے۔ اپنی فوج کو پہلے ہی بتا دینا کہ وہ تیاری کی حالت میں رہیں اور باہر کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ فوج تیاری کی حالت میں ہے۔ آدھی رات کو صرف ایک اشارے پر فوج خاموشی سے اٹھے اور وہیں سے محاصرے کی ترتیب میں ہو کر خیموں کو اپنے نرغے میں لے لے۔ رات کے وقت کوئی کارروائی نہیں کرنی۔ صبح جب وہ لوگ اٹھیں تو انہیں پکڑ پکڑ کر الگ کھڑا کرتے جانا۔ پھر ہر خیمے کے اندر دیکھنا کہ کوئی چھپا ہُوا تو نہیں رہ گیا۔ اپنے اس محافظ کو ساتھ لے لینا اور یہ ان میں سے اُن تین آدمیوں کو پہچانے گا جو حملے میں شریک تھے۔ حملے میں تمہارے محافظوں نے کچھ حملہ آوروں کو زخمی بھی کیا تھا۔ ان میں جو زخمی نظر آئے اسے بھی الگ کر لینا۔ سختی کرنی پڑے تو تمہیں اجازت ہے کہ کسی کو جان سے مار ڈالو۔ تم خود عقل رکھتے ہو۔ میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔ مجھے یہ حملہ آور چاہئیں۔ ابھی دو دن اور دو راتیں تم یوں دبک کر رہو جیسے کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی اور تم ڈر گئے ہو۔ اپنی ماں اور بھائیوں کا انتظام میں خود کر لوں گا"۔

سلطان برکیارق نے سر سے اشارہ کیا تو سپہ سالار حجازی رکوع میں چلا گیا اور اسی حالت میں پیچھے ہٹتے ہٹتے دروازے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد سلطان برکیارق اٹھا اور کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ وہ کبھی رک جاتا' اوپر دیکھتا پھر سر جھکا کر چل پڑتا۔ کبھی رک کر اپنے ماتھے کو زور زور سے ملتا۔ روزینہ پہلے تو اسے دیکھتی رہی پھر اس نے برکیارق کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور بٹھا کر اس پر اس طرح جھکی کہ اس کے ریشمی بالوں نے برکیارق پر سایہ کر دیا۔

"آپ کو یہ لوگ جینے نہیں دیں گے" ـــــ روزینہ نے اس کے ساتھ اس طرح پیار کر کے کہا جس طرح ماں اپنے معصوم بچے کے ساتھ کرتی ہے' وہ کہنے لگی ـــــ "ذرا سر میرے ساتھ لگا لیں۔ آپ کی ذہنی حالت تو ان لوگوں نے بگاڑ کر رکھ دی ہے۔ کوئی غیر ہوتا تو اور بات تھی' اپنی سگی ماں اور سگے بھائی آپ کو جہنم میں پھینک رہے ہیں"۔

سلطان برکیارق پر خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو روزینہ کے حوالے کر دیا اور دو سال کا بچہ بن گیا۔ کچھ دیر بعد روزینہ اٹھی اور صراحی میں سے ایک مشروب پیالے میں ڈال کر برکیارق کو پلایا۔

سلطان برکیارق محسوس نہ کر سکا کہ اس کے آباؤ اجداد کی سلطنت اس پیالے میں ڈوبی جا رہی ہے۔

○

سلطان برکیارق کے ذہن اور دل پر اپنا قبضہ مکمل کر کے روزینہ اٹھی۔

"کیا میں ماں کو بلا کر اسے کہوں" ـــــ سلطان برکیارق نے کہا ـــــ "لیکن وہ تو میری جان کو آ جائے گی"۔

"محمد اور سنجر کو بلائیں" ـــــ روزینہ نے کہا ـــــ "انہیں بتائیں کہ ماں کو ان کے کمرے میں نظر بند کیا جا رہا ہے اور انہیں اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ وہ کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت نہ کریں"۔

اب وہی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی جو روزینہ نے یہاں آتے ہی پیدا کر دی تھی یعنی سوچتی وہ تھی اور عمل برکیارق کرتا تھا۔ برکیارق کا اپنا دماغ روزینہ کی حسین گود میں بے ہوشی کی نیند سو گیا تھا۔

اس کیفیت میں برکیارق نے اپنے دونوں بھائیوں کو بلایا اور بھائی اطلاع ملتے ہی آ

Scanned by iqbalm

گئے۔

"میرے عزیز بھائیو!" — برکیارق نے کہا — "تصوّر میں لاؤ کہ میری جگہ تم ہو اور تم کوئی حکم دیتے ہو اور کچھ لوگ تمہارے حکم کی تعمیل کے راستے میں اس طرح رکاوٹ بنتے ہیں جس طرح میرے محافظوں پر حملہ ہُوا۔ صاف اور سچے دل سے بتاؤ کہ تم کیا محسوس کرو گے اور کیا کارروائی کرو گے؟ یہ نہ کہنا کہ میرا حکم غلط تھا اور اسلام کے منافی تھا۔ سلطان انسان ہے اور غلطی بھی کر سکتا ہے لیکن کوئی سلطان بغاوت اور غداری برداشت نہیں کر سکتا۔ تم نے محمد! اپنی ماں کے ساتھ مل کر میرے خلاف زہر اگلا اور یہی وجہ تھی کہ جو محافظ دستہ اوزیزی کو قید خانے میں لے جا رہا تھا اس پر حملہ ہُوا، قیدی کو وہ ساتھ لے گئے اور محافظوں کو قتل کر گئے..... تم بتاؤ کہ میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے!"

"ہم حملہ آوروں کو گرفتار کرتے" — محمد نے کہا — "اور انہیں سزا دیتے"۔

"اگر میں یہ کہوں کہ یہ حملہ تم نے اور ہماری ماں نے کروایا ہے تو تم کیا کہو گے؟" — سلطان برکیارق نے پوچھا۔

"یہ الزام بے بنیاد ہے" — محمد نے کہا — "یہ صحیح ہے کہ ماں وہاں چلی گئی تھی اور اس نے لوگوں سے جو باتیں کیں وہ سلطنت سلجوقیہ اور سالار اوزیزی کے حق میں جاتی تھیں۔ انہوں نے بار بار کہا کہ میں اپنے بیٹے اس سلطنت پر قربان کر دوں گی لیکن اس پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دوں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ پرچم اس اسلامی سلطنت کی عصمت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ شہر حسن بن صباح کے بھیجے ہوئے تجربہ کار باطنی تخریب کاروں سے بھرتا جا رہا ہے"۔

"ماں نے جو کچھ بھی کہا" — سلطان برکیارق نے کہا — "وہ ہماری سلطنت اور اوزیزی کے حق میں تو جاتا ہے لیکن ماں اور تم یہ نہ دیکھ سکے کہ لوگ مشتعل ہو رہے ہیں اور ان کے جوش و خروش میں انتقام کی آگ سلگتی جا رہی ہے۔ وہاں سابق فوجی بھی موجود تھے۔ ان میں چونکہ لڑنے کا جذبہ ہے اس لئے انہوں نے یہ فوجی کارروائی جس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

اس طرح بھائیوں میں بحث مباحثہ چلتا رہا جو تلخ کلامی کی صورت اختیار کر گیا اور روزینہ برکیارق کے حق میں بول پڑی۔

"تم خاموش رہو لڑکی!" — محمد نے کہا — "سلطان ہمارا بھائی ہے اور تمہاری حیثیت صرف ایک بیوی کی ہے۔ میرے ساتھ کوئی بات نہ کرنا"۔

"اب میرا فیصلہ سنو محمد اور سنجر!" — سلطان برکیارق نے کہا — "میں اپنی ماں کو اس کے کمرے میں نظربند کر رہا ہوں۔ تم دونوں میرا یہ حکم اس تک پہنچا دو۔ وہ کمرے سے باہر نہ نکلے۔ باہر دو سنتری بٹھا دیئے جائیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ نہ تمہیں اچھا لگا ہے نہ ماں اسے پسند کرے گی بلکہ وہ چیخے گی چلّائے گی لیکن مجھے اپنی سلطنت کو بھی دیکھنا ہے اور یہ بھی کہ ماں یوں ماری ماری نہ پھرے۔ اس کا ہر جگہ پہنچ جانا اور جو منہ میں آیا کہتے جانا اس کے اپنے وقار کے منافی ہے۔ مجھے یہ خطرہ بھی نظر آ رہا ہے کہ جس طرح وہ خود کہتی ہے کہ اس شہر میں باطنی اکٹھے ہوتے جا رہے ہیں، کوئی بدبخت باطنی اسے قتل ہی نہ کر دے"۔

"باطنی ہی ہماری ماں کو نظربند کروا رہے ہیں" — محمد نے اٹھتے ہوئے کہا — "ہم آپ کا حکم ماں تک پہنچا دیں گے۔ وہ چیخے گی نہ چلّائے گی، کچھ بھی نہیں کہے گی لیکن میں آپ کو آخری بار بتا رہا ہوں کہ جن باطنیوں کے متعلق آپ نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ہماری ماں کو قتل کر دیں گے، وہی باطنی اس سلطنت پر حکومت کر رہے ہیں۔ اپنی ماں کو نظربند کرنے کا حکم آپ نے نہیں حسن بن صباح نے دیا ہے۔ کسی باطنی میں اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ ہماری ماں کو قتل کر دے۔ ہمارے بڑے بھائی کا دین، ایمان اور کردار باطنیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ آپ جو ہمارے سامنے چلتے پھرتے، بولتے اور حکم دیتے نظر آتے ہیں یہ آپ کا صرف جسم ہے۔ سوچتا کوئی اور ہے اور اس پر عمل آپ کا جسم کرتا ہے۔ آج کے بعد آپ ہمیں اپنے سامنے نہیں دیکھیں گے"۔

"اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں بھائی جان!" — سنجر نے کہا — "آئندہ آپ کا کوئی حکم ہم تک نہ پہنچے ورنہ ہم وہاں تک پہنچ جائیں گے جہاں آپ کے فرشتے بھی نہیں پہنچ پائیں گے..... ہم بھاگ نہیں جائیں گے، مر نہیں جائیں گے، اپنے آباؤ اجداد کی اور اپنے عظیم باپ کی اس سلطنت کو زندہ و پائندہ رکھنے کی پوری جدوجہد کریں گے خواہ ہماری جانیں چلی جائیں"۔

دونوں بھائی کمرے سے نکل گئے اور سلطان برکیارق احمقوں کی طرح منہ کھولے اُس دروازے کو دیکھتا رہا جس دروازے سے اس کے بھائی نکل گئے تھے۔ وہ اُس وقت

Scanned by Iqbalmt

بیدار ہُوا جب روزینہ کا ایک رخسار اس کے گال کے ساتھ لگا۔

○

سالار اوریزی کو محافظوں سے چھین کر وہ اسے شہر میں نہیں لائے تھے بلکہ اسے شہر سے دور ایک ویران علاقے میں لے گئے تھے۔ اپنی رہائی کا یہ انتظام اوریزی نے خود ہی کیا تھا۔ اسے جب سلطان برکیارق کا بلاوا آیا تھا تو اسے معلوم تھا کہ سلطان اسے بخش نہیں دے گا۔ اسے معلوم تھا کہ سپہ سالار حجازی اسے انتہائی سزا دلوائے گا اسی لئے اس نے اپنے ساتھ دو محافظ لے لئے تھے اور انہیں سلطان کے محل سے ذرا دور کھڑا کر دیا تھا اور انہیں بتا دیا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔

سالار اوریزی کو جب سلطان برکیارق نے زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر باہر بھیجا تو اوریزی کے محافظوں نے دور سے دیکھ لیا۔ انہوں نے وہاں سے گھوڑے دوڑا دیئے اور ان لوگوں کے پاس جا پہنچے جنہوں نے اوریزی کو رہا کرانا تھا۔ وہ اسی اطلاع کی انتظار میں تھے۔ جونہی انہیں اطلاع ملی' وہ کسی اور راستے سے چٹانی علاقے میں جا پہنچے اور گھات میں بیٹھ گئے۔ وہ گھوڑے نہیں لے گئے تھے کیونکہ گھات میں گھوڑے ہنہنا کر راز فاش کر دیتے ہیں۔

انہیں بہت انتظار کرنا پڑا کیونکہ اوریزی کو چوک میں نمائش کے لئے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ آخر انہیں سپہ سالار حجازی اپنے محافظوں کے ساتھ نظر آیا۔ وہ تیار ہو گئے اور جونہی یہ محافظ دستہ ان کی گھات میں آیا' انہوں نے حملہ کر دیا اور اوریزی کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اوریزی نے ہی انہیں ایک جگہ بتائی تھی جہاں چھپنے کا محفوظ مقام تھا۔ وہ ویرانے میں ایک پہاڑی سی تھی جس میں ایک غار تھا۔ غار کا دہانہ گھنی جھاڑیوں میں چھپا ہُوا تھا اور اس کے آگے مٹی کا ایک چھوٹا سا ٹیلہ بھی تھا۔ اوریزی کو اس غار میں لے گئے۔ وہاں اس کی زنجیریں اور بیڑیاں کاٹنے کا انتظام تھا۔

اوریزی کو جب بتایا گیا کہ اپنے کچھ آدمی مارے گئے ہیں تو اس نے کہا کہ فوراً" وہاں جاؤ اور لاشوں کو اٹھا کر لے آؤ اور یہاں دفن کر دو۔ ہو سکتا ہے وہاں کچھ زخمی بھی پڑے ہوں۔

اوریزی کے آدمی محافظوں کے گھوڑے بھی پکڑ لائے تھے۔ بچے ہوئے آدمی

گھوڑوں پر سوار ہوئے اور واپس اُس جگہ چلے گئے جہاں انہوں نے گھات لگائی تھی۔ وہ بہت جلدی میں تھے کیونکہ خطرہ تھا کہ سرکاری فوج پہنچ جائے گی۔ اتفاق سے سلطان برکیارق نے بھی نہ سوچا نہ سپہ سالار حجازی نے کہ جا کر حملہ آوروں کی لاشیں دیکھتے اور ایسے زخمیوں کو اٹھا کر لے آتے جو بھاگنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان سے پتہ چل جاتا کہ حملہ آور کون تھے۔ حملہ آور لاشیں اور زخمی اٹھانے آئے تھے اور اٹھا کر لے گئے۔

سالار اوریزی نے صرف چار آدمی اپنے ساتھ رکھے اور دوسروں سے کہا کہ وہ چلے جائیں اور پوری جاسوسی اور مخبری کرتے رہیں اور ذرا ذرا اطلاع اس تک اس غار میں پہنچاتے رہیں۔ اس کا خیال یہ تھا کہ چند دن دبکے رہیں۔

"سابق فوجیوں کو بتا دینا کہ اب تیار رہیں" ــــ اوریزی نے کہا ــــ "انہیں یہ بھی بتا دینا کہ انہیں ہتھیار جلدی مل جائیں گے اور اب ہمارا تصادم سرکاری فوج کے ساتھ ہو گا اور اب ہمارا مقصد برکیارق کو ہٹا کر اس کی جگہ محمد کو سلطان بنانا ہے اور اس کے بعد فوج تیار کر کے حسن بن صباح کے خلاف محاذ کھولنا ہے..... لیکن میرے دوستو! ہمیں خون کے دریا میں سے گزرنا پڑے گا۔ ہم کوشش کریں گے کہ بھائی بھائی سے نہ لڑے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ خانہ جنگی ہو کر رہے گی..... باقی جو کچھ کرنا ہے وہ پانچ سات دنوں بعد بتاؤں گا۔ ابھی ہمیں زمین کے نیچے رہنا ہے"۔

چار پانچ مہینے گزرے باہر سے ایک طبیب آیا تھا جس نے مَرو میں اپنا مطب کھولا تھا۔ وہ جراح بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں خدا نے ایسی شفا دی تھی کہ مایوس اور بڑے پرانے مریض صحت یاب ہو گئے تھے۔ لوگ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اوریزی کے فرار کے دو تین روز بعد رات کا وقت تھا۔ طبیب مریضوں سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے مکان کا باہر والا دروازہ بند کر دیا تھا اور چار آدمی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے حق میں ہو رہا ہے" ــــ طبیب نے ان آدمیوں سے کہا ــــ "اوریزی کا فرار بھی ہمارے حق میں جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اسے فرار کرانے والے سابق فوجی ہیں۔ مجھے روزینہ نے محل سے اطلاع بھیج دی ہے کہ سلطان نے اپنی ماں کو نظر بند کر دیا ہے اور سپہ سالار حجازی سے کہا ہے کہ وہ حملہ آوروں کو تلاش کرے اور پکڑے۔ میں نے اپنے آدمی اس سارے کھیل میں شامل کر دیئے ہیں۔ اوریزی کا فرار ہی سابق اور حاضر فوجیوں کے درمیان لڑائی کا باعث بن جائے گا.....

Scanned by iqbalmt

"الموت سے امام حسن بن صباح کا حکم آیا ہے کہ مرو شہر کو خون میں ڈبو دو۔ یہ بھی کہ اپنے آدمیوں کو استعمال کرنا لیکن اس طرح کہ اپنے زیادہ تر آدمی محفوظ رہیں۔ بھائی کو بھائی سے لڑاؤ۔ سلطان کی فوج کو دو حصوں میں کاٹ دو اور انہیں آپس میں لڑاؤ۔ امام نے یہ حکم بھی بھیجا ہے کہ تین چار آدمی ہر روز اس شہر میں مرنے چاہئیں..... ہمیں امام کے اس حکم پر فوراً" عمل کرنا ہے۔ تم لوگ دو یا تین دنوں بعد خیموں میں رہنے والے تین چار سابق فوجیوں کو رات کے وقت قتل کر دو اور افواہ پھیلا دو کہ انہیں سرکاری فوجیوں نے اپنے محافظوں کے خون کے انتقام میں قتل کیا ہے۔ پھر ایک دو دنوں کا وقفہ دے کر فوج کے دو چار آدمی قتل کر دینا۔ تم خود تجربہ کار ہو' قتل کرنا جانتے ہو اور افواہیں پھیلانا بھی جانتے ہو۔ جاؤ اور یہ بندوبست کرو"۔

وہ گیارہویں صدی عیسوی تھی جب اسلام اپنی تاریخ کے بہت بڑے خطرے میں گھر گیا تھا۔ مؤرخوں نے اسے تاریخِ اسلام کا سب سے بڑا خطرہ کہا ہے۔ یہ ویسا ہی خطرہ تھا جیسا آج داستان گو دیکھ رہا ہے۔ دنیائے کفر اسلام کو گھیرے میں لے کر حملہ آور ہو چکی ہے۔ بالکل ایسے ہی حالات حسن بن صباح نے گیارہویں صدی عیسوی میں پیدا کر دیئے تھے۔ یہود و نصاریٰ اس کے ساتھ مل گئے تھے اور اس کی پوری پوری پشت پناہی کر رہے تھے۔ اسے جس قسم کی مدد درکار ہوتی تھی' وہ پیش کرتے تھے۔

سلطنتِ سلجوقیہ کے نیچے لاوا ایک رہا تھا بلکہ پک چکا تھا' اور اب اس آتش فشاں کو پھٹنا تھا..... سلطنتِ سلجوقیہ دراصل اسلامی سلطنت تھی اور یہ اسلام کا مرکز بن گئی تھی۔ جس طرح آج دوست اور دشمن کا' غدار اور وفادار کا کچھ پتہ نہیں چلتا' ایسے ہی اُس دور میں چہروں پر ایسے پردے پڑ گئے تھے کہ نیک و بد کی تمیز ختم ہو گئی تھی۔ سلطنت کا حکمران تو برکیارق تھا لیکن حکومت اس کی بیوی روزینہ کر رہی تھی۔

برکیارق نے اپنی ماں کو اس کے گھر میں نظربند کر دیا تو برکیارق کے دونوں بھائی' محمد اور سنجر' ماں کے پاس گئے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دو پہریدار تلواروں اور برچھیوں سے مسلح آ گئے اور دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیوں آئے ہیں؟" ——ماں نے پہریداروں کے متعلق بیٹوں سے پوچھا۔

"آپ کے سلطان بیٹے نے آپ کو اس گھر میں نظربند کر دیا ہے" —— محمد نے کہا — "اور ہمیں کہا ہے کہ ہم اس کا یہ حکم آپ تک پہنچا دیں"۔

ماں پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ اس کے ہونٹ کانپے مگر زبان سے کوئی لفظ نہ

Scanned by iqbalmt

نکلا۔ پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آئے جو اُس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

"آپ اتنی زیادہ پریشان کیوں ہو گئی ہیں؟" — ہم بڑے بھائی کے غلام تو نہیں.. .. لیکن مقدس ماں!..... ہمیں اپنی آزادی اور غلامی کے ساتھ کوئی غرض نہیں۔ ہم اس سلطنت کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ سلطنت حسن بن صباح کے قبضے میں آچکی ہے۔ حکومت روزینہ کر رہی ہے۔ ہم دونوں بھائیوں کو سلطنت کی حکمرانی نہیں چاہئے بلکہ ہمیں اسلام کی حکمرانی کی ضرورت ہے۔ آپ بالکل خاموش رہیں۔ اب برکیارق کے پاس نہیں جانا۔ ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ ہم نے اپنا بڑا بھائی اس سلطنت کی عظمت پر قربان کر دیا ہے۔ اب ہمیں اجازت دیں کہ کفر کی اس یلغار کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں"۔

"اور مادرِ محترم!" — سنجر نے کہا — "آپ ہمارے لئے صرف دعا کریں۔ آپ کی دعا ہمارے لئے ایک بڑی ہی مضبوط ڈھال ہو گی۔ ہمیں لڑنا ہے اور آج کے بعد سلطنت سلجوقیہ کی تاریخ خون سے لکھی جائے گی"۔

"میرے مجاہد بچو!" — ماں نے کہا — "میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم جیسے میرے بیس بچے ہوتے تو میں اسلام کی اس سلطنت پر قربان کر دیتی۔ لڑنا ہے تو طریقے سے، عقل سے لڑنا۔ ابو مسلم رازی کو اطلاع دے دو۔ وہ بہت ہی دانشمند آدمی ہے۔ مشورے بھی اچھے دے گا اور ہر طرح کی مدد بھی کرے گا"۔

"اب آپ نے برکیارق کے سامنے نہیں جانا" — محمد نے کہا — "اپنے آپ پر غصے کو بھی غالب نہیں آنے دینا۔ اب جو بھی کرنا ہو گا وہ ہم کریں گے"۔

"مزمّل آفندی آئے ہیں" — پہریدار نے اندر آکر کہا — "وہ یہاں اندر نہیں آسکتے کیونکہ ہمیں بڑا سخت حکم ملا ہے۔ محترم محمد اور محترم سنجر ان سے مل سکتے ہیں لیکن کسی دوسرے کمرے میں..... میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ فوراً اس کمرے میں سے نکل جاؤ" — محمد اور سنجر کی ماں بولی — "اور کتوں کی طرح باہر کھڑے رہو"۔

پہریدار کھسیانا سا ہو کر محمد کی طرف دیکھنے لگا۔

"مزمّل آفندی کو دوسرے کمرے میں بٹھاؤ" — محمد نے کہا — "ہم آتے ہیں"۔

"مادرِ محترم!" — پہریدار نے محمد کی ماں کے آگے جھک کر کہا — "ہم حکم کے

بندے ہیں۔ ہمیں آپ کے خلاف حکم دیا جا سکتا ہے لیکن ہمارے دلوں سے آپ کا احترام نہیں نکالا جا سکتا"۔

ماں نے سر جھکا لیا۔ پہریدار آداب بجالا کر باہر نکل گیا۔ محمد اور سنجر اسی مکان کے ایک اور کمرے میں چلے گئے۔ مزمل آفندی اس کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

○

برکیارق اور روزینہ کے پاس سلطنت کا وزیرِاعظم عبدالرحمان سمیری بیٹھا ہُوا تھا۔ کچھ دیر پہلے برکیارق نے سپہ سالار ابو جعفر حجازی کو کچھ حکم دیئے تھے اور پھر اپنی ماں کی نظربندی کا حکم بھی دیا تھا تو روزینہ نے کہا تھا کہ وہ اپنے وزیرِاعظم کو بلا کر یہ سارے احکام لکھوا دے اور اسے کہے کہ ان کی تعمیل کی نگرانی وہ کرے۔

"آپ ہر مسئلہ اپنے سر لے لیتے ہیں" — روزینہ نے کہا تھا — "آپ آخر ایک انسان ہیں۔ ساری سلطنت کا درد اپنے دل میں بھر کر آپ کو سکون اور چین کیسے مل سکتا ہے۔ آپ کا روحانی سکون تو آپ کی ماں نے اور بھائیوں نے مل کر تباہ کر دیا ہے۔ میں تو انہیں کہنا چاہتی تھی کہ آؤ تم سلطانی کی گدی پر بیٹھ جاؤ اور ذرا سلطنت کا کاروبار چلا کر دکھاؤ۔ یہ آپ کی ہی دیانتداری اور خلوص ہے کہ آپ ان پہاڑوں سے ٹکرا رہے ہیں..... اتنا پریشان نہ ہوں میں اپنا خون آپ کی رگوں میں ڈال دوں گی"۔

برکیارق نے ایک بازو لمبا کر کے روزینہ کی کمر میں ڈالا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

تھوڑی دیر بعد روزینہ نے ہی دربان کو بلا کر کہا تھا کہ وزیرِاعظم کو فوراً بلا لاؤ۔

وزیرِاعظم عبدالرحمان سمیری فوراً پہنچ گیا۔ برکیارق نے اسے بتایا کہ آج کیا ہُوا ہے اور اس نے کیا احکام جاری کئے ہیں۔

"ان امور اور مسائل کی نگرانی آپ نے کرنی ہے" — برکیارق نے کہا — "ان احکام کی تعمیل میں یہ نہیں دیکھنا کہ یہ خاتون میری ماں ہے یا وہ لڑکے میرے بھائی ہیں۔ کسی کی حیثیت کا خیال نہیں رکھنا"۔

"سلطانِ محترم!" — وزیرِاعظم سمیری نے کہا — "میں صرف آپ کو جانتا ہوں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں گے کہ اپنے ایک بیٹے کا سر کاٹ کر پیش کرو تو میں آپ کا یہ حکم بلا حیل و حجت پورا کروں گا"۔

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ سلطان کس قدر تھکے تھکے لگتے ہیں" — روزینہ نے کہا

Scanned by iqbalmt

—— "ان کا چہرہ کس طرح اتر گیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ اور بولیں۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ انہوں نے آج کیا احکام جاری کئے ہیں۔ یہ تو آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ سالار اوریزی کو قید خانے میں بند کرنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں محافظوں پر حملہ ہو گیا اور حملہ آور محافظوں کو قتل کر کے سالار اوریزی کو چھڑا کر لے گئے ہیں"۔

"یہ خبر مجھ تک پہنچ چکی ہے" —— وزیرِاعظم سمیری نے کہا —— "میں نہیں جانتا کہ سلطان محترم نے کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے‘ اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو اوریزی اور اس کے حامیوں کو فوری طور پر سزائے موت دیتا۔ یہ غداری ہے"۔

"سلطان نے یہ حکم دیا ہے" —— روزینہ نے کہا —— "آج سے تیسری رات ان خیموں کو محاصرے میں لے لیا جائے جن میں برطرف کئے جانے والے فوجی رہتے ہیں پھر ایک ایک خیمے میں جا کر انہیں بیدار کیا جائے گا اور ایک جگہ اکٹھا کر کے شناخت کی جائے گی کہ حملہ آور کون کون تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اوریزی کو انہی میں سے چند ایک آدمیوں نے رہا کروایا ہے۔ اس کارروائی کا باقاعدہ منصوبہ تیار کر لیں۔ اس میں ناکامی نہیں ہونی چاہئے...... اس کے ساتھ ہی اوریزی کو ڈھونڈنا ہے۔ آپ کے پاس جاسوس ہیں اور مخبر بھی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مفرور اور روپوش مجرم کو کس طرح ڈھونڈا جاتا ہے"۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑیں سلطانِ عالی مقام!" —— وزیرِاعظم سمیری نے کہا —— "میں اس غدار کو زمین کی ساتویں تہہ میں سے بھی نکال لاؤں گا۔ آپ آگے فرمائیں"۔

"میں نے اپنی ماں کو اس کے گھر میں نظربند کر دیا ہے" —— برکیارق نے کہا —— "دراصل میری ماں نے ہی لوگوں کو بھڑکایا تھا کہ اوریزی کو ناحق قید کیا جا رہا ہے۔ وہ میری ماں نہ ہوتی تو میں اُسی وقت اسے جلاّد کے حوالے کر دیتا۔ آپ نے یہ نگرانی کرنی ہے کہ میری ماں تک میرے دونوں بھائیوں کے سوا کوئی نہ جائے"۔

"یہ آپ کے کردار کی بلندی ہے سلطانِ محترم!" —— وزیرِاعظم سمیری نے کہا —— "یہ آپ کے ایمان کی پختگی ہے کہ آپ اس قسم کی ماں کا اتنا احترام کر رہے ہیں۔ گستاخی نہ ہو اور آپ معاف کر دیں تو کہوں کہ آپ کی ماں میں وہ جذبہ اور وہ عظمت نہیں جو آپ کے والد مرحوم سلطان ملک شاہ میں تھی۔ آپ اپنے والد مرحوم کے صحیح جانشین ہیں"۔

"آپ دانشمند ہیں" —— برکیارق نے وزیرِاعظم سے کہا —— "مجھے معلوم ہے کہ میری ماں آپ کا بہت احترام کرتی ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں اور اسے اور دونوں بھائیوں کو کچھ پند و نصیحت کریں کہ وہ میرے لئے مشکلات پیدا نہ کریں اور میرے ساتھ تعاون کریں۔ وہ میری نہیں مانتے"۔

"بات کچھ اور ہے" —— روزینہ نے کہا —— "سلطان برکیارق نے مجھے بے سہارا اور یتیم سمجھ کر میرے ساتھ شادی کر لی ہے۔ ان کی ماں کو ان کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا۔ وہ یہ تو سمجھ ہی نہیں رہیں کہ میں سلطان کی بیوی کم‘ لونڈی زیادہ ہوں۔ میں تو ان کی خدمت کے لئے اور ان کو سکون دینے کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی ہوں"۔

"میں سب سمجھتا ہوں" —— وزیرِاعظم سمیری نے کہا —— "آپ سلطان کے لئے بہت ایثار کر رہی ہیں۔ سلطانِ محترم! آپ نے جو احکام آج صادر فرمائے ہیں‘ میں انہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ میں آپ کی والدہ اور بھائیوں کے پاس جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور برملا کہوں گا کہ آپ کی والدہ کا دماغ چل گیا ہے۔ میں سلطنت کی بقا اور سلامتی کا واسطہ دے کر انہیں اور آپ کے بھائیوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری بات سن لیں گے"۔

سلطان برکیارق نے وزیرِاعظم کو جانے کی اجازت دے دی۔ وزیرِاعظم جانے لگا تو اس نے برکیارق کی نظر بچا کر روزینہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ باہر نکلا تو روزینہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ کچھ آگے جا کر دونوں ایک کمرے میں چلے گئے۔

"کوئی خاص بات ہے؟" —— روزینہ نے وزیرِاعظم سے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"سلطان بہت ہی پریشان ہیں" —— وزیرِاعظم نے کہا —— "میں جانتا ہوں کہ آپ ان کا بہت زیادہ اور ہر وقت خیال رکھتی ہیں لیکن انہیں مزید سکون اور اطمینان کی ضرورت ہے۔ میں آپ کے جذبۂ ایثار کی تعریف کر ہی نہیں سکتا‘ پھر بھی میں آپ سے کہتا ہوں کہ سلطان کو اور زیادہ سکون اور سہارے کی ضرورت ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ماں اور بھائیوں نے ان کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ میں یہی کچھ کر سکتا ہوں کہ سلطان کی ذمہ داریاں خود سنبھال لوں لیکن گھر میں آپ نے ان کا خیال رکھنا ہے جو آپ رکھ ہی رہی ہیں..... میں نے بس اتنی سی بات کہنی تھی"۔

Scanned by iqbalmt

"مجھے آپ کے ہی تعاون کی ضرورت ہے" ___ روزینہ نے کہا اور وزیرِاعظم سمیری کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔
وزیرِاعظم عبدالرحمان سمیری نے مشفق باپ کی طرح روزینہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور چلا گیا۔

○

جس وقت وزیرِاعظم سمیری سلطان برکیارق سے اس کے احکام اور روزینہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا' اُسی وقت مزمل آفندی محمد اور سنجر کے پاس بیٹھا انہی مسائل پر باتیں کر اور سن رہا تھا۔ اسے خبر مل چکی تھی کہ سالار اوریزی کو کچھ حملہ آوروں نے رہا کرا لیا ہے تو اُسی وقت محمد اور سنجر کے پاس آ گیا تھا۔ محمد نے اسے بتایا کہ برکیارق نے ماں کو نظر بند کر دیا ہے۔

"برکیارق نہ کہو" ___ مزمل آفندی نے کہا ___ "روزینہ کہو..... سلطان برکیارق کی حیثیت اُلٹی ہے کہ وہ سلطان ہے۔ فیصلے روزینہ کرتی ہے..... یہ بات کوئی نئی نہیں' میں بات کرنے آیا ہوں کہ سالار اوریزی کی رہائی ہمارے لئے بہت ہی خوشگوار بات ہے۔ اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ہمارا محاذ مضبوط ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ مجھے پتہ چل جائے کہ سالار اوریزی کہاں روپوش ہے تو میں اُس کے پاس چلا جاؤں گا اور اس سے پوچھوں گا کہ ادھر ہم کیا کریں"۔

وہ خاصی باتیں کر چکے تھے اور اب یہ سوچ رہے تھے کہ کیا کیا جائے کہ وزیرِاعظم عبدالرحمان سمیری کمرے میں داخل ہُوا۔ اسے دیکھ کر مزمل' محمد اور سنجر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ وزیرِاعظم نے تینوں سے ہاتھ ملایا اور سب بیٹھ گئے۔

"کہو لڑکو!" ___ وزیرِاعظم سمیری نے پوچھا ___ "کیا باتیں ہو رہی ہیں..... مزمل! تمہیں بڑے عرصے بعد دیکھا ہے"۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ ہم کیا باتیں کر رہے ہوں گے" ___ محمد نے کہا ___ "سالار اوریزی کی رہائی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ مزمل اس سلسلے میں آیا ہے۔ اچھا ہُوا آپ بھی آ گئے۔ نہ آتے تو میں آپ کے پاس آ جاتا"۔

"سلطان نے طلب فرمایا تھا" ___ وزیرِاعظم نے کہا ___ "انہوں نے اپنے وہ احکام اور فیصلے مجھے سنائے ہیں جو انہوں نے آج صادر فرمائے ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ

کو نظر بند کر دیا گیا ہے۔ یہ تو کہنے والی بات ہی نہیں نہ کہنے کی مزید ضرورت ہے کہ روزینہ نے تو سلطان کو بولنے ہی نہیں دیا..... ایک حکم مجھے اور ملا ہے۔ وہ یہ کہ میں تم دونوں اور آپ کی والدہ کو سمجھاؤں کہ آپ سب سلطان سے تعاون کریں اور ان کے لئے مزید پریشانیاں پیدا نہ کریں"۔

"آج اپنی ماں کو نظر بند کیا ہے" ___ مزمل نے کہا ___ "کچھ دنوں بعد دونوں بھائیوں کو سزائے موت دے دے گا"۔

"وہاں تک نوبت نہیں پہنچنے دی جائے گی" ___ وزیرِاعظم نے کہا ___ "میں زندہ اور سلامت موجود ہوں۔ میں سلطان اور سلطانہ کی جڑوں میں بیٹھا ہُوا ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے ان کے ساتھ باتیں کرتے اور ان کی باتیں سنتے دیکھو اور میں وہاں جو غلامانہ حرکتیں کرتا ہوں' تم دیکھ لو تو میرے ساتھ بات کرنا بھی گوارہ نہ کرو۔ تم کہو گے کہ یہ تو کوئی خاندانی غلام ہے لیکن میں نے دونوں کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔ روزینہ تو میری مرید بن گئی ہے۔ اب یہ سوچنا ہے کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ اوریزی کی رہائی ہمارے محاذ کی بہت بڑی کامیابی ہے"۔

"میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں" ___ مزمل نے کہا ___ "اوریزی کہاں روپوش ہے؟ میں اُس تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اُس سے ہدایات لینی ہیں کہ میں کیا کروں"۔

"آج رات کو نہیں تو کل تک مجھے یہ پتہ چل جائے گا" ___ وزیرِاعظم سمیری نے کہا ___ "تم نے اُس سے کوئی ہدایت نہیں لینی نہ اُس کے پاس جانا ہے۔ سلطنت کے سرکاری مخبر اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے وہاں تک پہنچ جائیں۔ تم لوگوں کو اب جو ہدایات ملیں گی وہ مجھ سے ملیں گی"۔

"بات یہ ہے محترم!" ___ محمد نے کہا ___ "مزمل بہت ہی بیتاب ہو رہا ہے کہ باطنیوں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی میں شامل ہو"۔

"بیتاب نہیں ہونا مزمل!" ___ وزیرِاعظم نے کہا ___ "اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھنا ہے اور جذبات کو قابو میں رکھنے کی شدید ضرورت ہے..... میری ایک بات غور سے سن لو۔ تم ابھی اُن جنگوں کو ذہن میں لئے لئے پھرتے ہو جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑی تھیں اور پھر حضرت خالدؓ بن ولید' سعدؓ بن ابی وقاص اور ان جیسے سپہ سالاروں

نے لڑی تھیں۔ ہمارے دلوں میں وہ عسکری روایات تو زندہ موجود ہیں لیکن اب جس جنگ کا ہمیں سامنا ہے وہ ان غزوات اور بعد کی لڑائیوں سے بالکل ہی مختلف ہے۔ ہماری روایت تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے کفار کا مقابلہ میدانوں میں کیا ہے۔ ایک ہزار کو تین سو تیرہ نے اور سوا لاکھ کے لشکر کو صرف چالیس ہزار کے لشکر نے شکستیں دی تھیں۔ انہوں نے رومیوں اور فارسیوں کو ہر میدان میں شکست دی۔ وہ آمنے سامنے کی لڑائیاں تھیں لیکن اب ہمارا پالا جس دشمن کے ساتھ پڑا ہے وہ میدان میں نہیں آرہا بلکہ زمین کے نیچے سے وار کر رہا ہے۔ مسلمان اس قسم کی جنگ سے واقف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یہ سلطنت ایک بھیانک خطرے میں پڑ گئی ہے۔ شاید تم جانتے ہو گے کہ اس شہر میں بے شمار باطنی پہنچ چکے ہیں اور ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان میں حسن بن صباح کے فدائی بھی ہیں جو صرف یہ جانتے ہیں کہ قتل کر کے قتل ہو جانا ہے۔ ہمیں اب زمین کے اوپر بھی لڑنا ہے اور زمین کے نیچے بھی"۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں" ——— مزمّل نے کہا ——— "جس طرح حسن بن صباح نے روزینہ کو بڑی ہی حسین اور زہریلی ناگن بنا کر سلطنت کی بالائی سطح پر پہنچا دیا ہے اسی طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ ایسی ہی ایک ناگن وہاں بھیجی جائے جو روزینہ کا زہر مار ڈالے"۔

"ایسی ناگن کہاں سے لاؤ گے؟" ——— وزیراعظم نے پوچھا۔

"وہ میرے پاس ہے" ——— مزمّل نے جواب دیا ——— "اس کا نام شمونہ ہے۔ محمد اور سنجر اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ بڑا اچھا اتفاق ہے کہ برکیارق نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ حسن بن صباح کی تربیت یافتہ لڑکی ہے اور اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ حسن بن صباح اور باطنیوں کے خلاف دل میں انتقام کی آگ لئے پھرتی ہے"۔

"میں اسے جانتا ہوں" ——— وزیراعظم نے کہا ——— "اسے دیکھا بھی ہے۔ شکل و صورت اور جسم کی کشش کے لحاظ سے وہ موزوں لڑکی ہے لیکن ایسی کارروائیاں کرنے سے پہلے ہمیں بہت کچھ سوچنا پڑے گا"۔

"آپ نے اسے صرف دیکھا ہے" ——— مزمّل نے کہا ——— "اس کے انتقامی جذبے کا اندازہ اس سے کریں کہ اُس کے دل میں میری محبت موجزن ہے اور وہ فیصلہ کر چکی ہے کہ شادی میرے ساتھ ہی کرے گی۔ اُس کی ماں بھی ہمارے ساتھ ہے لیکن شمونہ

کہتی ہے کہ میں جب تک حسن بن صباح پر انتقامی وار نہ کر لوں، شادی نہیں کروں گی۔ اگر آپ کہیں تو وہ بڑے آرام سے روزینہ کو زہر دے کر یا ویسے کسی ہتھیار سے اسے قتل بھی کر آئے گی"۔

"میں پھر یہی کہوں گا کہ اسے استعمال کریں گے لیکن سوچ سمجھ کر" ——— وزیراعظم نے کہا ——— "ابھی میں نے ایک خفیہ کارروائی کرنی ہے۔ وہ تم تینوں اچھی طرح سن لو۔ آج سے تیسری رات اُن خیموں کو فوج محاصرے میں لے گی جن میں برطرف کئے جانے والے فوجی رہتے ہیں۔ سلطان نے مجھے بتایا ہے کہ ان خیموں کی بستی کو محاصرے میں لے کر تمام سابق فوجیوں کو جگایا اور اکٹھا کیا جائے گا۔ اوریزی کو قید خانے لے جانے والے محافظوں میں سے جو ایک بچ گیا ہے وہ ان آدمیوں میں سے حملہ آوروں کو شناخت کرے گا۔ بعض کو سپہ سالار حجازی شناخت کرے گا۔ صاف ظاہر ہے جو پکڑے جائیں گے، انہیں اگلے ہی روز سزائے موت دے دی جائے گی۔ میں نے یہ بندوبست کرنا ہے کہ ایسا کوئی آدمی نہ پکڑا جائے"۔

"اس کارروائی میں ایک خطرہ اور بھی ہے" ——— محمد نے کہا ——— "سپہ سالار حجازی اتنا بدطینت آدمی ہے کہ وہ ویسے ہی پندرہ بیس آدمیوں کو الگ کر کے کہہ دے گا کہ یہ تھے وہ حملہ آور اور اگلے روز ان کے سر کٹوا دے گا..... ہمارے پاس ان لوگوں کو بچانے کا کوئی انتظام نہیں"۔

"میں کچھ نہ کچھ بندوبست کر لوں گا" ——— وزیراعظم نے کہا ——— "اگر میرا انتظام ناکام رہا تو میں ایسی خفیہ کارروائی کراؤں گا کہ جب ان لوگوں کو سزائے موت کے لئے لے جائیں گے تو انہیں رہا کرا لیا جائے..... اصل بات یہ ہے کہ اب خون خرابہ ہو کر رہے گا۔ میرے آدمی فوج میں بھی موجود ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ جاسوسی اور مخبری کا میں نے اپنا ایک ذاتی نظام بھی قائم کر رکھا ہے"۔

"ان حالات اور واقعات کی پوری اطلاع رے پہنچنی چاہئے" ——— محمد نے کہا ——— "ابو مسلم رازی نے مجھے خاص طور پر کہا تھا کہ حالات میں کوئی ذرا سی بھی اچھی یا بُری تبدیلی آئے، انہیں فوراً اطلاع ملنی چاہئے"۔

"ہاں، یہ بہت ہی ضروری ہے" ——— وزیراعظم نے کہا ——— "کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ مزمّل ابھی روانہ ہو جائے؟ میں اپنا آدمی اتنی دور نہیں بھیجوں گا۔ میرے خاص اور خفیہ

Scanned by iqbalmt

Scanned by iqbalmt

آدمی دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں"۔

"میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں" ـــــ مزمّل نے کہا ـــــ "حالات اور واقعات مجھے معلوم ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہاں اور کیا بات کرنی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ فوجی نہتّے ہیں جنہیں فوج سے برطرف کیا جا رہا ہے۔ ان کے لئے ہتھیاروں اور گھوڑوں کا انتظام کرنا ہے۔ ہماری یہ ضرورت ابو مسلم رازی ہی پوری کر سکتے ہیں"۔

"وہ تو ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ کر چکے ہیں" ـــــ محمد نے کہا ـــــ "انہوں نے تو یہاں تک کہا تھا کہ وہ اپنی پوری فوج یہاں بھیج دیں گے"۔

"پھر میں چلتا ہوں!" ـــــ مزمل نے کہا ـــــ "آپ شمونہ پر غور کرنا۔ وہ کسی طرح سلطان اور روزینہ تک پہنچ جائے تو اور کوئی شدید کارروائی کرے نہ کرے، جاسوسی اور مخبری تو کرے گی ہی، یہ بھی تو ہماری ضرورت ہے"۔

"تم واپس آجاؤ تو یہ بات بھی کر لیں گے" ـــــ "وزیراعظم سیمری نے کہا ـــــ "یہ کام کرنا ہی پڑے گا..... تم جاؤ تیار ہو کر روانہ ہو جاؤ..... خالی ہاتھ نہ چل پڑنا۔ تمہارے پاس دو یا تین ہتھیار ہونے چاہئیں اور گھوڑا کمزور نہ ہو"۔

○

اُسی رات کا واقعہ ہے، برطرف کئے جانے والے فوجیوں کے خیموں سے ذرا ہی پرے تین آدمی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی اٹھا اور خراماں خراماں کچھ دُور تک چلا گیا۔ وہ ایک جگہ رکا، پھر واپس ہُوا اور اپنے ساتھیوں میں جا بیٹھا۔ اس کیمپ میں خیموں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔ بارہ چودہ ہزار آدمی رہتے تھے۔ ہر خیمے میں پانچ چھ آدمیوں کی رہائش تھی۔

آدھی رات کے کچھ وقت بعد کسی خیمے میں سے ایک آدمی اٹھا اور خیموں کی بستی میں سے باہر نکل گیا۔ وہ پیشاب کرنے گیا تھا۔ وہ ایک جگہ رکا ہی تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک آدمی نے جھپٹ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور پیشتر اس کے کہ اسے پتہ چلتا کہ یہ کون ہے کہ ایک خنجر اُس کے سینے میں اُس جگہ اُتر گیا جہاں دل ہوتا ہے۔ یہ خنجر وہاں سے نکلا اور ایک بار پھر اس کے سینے میں داخل ہو گیا۔ اُس کے منہ پر ہاتھ رکھا گیا تھا اس لئے اس کی آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ گرا اور مر گیا۔

وہ تینوں آدمی اس کی لاش وہیں چھوڑ کر ایک اور طرف چلے گئے اور ایک جگہ

چھپ کر بیٹھ گئے۔

"آج رات کم از کم تین آدمی مارنے ہیں" ـــــ "ان تینوں میں سے ایک نے کہا۔

"انہیں خاصی دیر انتظار کرنا پڑا۔ پھر ایک اور آدمی خیمے میں سے باہر نکلتا نظر آیا۔ یہ تینوں قاتل دبے پاؤں سرکتے، جھکے ہوئے اور نہایت آہستہ آہستہ چلتے اس آدمی کے عقب میں پہنچ گئے۔ اس آدمی کو بھی انہوں نے اسی طرح قتل کیا اور اس کی لاش وہیں پھینک کر دوسری طرف جھاڑیوں کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے۔ کسی اوٹ میں بیٹھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ رات تاریک تھی۔

اس طرح صبح کاذب تک انہوں نے تیسرے آدمی کو بھی قتل کیا اور وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے آبادی میں جا کر ایک دروازے پر دستک دی۔ اندر سے بلّی کی میاؤں کی آواز آئی۔ باہر کھڑے تین میں سے ایک آدمی نے اسی طرح بلّی کی آواز میں میاؤں کیا اور دروازہ کھل گیا۔ تینوں اندر گئے اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔ دروازہ کھولنے والا انہیں ایک کمرے میں لے گیا اور دیا جلایا۔

"تمہارے کپڑے بتا رہے ہیں کہ تم کام کر آئے ہو" ـــــ اس آدمی نے کہا اور پوچھا ـــــ "کتنے؟"

"تین!" ـــــ ایک نے جواب دیا ـــــ "آج رات اتنے ہی کافی ہیں"۔

"ہاں، امام کے نام پر آج کی رات اتنے ہی کافی ہیں" ـــــ اس آدمی نے کہا ـــــ "باقی قتل و غارت وہ خود ہی آپس میں کر لیں گے..... اب تم سو جاؤ اگلا کام کرنے والے جلدی اٹھ جائیں گے۔ انہیں میں اطلاع دے دوں گا"۔

یہ اُس طبیب کا گھر تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے ہاتھ میں شفا ہے۔ اسی نے اپنے آدمیوں کو یہ حکم سنایا تھا کہ اَلمَوُت سے امام کا حکم آیا ہے کہ مَرو کو خون میں ڈبو دو۔ ہر روز تین چار آدمی قتل ہونے چاہئیں۔

○

اگلی صبح خیموں کی اس بستی میں جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے تین ساتھی باہر مرے پڑے ہیں اور انہیں خنجر لگے ہیں تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہزارہا سابق فوجی اکٹھے ہو گئے۔ راہ جاتے لوگ بھی وہیں رک گئے۔ شہر میں خبر پہنچی تو لوگ اُدھر ہی کو اُٹھ دوڑے۔

ایک آواز اٹھی کہ فوجیوں نے یعنی اُن فوجیوں نے جنہیں فوج میں رکھا جا رہا تھا،

Scanned by iqbalmt

اپنے عہدے دار کے خون کا بدلہ لیا ہے۔ یہ آواز ہوا کے تیز جھونکے کی طرح ہر طرف پھیل گئی اور ذرا سی دیر میں یہی بات ہر کسی کی زبان پر تھی کہ حاضر فوجیوں نے سابق فوجیوں کے تین بندے مار ڈالے ہیں۔

داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ فوج میں رہنے والے ایک عہدے دار کی لاش ملی تھی اور یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ فوج میں سے نکالے جانے والے دو آدمیوں نے اسے قتل کیا ہے۔ سپہ سالار حجازی نے ویسے ہی کسی ثبوت اور شہادت کے بغیر سابق فوجیوں کے دو آدمی پکڑ جلادوں کے حوالے کر دیئے تھے۔ اس سے ایسا فساد اٹھا جو خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گیا۔

سپہ سالار ابو جعفر حجازی کو اطلاع ملی تو وہ اپنے محافظوں کو ساتھ لئے گھوڑا دوڑاتا پہنچا۔ خیموں میں رہنے والے سابق فوجیوں نے اسے گھیر لیا۔ اس قدر شور و غل اور احتجاج کا ایسا ہنگامہ کہ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ سپہ سالار حجازی نے بڑی مشکل سے سب کو خاموش کروایا اور کہا کہ کوئی ایک ذمہ دار آدمی بات کرے۔

"میں بات کرتا ہوں" —— ایک نائب سالار سب کی نمائندگی میں بولنے لگا۔ اسے بھی فوج سے برطرف کیا جا رہا تھا اور وہ ان ہی خیموں میں رہتا تھا۔ اس نے کہا —— "حاضر نوکری کا ایک عہدے دار قتل ہو گیا تو ہمارے دو آدمیوں کو ویسے ہی پکڑ لیا گیا تھا۔ اب ہمارے تین آدمی قتل ہو گئے ہیں' حاضر فوجیوں کے چھ آدمی پکڑ کر ہمارے سامنے جلادوں کے حوالے کیے جائیں"۔

سپہ سالار حجازی نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی اور کہا کہ وہ سلطان کے پاس جا رہا ہے اور وہاں سے حکم لے کر واپس آئے گا۔

حجازی سلطان برکیارق کے پاس جانے کی بجائے وزیراعظم عبدالرحمٰن سمیری کے پاس چلا گیا اور اسے بتایا کہ پہلے ادھر سے ایک آدمی قتل ہوا تھا اور اب ادھر سے خیموں میں رہنے والے تین آدمی قتل ہو گئے ہیں۔ وزیراعظم نے سپہ سالار حجازی کو ساتھ لیا اور دونوں سلطان برکیارق کے پاس چلے گئے۔ اسے نئی واردات سنائی۔

"سلطانِ عالی مقام!" —— سپہ سالار حجازی نے کہا —— "میں تو یہ سمجھا ہوں کہ حاضر اور برطرف فوجیوں میں دشمنی پیدا ہو گئی ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ برطرف شدہ فوجیوں کو فارغ کر کے گھروں کو بھیج دیا جائے"۔

"ایسا ہرگز نہ کرنا" —— وزیراعظم نے کہا —— "یہاں وہ نہتے پڑے ہیں انہیں فارغ کیا گیا تو یہ ہتھیار اٹھا لیں گے اور بڑا ہنگامہ ہوگا"۔

وزیراعظم سمیری نے یہ جو مشورہ دیا تھا' اس سے اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس کا جو منصوبہ تھا' اس کے مطابق وہ ان سابق فوجیوں کو یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ اس کی خفیہ فوج تھی جسے اس نے خانہ جنگی کی صورت میں سلطان کی فوج کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ اس نے سلطان برکیارق سے منوا لیا کہ انہیں ابھی یہاں سے جانے نہیں دیا جائے گا۔

ادھر خیموں میں رہنے والے سابق فوجی للکار رہے تھے کہ وہ اپنے مقتولوں کا بدلہ لیں گے۔ شہر میں بھی یہی افواہ گردش کر رہی تھی کہ حاضر فوجیوں نے سابق فوجیوں کے تین آدمی قتل کر دیئے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ غلط ہے۔ بعض جگہوں پر شہری ایک دوسرے سے الجھ بھی پڑے۔

ابھی کسی کے ذہن میں شک تک نہیں آیا تھا کہ یہ آگ لگانے والے باہر کے لوگ ہیں اور وہ ایسی صورتِ حال پیدا کرنا چاہتے ہیں جو ہو چکی ہے۔ یہ افواہیں حسن بن صباح کے آدمی پھیلا رہے تھے۔

سپہ سالار حجازی کے ساتھ وزیراعظم بھی خیموں کی بستی میں گیا اور اس نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کو ٹھنڈا کیا اور کہا کہ قاتل بچ کر نہیں جائیں گے۔

○

حسن بن صباح کا ڈنکا دور دور تک بجنے لگا تھا۔ اس کی مقبولیت بڑی تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ اس تبلیغ کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ وہ کسی قبیلے کے سردار کو حوروں جیسی حسین لڑکیوں اور حشیش کے ذریعے اپنے دامِ کفر میں پھانس لیتا تھا۔ پھر اسے یہ تاثر دیتا کہ اسے اسلام سے خارج نہیں کرایا جا رہا بلکہ اسلام کے دائرے میں لایا جا رہا ہے۔ حسن بن صباح نے جو دائرہ بنا رکھا تھا اسے وہ اسلام ہی کہتا تھا لیکن اس میں ہر گناہ کی کھلی اجازت تھی۔ قبیلے کے اس سردار کو وہ ذہنی اور روحانی طور پر اپنی بڑی ہی خوبصورت اور چمکتی ہوئی زنجیروں میں جکڑ لیتا اور پھر اس سے اس قبیلے کو حکم دلواتا کہ وہ سب باطنی عقیدے کے قائل ہو جائیں اور حسن بن صباح کو اپنا امام یا نبی مان لیں۔

اگر کسی قبیلے کے سردار نے اس کی مخالفت کرنے کی کوشش کی تو اسے حسن بن صباح نے اپنے فدائین کے ہاتھوں قتل کروا ڈالا۔ پھر اس قبیلے کو ایسے شعبدے دکھائے

Scanned by iqbalmt

کہ لوگوں نے اس کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ اس کے ابلیسی عقائد کے فروغ اور مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے صرف سلطنتِ سلجوقیہ کی طرف سے خطرہ تھا لیکن اس کے ابلیسی دماغ نے ایسی زمین دوز چالیں چلیں کہ اس سلطنت کے حکمران طبقے کو آپس میں ہی ٹکرا دیا اور وہاں خانہ جنگی کا بیج بو ڈالا جو پھوٹ کر باہر نکلا اور ہرا بھرا ہو کر پھیل رہا تھا۔ اصفہان تو باطنیوں کا ہی شہر بنتا جا رہا تھا۔ پھر وہ رات آئی جس رات فوج نے ہر طرف کیے ہوئے فوجیوں کے خیموں کو محاصرے میں لینا اور خیموں میں سوئے ہوئے آدمیوں کو جگا کر ایک جگہ کھڑا کرنا تھا۔ آدھی رات کا وقت ہو گا جب وزیراعظم عبدالرحمٰن سمیری اور سپہ سالار ابو جعفر حجازی فوجیوں کی بارکوں میں پہنچ گئے۔ فوج کو بتا دیا گیا تھا کہ رات کو خیموں کے پورے علاقے کو محاصرے میں لینا ہے۔ فوجیوں کو بڑی سختی سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ باہر کے کسی بھی شخص کو نہ بتائیں کہ آج رات کیا ہونے والا ہے۔

فوج تیار ہو کر باہر ایک ترتیب میں کھڑی تھی۔ پہلے وزیراعظم سمیری نے ان فوجیوں سے خطاب کیا۔ اس نے کہا کہ عہدے دار کے قاتل اور اوریزی کو محافظوں سے رہائی دلانے والے انہی آدمیوں میں سے ہیں۔ انہیں شناخت کرنا ہو گا پھر سپہ سالار حجازی نے فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے چند ایک باتیں کیں۔

فوج چل پڑی۔ اس فوج کے پاس تلواریں بھی تھیں اور برچھیاں بھی۔ بعض سپاہیوں کے پاس مشعلیں بھی تھیں جنہیں حکم ملنے پر جلانا تھا۔ ان فوجیوں کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ کوئی حملہ نہیں بلکہ اس محاصرے کا مطلب کچھ اور ہے اس لئے کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ فوجی خود بھی جانتے تھے کہ جنہیں وہ محاصرے میں لینے جا رہے ہیں وہ نہتے ہیں اور برچھیوں اور تلواروں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں۔

یہ فوجی پیدل جا رہے تھے۔ ان کی بارکیں شہر کے ایک طرف تھیں اور خیمے شہر کے دوسری طرف اور شہر سے ہٹ کر تھے۔ فوجیوں نے مکمل خاموشی اختیار کر کے جانا تھا تاکہ جنہیں محاصرے میں لینا تھا' وہ بیدار نہ ہو جائیں۔ سپہ سالار حجازی ان کے ساتھ تھا۔ وزیراعظم پیچھے رک گیا تھا۔ اس نے اس کارروائی کی نگرانی کرنی تھی۔

فوج خیمہ گاہ سے کچھ دور ہی محاصرے کی ترتیب میں ہو گئی اور پھر اس نے خیمہ گاہ

کی طرف پیش قدمی شروع کی خیمہ گاہ کے قریب پہنچ کر جس طرح انہیں پہلے بتا دیا گیا تھا' فوج رک گئی۔

صرف ایک مشعل بردار سپاہی کو کہا گیا کہ وہ مشعل جلا لے' یہ سپاہی سپہ سالار حجازی کے ساتھ تھا۔ حجازی نے ہی اسے مشعل جلانے کو کہا تھا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ جس جس سپاہی کے پاس مشعل ہے وہ جلا لیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں مشعلیں جل اُٹھیں اور رات دن میں تبدیل ہو گئی۔ خیموں میں سابق فوجی اتنی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ کسی ایک کی بھی آنکھ نہ کھلی۔ اگلا اشارہ ملا تو فوجی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ انہیں تلواریں نیاموں سے نکالنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی نہ ہی برچھیاں لڑائی کے انداز میں تان کر آگے بڑھنا تھا کیونکہ یہ حملہ نہیں تھا۔

پہلے خیمے کے پردے اٹھائے گئے اور مشعل کی روشنی میں اندر دیکھا گیا تو وہاں کوئی ایک بھی آدمی نہیں تھا جس خیمے کو بھی دیکھا گیا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اچانک عقب سے دوڑتے قدموں کی آوازیں اس طرح سنائی دیں جیسے طوفان آ رہا ہو اور اس کے آگے نہ جانے کیا کیا اُڑتا اور بہتا آ رہا ہو۔ پیشتر اس کے کہ فوجی سمجھ پاتے کہ یہ کیا آ رہا ہے' ان پر حملہ ہو گیا۔

حملہ اس نوعیت کا تھا کہ ایک ایک فوجی کو ایک ایک دو دو آدمیوں نے پیچھے سے پکڑ لیا۔ کسی نے کسی فوجی کی تلوار نکال لی اور کسی نے مشعل بردار سپاہی سے مشعل چھین لی۔ یہ بڑی مشعلیں تھیں جو ڈنڈوں کے اوپر کپڑے باندھ کر اور اس پر تیل ڈال کر جلائی گئی تھیں۔ فوجی جو ذرا سنبھل گئے یا بروقت چوکنے ہو گئے تھے' انہوں نے تلواریں نکال لیں اور جن کی تلواریں چھینی گئی تھیں انہوں نے لڑائی کے انداز میں برچھیاں تان لیں۔ اس کے بعد بڑی ہی خونریز جھڑپ ہوئی۔ بعض فوجیوں کو ان سے چھینی ہوئی مشعلوں سے ہی جلا دیا گیا۔ ان کے کپڑوں کو آگ لگی تو وہ اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگے اور جل کر گرتے رہے۔

سپہ سالار حجازی حیران اور پریشان ہو گیا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ اس کے لئے اس صورتِ حال پر قابو پانا ناممکن تھا وہ بارکوں کی طرف بھاگا۔ اس کے دو محافظ اس کے ساتھ تھے۔ دوڑتے دوڑتے وہ بارکوں میں پہنچا اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو کر فوراً" خیمہ گاہ میں پہنچے۔

Scanned by iqbalmt

یہ حکم دے کر وہ اس جگہ پہنچا جہاں وزیرِاعظم نے اسے کہا تھا کہ وہ موجود رہے گا۔ اس نے وزیرِاعظم کو بتایا کہ وہاں تو کچھ اور ہی ہو گیا ہے۔ خیمے خالی تھے اور فوج پر پیچھے سے حملہ ہو گیا۔ حجازی نے یہ بھی بتایا کہ وہ مزید فوج بھیج رہا ہے۔

"میں جان گیا ہوں" ___ وزیرِاعظم سمیری نے کہا ___ "تمہاری یہ کارروائی راز میں نہیں رہ سکی۔ کسی مخبر نے قبل از وقت خیمہ گاہ میں یہ راز پہنچا دیا ہو گا۔"

وزیرِاعظم سپہ سالار حجازی کے ساتھ خیمہ گاہ کی طرف چلا گیا۔ خیمہ گاہ سے شعلے اٹھ رہے تھے جن کی روشنی شہر میں آ رہی تھی۔ بعض شہری جاگ اٹھے اور چھتوں پر جا کر دیکھنے لگے کہ یہ آگ کہاں لگی ہوئی ہے۔ سپہ سالار حجازی اور وزیرِاعظم نے دور سے ہی خیمہ گاہ دیکھ لی۔ وہاں تو باقاعدہ میدانِ جنگ جیسی لڑائی ہو رہی تھی اور شعلے جو اٹھ رہے تھے یہ جلتے ہوئے خیموں کے تھے۔ مشعلیں بھی لڑائی میں ہتھیاروں کے طور پر استعمال ہو رہی تھیں۔ بعض سپاہیوں کے ہاتھوں سے مشعلیں خیموں کے اوپر یا اندر گریں تو چند ایک خیمے جلنے لگے۔

اُدھر سے مزید فوج برچھیوں اور تلواروں سے مسلح سرپٹ دوڑتی آ رہی تھی۔ جب یہ فوج میدانِ جنگ میں پہنچی تو وہاں لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ صرف یہ نظر آیا کہ کچھ آدمی جنگل کی طرف دوڑے جا رہے تھے اور ذرا آگے جا کر غائب ہو گئے۔ کسی فوجی نے ان کا تعاقب نہ کیا۔

سپہ سالار حجازی اور وزیرِاعظم نے خیمہ گاہ میں جا کر دیکھا۔ وہاں فوج کے زخمی تڑپ رہے تھے اور ان کے ساتھ لاشیں بھی پڑی تھیں۔ یہ لاشیں فوجیوں کی بھی تھیں اور ان کی بھی جو فوجی نہیں تھے۔ کچھ دیر بعد یہ راز کھلا کہ یہ وہ فوجی تھے جنہیں فوج سے نکالا جا رہا تھا اور وہ ان خیموں میں رہتے تھے۔

تاریخ کے مطابق' یہ راز صرف وزیرِاعظم سمیری کو معلوم تھا کہ یہ ہُوا کیا تھا۔ حملہ تو فوج کرنے گئی تھی لیکن حملہ اُس پر ہو گیا۔ اس لڑائی کے پیچھے وزیرِاعظم کا اپنا ہاتھ تھا۔ جن مؤرخوں نے یہ واقعہ لکھا ہے وہ اُس دور کے دستاویزی حوالے دے کر لکھتے ہیں کہ برطرف کیے جانے والے فوجیوں میں اوریزی کے علاوہ ایک اور سالار اور ایک نائب سالار اور چند ایک تجربہ کار عہدے دار تھے۔ وزیرِاعظم سمیری نے انہیں وقت سے خاصا پہلے اپنے مخبروں کے ذریعے بتا دیا تھا کہ آج رات آدھی رات کے وقت انہیں محاصرے

لے کر جگایا جائے گا اور ان میں سے ان آدمیوں کو شناخت کیا جائے گا جنہوں نے اوریزی کو رہا کرایا تھا۔

وزیرِاعظم سمیری نے انہیں یہ طریقہ بتایا تھا کہ جب سارا شہر سو جائے تو یہ تمام برطرف شدہ فوجی ایک ایک دو دو کر کے خیمہ گاہ سے نکل جائیں اور قریب ہی کہیں جا کر چھُپ جائیں۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اتنے تھوڑے سے وقت میں پندرہ سولہ ہزار تلواریں فراہم نہیں کی جا سکتی تھیں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ فوج اپنی تلواریں نیاموں میں رکھے گی اور فوج کا ارادہ لڑائی کا نہیں ہو گا۔ سابق فوجیوں کو یہ کہا گیا کہ وہ اُس وقت خالی ہاتھ ان فوجیوں پر حملہ کریں جب وہ خیموں میں رہنے والوں کو جگانے جائیں اور ان کی نیاموں سے تلواریں کھینچ لیں اور مشعلیں بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور پھر یہ نہ دیکھیں کہ فوج کا ارادہ لڑنے کا تھا یا نہیں۔ انہیں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ وہ لڑائی کے بعد خیمہ گاہ میں نہ آئیں۔ دور پیچھے جنگلوں میں اور پہاڑی علاقے میں چلے جائیں۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ انہیں اکٹھا کر لیا جائے گا اور پھر بتایا جائے گا کہ وہ کیا کریں گے۔

وزیرِاعظم کا یہ منصوبہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ جب فوج کی کمک پہنچی تو وہاں زخمیوں اور لاشوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا یا جلتے ہوئے خیمے تھے۔

○

فوج کی کمک جو لڑنے کے لئے آئی تھی' وہ لاشوں اور زخمیوں کو اٹھانے میں مصروف ہو گئی۔ سپہ سالار حجازی بار بار وزیرِاعظم سمیری سے پوچھتا تھا کہ آخر یہ ہُوا کیسے؟ وزیرِاعظم ہر بار گردن کو ذرا سا خم دے کر سر کے اشارے سے یہ تاثر دیتا کہ وہ حیران ہے۔

صبح سویرے سویرے سپہ سالار حجازی اور وزیرِاعظم سمیری سلطان برکیارق کے محل کے باہر اس کے جاگنے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت دیر بعد انہیں اندر بلایا گیا۔

وہ جب اندر گئے تو سلطان برکیارق ابھی تک بستر میں تھا۔

"رات کا کام ٹھیک ہو گیا؟" ___ سلطان نے پوچھا ___ "کچھ آدمی پہچانے گئے یا نہیں؟"

"وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور بن گیا ہے سلطانِ محترم!" ___ وزیرِاعظم سمیری نے کہا

Scanned by iqbalmt

—"فوج گئی تو تمام خیمے خالی تھے۔ فوج خیموں کو دیکھ ہی رہی تھی کہ ہر طرف سے فوج پر حملہ ہو گیا"۔

سلطان برکیارق جو غنودگی کی کیفیت میں بول رہا تھا' بڑی تیزی سے اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑے ہوئے سپہ سالار حجازی اور وزیراعظم کو دیکھنے لگا — "کیا کہہ رہے ہو تم؟" — سلطان برکیارق نے حیرت زدہ سرگوشی سے پوچھا — "یا شاید میں ابھی تک نیند میں ہوں اور تمہاری بات سمجھا نہیں!"

"نہیں سلطانِ محترم!" — وزیراعظم نے کہا — "آپ ٹھیک سن رہے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو تو خیمہ گاہ میں چل کر دیکھیں وہاں آپ کو خون اور جلے ہوئے خیموں کی راکھ نظر آئے گی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ابھی تک ہو رہی ہے"۔

"لیکن یہ سب ہُوا کیسے؟" — سلطان برکیارق نے کہا — "میرے اس حکم سے آپ دونوں واقف تھے۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ خیموں میں رہنے والوں کو قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ میں نے کیا حکم دیا ہے۔ انہوں نے یہ جوابی وار کیا کہ محاصرے سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے اور فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ مجھے یہ بتائیں کہ انہیں یہ اطلاع کس نے دی تھی؟"

"سلطانِ محترم!" — وزیراعظم نے کہا — "ایک انسان اور ہے جسے آپ کے اس حکم کا علم تھا..... آپ کی بیگم محترمہ..... لیکن میں ان پر شک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا"۔

"اور نہ ہی اس پر شک کیا جا سکتا ہے" — سلطان برکیارق نے کہا۔

"یہ کارستانی اور ہی کی معلوم ہوتی ہے" — سپہ سالار حجازی نے کہا۔

"لیکن اس تک یہ خبر کس طرح قبل از وقت پہنچی؟" — سلطان برکیارق نے غصے سے کہا — "مجھے اس سوال کا جواب چاہئے"۔

اس سوال کا جواب ملنا ناممکن تھا۔ روزینہ بھی وہاں موجود تھی۔ وہ سلطان برکیارق کی نسبت زیادہ پریشانی کا اظہار کر رہی تھی لیکن دلی طور پر وہ خوش اور مطمئن تھی کہ جو صورتِ حال حسن بن صباح پیدا کروانا چاہتا تھا وہ پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے سلطان سے کہا کہ اب یہ معلوم کرنا کہ اس کے حکم کی بھنک کس طرح خیمہ گاہ میں پہنچ گئی تھی' بے کار ہے اور وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اب کرنے والا کام یہ ہے کہ فوج کو باہر نکال کر ان لوگوں

کے تعاقب اور تلاش میں بھیجا جائے۔ وہ لوگ جہاں کہیں بھی ہوں ان پر زوردار حملہ کر کے ان کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے۔

"ہمیں یہی کارروائی کرنی چاہئے" — سپہ سالار حجازی نے کہا — "اگر ہم یہاں سوچتے رہے اور باتیں کرتے رہے تو وہ لوگ بکھر کر اِدھر اُدھر ہو جائیں گے اور اپنے اپنے گھروں کو جا پہنچیں گے۔ پھر ہم انہیں کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ انہیں فوراً پکڑ کر سزا دینی چاہئے"۔

"ہاں' ہمیں یہی کرنا چاہئے" — سلطان برکیارق نے کہا — "حجازی! تم فوراً جاؤ اور یہ کارروائی شروع کر دو"۔

○

شہر میں بھی خبر پھیل گئی تھی کہ رات سابق فوجیوں کی خیمہ گاہ میں بڑی خونریز لڑائی ہوئی ہے۔ طبیب نے جو حسن بن صباح کے اس مشن کو چلا رہا تھا' اپنے آدمیوں کو پہلے ہدایات دے دی تھیں۔ ان کے مطابق ان باطنیوں نے شہر میں یہ افواہ پھیلا دی کہ رات فوج نے نہتے لوگوں پر اُس وقت حملہ کیا ہے جب وہ سوئے ہوئے تھے۔ اس افواہ نے پورا پورا کام کیا اور لوگوں میں سلطان کی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہونے لگی اور ہر کوئی سلطان کو اور فوج کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

لوگ خیمہ گاہ تک پہنچے تو انہیں وہاں جلے ہوئے خیمے نظر آئے اور ہر طرف خون بکھرا اور جما ہُوا دیکھا۔ زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا کر لے گئے تھے۔

وزیراعظم عبدالرحمن سمیری کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ شہر میں جو افواہیں پھیل گئی ہیں وہ حسن بن صباح کی طرف سے پھیلائی گئی ہیں۔ وزیراعظم نے اپنے خفیہ آدمیوں کے ذریعے بھی شہریوں کو فوج اور سلطان کے خلاف کرنے کے لئے ایسی ہی افواہیں پھیلا دیں۔ ان سے باطنیوں کے محاذ کو تقویت ملی۔ وزیراعظم جو کچھ زیرِ زمین ہو کر کر رہا تھا وہ اسلام اور سلطان کے مفاد کے لئے ضروری تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ سلطان برکیارق سلطانی چھوڑ دے اور اس کی جگہ محمد کو سلطان بنایا جائے تاکہ روزینہ کی صورت میں سلطنت پر جو آسیب طاری ہو گیا ہے وہ اتر جائے۔ وزیراعظم کو اتنا ہی معلوم تھا کہ سلطان برکیارق پر صرف روزینہ غالب ہے۔ یہ حسن بن صباح کی ٹریننگ کا کمال تھا کہ اس کے فدائی اور دیگر پیروکار کسی کو اپنی موجودگی اور تخریبی سرگرمیوں کا پتہ ہی نہیں

Scanned by iqbalmt

چلنے دیتے تھے۔

مزمل رے کے حاکم ابو مسلم رازی کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسے مرو کے حالات بتا دیئے تھے۔

"میں پوری طرح تیار ہوں" ___ ابو مسلم رازی نے کہا ___ "ایک تو میرے پاس اپنی کچھ فوج ہے جو کافی تو نہیں لیکن تجربہ کار اور جذبے والی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے شہریوں کو تیار کر رکھا ہے۔ جونہی ضرورت محسوس ہوئی یہاں سے اچھا خاصا لشکر روانہ کر دوں گا اور اگر میری ضرورت محسوس ہوئی تو میں بھی آ جاؤں گا"۔

انہیں ابھی معلوم نہیں ہُوا تھا کہ پیچھے مرو میں کیسا خونریز واقعہ ہو گیا ہے۔ مزمل اسی روز وہاں سے واپس چل پڑا۔ ابو مسلم رازی نے اسے محمد اور وزیراعظم سمیری کے لئے ایک پیغام اور کچھ ہدایات دی تھیں۔

مزمل جب واپس آ رہا تھا تو تقریباً" نصف راستے میں اسے ایک اور آدمی ملا جس کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس نے مزمل کو بتایا کہ وہ ابو مسلم رازی کے لئے ایک اور پیغام لے جا رہا ہے۔ اس نے مزمل کو تفصیل سے سنایا کہ فوج نے خیمہ گاہ پر حملہ کیا ہے اور بڑی خونریز لڑائی ہوئی ہے اور اب فوج ان بر طرف شدہ فوجیوں کی تلاش میں جا رہی ہے۔

مزمل اس آدمی کے ساتھ واپس رے کی طرف چل پڑا۔ وہ ابو مسلم رازی سے اس نئی صورتِ حال کے سلسلے میں ہدایات لینا چاہتا تھا۔

فاصلہ خاصا زیادہ تھا۔ یہ دونوں رات کے وقت ابو مسلم رازی کے ہاں پہنچ گئے۔ رازی کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو انہیں فوراً" اندر بلا لیا گیا۔ قاصد نے اسے مرو کی نئی صورتِ حال سنائی۔ اس قاصد کو وزیراعظم سمیری نے بھیجا تھا۔

یہ ایک بڑا ہی اہم اور تاریخی واقعہ تھا جس نے اسلام اور سلطنتِ سلجوقیہ کو بڑے خطرناک دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ مؤرخوں نے اس واقعہ کی زیادہ تفصیلات نہیں لکھیں البتہ ابنِ اثیر اور ایک یورپی مؤرخ نے کچھ حالات بیان کئے ہیں۔ ان سے یہ صورت سامنے آتی ہے کہ ابو مسلم رازی نے اپنی فوج اور شہریوں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس اجتماع سے خطاب کیا۔

"اسلام کے شیدائیو! شمعِ رسالت کے پروانو!" ___ ابو مسلم رازی نے انتہائی بلند

آواز میں کہا ___ "تمہاری آزمائش کا اور ایثار کا وقت آ پہنچا ہے۔ مرو میں نہتے لوگوں پر سلطان کی فوج نے حملہ کر کے قتلِ عام کیا ہے۔ اس خونریزی کے پیچھے حسن بن صباح کے باطنیوں کا ہاتھ ہے۔ سلطان برکیارق کی بیوی باطنی ہے اور وہ حسن بن صباح کی بھیجی ہوئی ہے۔ اس نے سلطان کو نشہ پلا پلا کر اور اس پر اپنے حُسن کا نشہ طاری کر کے دماغی طور پر بے کار کر دیا ہے۔ سلطان کے ایوان سے جو حکم جاری ہو رہے ہیں وہ سلطان کی بیوی سلطان کی زبان سے جاری کرتی ہے۔ وہاں بھائی کو بھائی سے لڑوایا جا رہا ہے اور شہر میں اتنے زیادہ باطنی آ چکے ہیں کہ ہمارے اس دارالسلطنت پر باطنی قابض ہو گئے ہیں۔ یہاں سوال صرف سلطنت کا نہیں بلکہ تمہارے دین اور ایمان کا سوال ہے۔ اسلام کے نور کو ہمیشہ کے لئے بجھایا جا رہا ہے۔ اگر تمہیں اپنا دین اور اپنا ایمان عزیز ہے تو اللہ کا نام لے کر اٹھو اور باطل کی اس قوت کو اُسی طرح کچل کر رکھ دو جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے روم اور فارس کی ہیبت ناک قوتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اس سلطنت پر حسن بن صباح کا قبضہ ہو گیا تو تمہاری بیٹیاں اور بہنیں اٹھا لی جائیں گی اور تم جانتے ہو کہ انہیں کس طرح اور کہاں کہاں استعمال کیا جائے گا۔ اگر تم میں غیرت ہے تو مسلح ہو کر باہر آ جاؤ اور اپنے سروں پر کفن باندھ لو۔ اپنے دین کو اور اپنی عزت کو شیطانی فرقے سے بچاؤ۔ تم پر ایک شیطانی قوت قابض ہونا چاہتی ہے۔ میں ایک لشکر مرو روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو فوج ہے لیکن یہ کافی نہیں۔ جو غیر فوجی اس لشکر کے ساتھ جانا چاہتے ہیں وہ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو جائیں۔ انہیں ہتھیار ملیں گے اور ساری سہولتیں ملیں گی' البتہ گھوڑے خود لائیں گے جو ان کی اپنی ملکیت میں رہیں گے"۔

ابو مسلم رازی کے بولنے کے انداز میں جہاں جوش و خروش اور دینِ اسلام کی تپش تھی وہاں اس کا انداز بار بار جذباتی ہو جاتا تھا اور دو تین مرتبہ اس پر رقت بھی طاری ہو گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے آدھے شہری ایک طرف ہو گئے۔ وہ حسن بن صباح اور اس کے باطنی فرقے کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ ہر طرف سے جہاد جہاد کی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ اردگرد کے مکانوں کی چھتوں پر عورتیں کھڑی تھیں۔ انہوں نے بھی ابو مسلم رازی کا خطاب سنا تھا۔ انہوں نے بھی نعروں کی زبان میں اپنے مردوں کی حوصلہ افزائی

Scanned by iqbalm

شروع کر دی۔

"امیر شہر رازی!" — ایک چھت سے ایک عورت کی بڑی بلند آواز آئی — "اگر معاملہ لڑائی کا ہے تو وہاں عورتوں کی بھی ضرورت ہو گی۔ زخمیوں کو اٹھانا' ان کی مرہم پٹی اور پانی پلانا عورتوں کا کام ہے۔ ہمیں بھی اس لشکر کے ساتھ بھیج دیں"۔

"اگر نفری کم ہے تو ہم بھی لڑ سکتی ہیں" — دوسری عورت کی آواز آئی۔

"نہیں' ابھی نہیں!" — ابو مسلم رازی اپنا گھوڑا اس چھت کے قریب دوڑاتا لے گیا اور رک کر بلند آواز سے کہا — "جب تک مرد زندہ ہیں' عورتوں کو باہر نہیں نکالا جائے گا۔ تم مستورات صرف یہ کام کرو کہ اپنے بچوں کو بتاؤ کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کے دشمن کون ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ میری بیٹیوں اور بہنوں میں جہاد کا جذبہ جوش مار رہا ہے۔ تم گھروں میں رہ کر اپنے ان مجاہدوں کے لئے دعا کرتی رہنا"۔

ابو مسلم رازی کو شاید معلوم ہی ہو گا کہ جن شہریوں کو اکٹھا کر کے وہ جوش دلا رہا تھا ان میں حسن بن صباح کے فدائین' جاسوس اور دیگر پیروکار بھی موجود تھے۔ ابو مسلم رازی نے اپنے علاقے میں مسجدوں کے اماموں کے ذریعے حسن بن صباح اور اس کے ابلیسی عقیدے کے خلاف نفرت پیدا کر دی تھی۔ اس نے جامع مسجد کے خطیب اور دوسری مسجدوں کے اماموں کو حکم دے رکھا تھا کہ حسن بن صباح کے خلاف بولتے رہا کریں اور لوگوں کے دلوں پر نقش کر دیں کہ حسن بن صباح سراپا ابلیس ہے اور وہ اسلام کا بدترین دشمن ہے۔

○

دو تین دنوں بعد رے سے اور شہریوں کی کچھ نفری کا ایک لشکر چلا لیکن اسے مرو نہیں پہنچنا تھا بلکہ مرو کے قریب ایک پہاڑی علاقے میں چھپ کر رہنا تھا۔ مزمل اور دوسرا قاصد اس لشکر کے ساتھ تھا۔ یہ لشکر اگلے روز اس مقام تک پہنچا جہاں اسے پہنچنا تھا۔ فوج میں دو تجربہ کار سالار تھے جن کا جذبہ ان کے تجربے سے زیادہ تیز تھا۔

مزمل مرو پہنچا اور سید حامد کے پاس گیا۔ وزیر اعظم سمیری کے پاس براہ راست جانا مناسب نہیں تھا۔ اس نے محمد کو بتایا کہ ابو مسلم رازی نے ایک لشکر دیا ہے جو فلاں مقام تک پہنچ گیا ہے اور اسے اگلے حکم کا انتظار ہے۔

"وزیر اعظم نے تمام انتظامات اتنی خوبی سے خفیہ طور پر مکمل کر دیئے ہیں کہ اس لشکر تک یہ ہدایات پہنچ جائیں گی کہ انہیں کیا کرنا ہے" — محمد نے کہا — "میں اسی انتظار میں تھا کہ ابو مسلم رازی کوئی لشکر بھیج دیں۔ معلوم نہیں انہوں نے ہتھیاروں کا الگ ذخیرہ بھیجا ہے یا نہیں"۔

"بھیجا ہے" — مزمل نے جواب دیا — "بے شمار اونٹوں پر تلواریں' برچھیاں' کمانیں اور تیر لدے ہوئے آئے ہیں"۔

"ہمیں ان ہتھیاروں کی ضرورت تھی" — محمد نے کہا — "برطرف کئے ہوئے فوجیوں کو یہ ہتھیار پہنچانے ہیں۔ یہ انتظام موجود ہے کہ ہتھیار ان تک کس طرح پہنچائے جائیں"۔

اتنے دنوں سے سلطان کی فوج شہر سے دور جنگلوں اور پہاڑیوں کے اندر برطرف فوجیوں کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی' برطرف کئے ہوئے فوجی بھی آخر عسکری تجربہ رکھتے تھے انہوں نے سرکاری فوج کو نقصان پہنچانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب سرکاری فوج کا کوئی دستہ پہاڑیوں کے اندر گشت کرتا آگے نکل جاتا تو اس کے پچھلے حصے پر برطرف فوجی حملہ کر دیتے اور چند ایک فوجیوں کو مار کر پہاڑیوں کے اندر ہی اِدھر اُدھر ہو جاتے۔

ان فوجیوں کی کمان اوریزی کے ہاتھ میں تھی۔ اوریزی کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ سرکاری فوج برطرف فوجیوں کی خیمہ گاہ کا محاصرہ کر کے تلاشی لے گی اور کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا جائے گا۔ یہ چال اوریزی کے دماغ کی اختراع تھی کہ خیمہ گاہ شام کے بعد خاموشی سے خالی کر دی جائے اور فوجیوں پر عقب سے حملہ کیا جائے۔

اس کی یہ سکیم کامیاب ہو گئی تو اس نے برطرف فوجیوں کے سالار کو اور دو تین عہدے داروں کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور خبر رسانی کا انتظام بھی کر لیا اور سابقہ فوجیوں کو پہاڑیوں کے اندر اور جنگلوں میں بکھیر دیا۔ اوریزی تک ہر خبر بروقت پہنچ رہی تھی۔ یہ طریقۂ جنگ اسی نے بتایا تھا کہ سرکاری دستوں کے پچھلے حصے پر چھاپہ مارو اور چند ایک آدمیوں کو گھائل کر کے غائب ہو جاؤ۔

سپہ سالار حجازی کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ سلطان برکیارق اسے ہر روز بلاتا اور پوچھتا تھا کہ برطرف فوجیوں کا کچھ سراغ ملا یا نہیں۔ سپہ سالار حجازی منہ لٹکا کر غلاموں کی طرح یہی ایک جواب دیتا تھا کہ ان کا سراغ تو نہیں ملا لیکن وہ ہر روز ہمارے کسی نہ کسی دستے

Scanned by iqbalm

کے چند ایک آدمی مار کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ایک روز تو اس نے یہ بھی بتایا کہ گزشتہ رات ان باغیوں نے فوج پر شب خون مارا ہے اور بہت سا جانی نقصان کر کے غائب ہو گئے ہیں۔

ایک روز محمد کو ابو مسلم رازی کا ایک زبانی پیغام ملا وہ یہ تھا کہ اسے یہ دیکھ کر بہت ہی دکھ ہو رہا ہے کہ ہم لوگ جو سلطنت کو نہیں بلکہ اسلام کو فروغ دے رہے تھے، اب اپنا ہی خون بہا رہے ہیں۔ رازی نے محمد سے کہا تھا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس جائے لیکن یہ خیال رکھے کہ اس کی باطنی بیگم اس کے ساتھ نہ ہو۔ محمد اسے اسلام اور سلطنت کا واسطہ دے کر کہے کہ وہ ہوش میں آئے اور اگر اسلام کے ساتھ اس کی دلچسپی ختم ہو گئی ہے تو اپنی سلطنت کو ہی بچالے۔

ابو مسلم رازی کے قاصد نے محمد سے یہ بھی کہا کہ برکیارق نہ مانے تو اسے بتا دیا جائے کہ وہ سلطانی سے دستبردار ہو جائے یا اپنی باطنی بیوی کو چھوڑ دے۔ اسی سے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور پھر وہی باہمی پیار پیدا ہو جائے گا جو اس لڑکی کے آنے سے پہلے ہُوا کرتا تھا۔

ابو مسلم رازی نے یہ بھی کہا تھا کہ برکیارق نہ مانے تو اسے کہہ دینا کہ وہ نتائج کے لئے تیار رہے اور یہ بھی کہ یہ نتائج اُس کے لئے اور اُس کی باطنی بیوی کے لئے بڑے ہی بھیانک ہوں گے۔

محمد اُسی وقت وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری کے پاس گیا اور اسے ابو مسلم رازی کا یہ زبانی پیغام سنایا۔

"مجھے توقع تھی کہ وہ ایسا پیغام ضرور بھیجے گا" —— وزیرِ اعظم نے کہا —— "اپنے بھائی تک یہ پیغام تم ہی لے جا سکتے ہو۔ میں تو بظاہر اسی کا اور اس کی بیگم کا آدمی ہوں۔ تم سلطان سے ملو اور اس کے ساتھ یہ بات کرو..... میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ وہ ذرا سا بھی اثر قبول نہیں کرے گا بلکہ الٹا تمہیں دھمکیاں دے گا..... بہر حال ہمیں اپنا یہ فرض بھی ادا کر دینا چاہئے کہ ہم نے اسے پہلے خبردار نہیں کر دیا تھا"۔

محمد اسی وقت برکیارق کے پاس چلا گیا۔ اتفاق سے وہ اسے اکیلا مل گیا۔

"دیکھا محمد!" —— برکیارق نے کہا —— "یہاں کیا خون خرابہ ہو رہا ہے؟..... اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہماری ماں اگر لوگوں کو نہ بھڑکاتی تو وہ اور یزی کو آزاد نہ کراتے۔ یہ

سارا خونریز فساد وہیں سے شروع ہُوا ہے"۔

"میرے سلطان بھائی!" —— محمد نے کہا —— "میں آپ کے ساتھ آج آخری بات کرنے آیا ہوں..... ہوش میں آئیں اور دیکھیں یہاں کیا ہو رہا ہے..... خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے۔ یہ رک سکتی ہے۔ یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ خون خرابہ رکے یا بہتا رہے اور اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے"۔

"تم فکر نہ کرو محمد!" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "میں نے فوج بھیج دی ہے اور دو تین دنوں تک باغی پکڑے جائیں گے یا فوج انہیں وہیں ختم کر دے گی"۔

"سلطانِ عالی مقام!" —— محمد نے پُر اعتماد لہجے میں کہا —— "آپ کی فوج کسی ایک باغی کو بھی نہیں پکڑ سکتی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر روز ہماری فوج کے پندرہ بیس آدمی مارے جا رہے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ صاف بات کرتا ہوں۔ اگر آپ سچے دل سے چاہتے ہیں کہ آپس کی قتل و غارت بند ہو جائے اور اسلام کا جھنڈا بلند ہو اور یہ سلطنت قائم رہے تو سلطانی کی گدی سے اُٹھ کر الگ ہو جائیں یا اس باطنی لڑکی روزینہ کو چھوڑ دیں۔ کون نہیں جانتا کہ حکم آپ کی یہ بیگم دیتی ہے لیکن یہ حکم آپ کی زبان سے نکلتا ہے۔ آپ کے لئے اب کوئی اور راستہ نہیں رہا۔ سلطانی چھوڑ دیں یا اس بیوی کو چھوڑ دیں"۔

"ہوش میں آ محمد!" —— سلطان برکیارق نے سلطانوں کے سے لہجے میں کہا —— "پہلے میں نے اپنی ماں کو نظر بند کیا ہے۔ اب ایسا نہ ہو کہ میں اپنے بھائی کو قید خانے میں ڈال دوں۔ میں تمہیں اور سنجر کو چھوڑ دوں گا، اپنی اس بیوی کو نہیں چھوڑوں گا..... اور رہا سوال سلطانی کا، تو یہ میں جانتا ہوں کہ ہماری ماں تمہیں اس گدی پر بٹھانا چاہتی ہے"۔

"ٹھیک ہے سلطانِ محترم!" —— محمد نے کہا —— "آپ کا دماغ آپ کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیا گیا۔ اب میں آپ کو آخری بات کہتا ہوں کہ مجھے آپ قید خانے میں ڈال دیں، جلاد کے حوالے کر دیں لیکن اس سے حالات سُدھریں گے نہیں اور زیادہ بگڑیں گے اور اس کے جو نتائج ہوں گے وہ آپ کے لئے اور آپ کی اس باطنی بیوی کے لئے بڑے ہی بھیانک ہوں گے"۔

محمد اُٹھ کھڑا ہُوا اور وہاں سے نکل آیا۔ واپس آ کر اس نے اپنے چھوٹے بھائی سنجر کو

Scanned by iqbalmt

ساتھ لیا اور دونوں اپنی ماں کے پاس گئے۔ ان کی ماں نظر بند تھی لیکن اس کے یہ دونوں بیٹے اسے مل سکتے تھے۔ محمد نے اپنی ماں کو بتایا کہ ابو مسلم رازی کا کیا پیغام آیا ہے۔ پھر اسے بتایا کہ وہ برکیارق کے ساتھ بات کر کے آ رہا ہے لیکن برکیارق نے اسے قید میں ڈالنے کی اور سزائے موت دینے کی دھمکی دی ہے۔

"مقدس ماں!" ــــ محمد نے کہا ــــ "میں آپ سے اجازت لینے آیا ہوں۔ اب مجھے جہاد پکار رہا ہے۔ آپ اور سنجر یہیں رہیں گے۔ آپ نے ہماری کامیابی کے لئے دعا کرنی ہے اور اس کے سوا کسی اور کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنی نہ کسی کے ساتھ جھگڑا مول لینا ہے۔ صرف ایک عورت نے بھائی کو بھائی کا دشمن بنا ڈالا ہے اور ایک مجاہد قوم کو دو حصوں میں کاٹ کر انہیں آپس میں ٹکرا دیا ہے۔ ان حالات میں مجھے یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ وزیر اعظم عبدالرحمٰن سمیری سے میری بات ہو چکی ہے۔ سالار اوریزی بھی میرا انتظار کر رہا ہے..... میں آج رات غائب ہو جاؤں گا"۔

"تم جہاں بھی جاؤ گے میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی" ــــ ماں نے کہا ــــ "مسلمان مائیں اپنے بیٹوں کو قربان کرتی چلی آئی ہیں' میں اس روایت کو زندہ رکھوں گی۔ تمہارا باپ تمہاری ہی طرح دین دار اور مجاہد تھا۔ اس نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اس نے اپنی جان اس راستے پر دے دی..... جا بیٹے! اللہ تیرے ساتھ ہے"۔

O

پانچ سات دن ہی گزرے ہوں گے کہ ایک رات شہر کے کسی کونے سے آواز آئی کہ شہر کو ایک لشکر نے محاصرے میں لے لیا ہے۔ یہ آواز ذرا سی دیر میں سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ جاگ اٹھے۔

ایک زمانہ گزر گیا تھا کہ یہ شہر محاصرے میں نہیں آیا تھا نہ کوئی ایسا خطرہ تھا اس لئے شہر کے تمام دروازے رات کو کھلے رہتے تھے۔ صرف یہ احتیاط کی جاتی تھی کہ ہر دروازے کے ساتھ ایک دو کمرے تھے جن میں فوجی رہتے تھے۔ انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ رات کو کون اندر آیا ہے اور کون نکل گیا۔ اس رات جب شہر محاصرے میں آ گیا تو ان فوجیوں نے پہلا کام یہ کیا کہ شہر کے تمام دروازے بند کر دیئے اور اپنے سپہ سالار ابو جعفر حجازی کو اطلاع دی۔ حجازی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس نے محاصرے کا لفظ ہی سنا تو ہڑبڑا کر

اٹھا اور شب خوابی کے لباس میں ہی دوڑ پڑا اور شہر پناہ کے ایک بُرج میں جا کھڑا ہُوا۔

"شہر کے دروازے کھول دو" ــــ باہر سے للکار سنائی دی ــــ "نہیں کھولو گے تو ہم دروازے توڑ کر اندر آ جائیں گے پھر ہم کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

فوج کے متعدّد دستے شہر سے دور سابق فوجیوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ اِس وقت کہاں تھے۔ باقی جو فوج تھی اُسے اسی وقت جگا کر شہر پناہ پر چڑھا دیا گیا۔

شہر پناہ برائے نام تھی' یہ کوئی مضبوط قلعہ نہیں تھا۔ فوجیوں نے تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ محاصرہ کرنے والی فوج کی طرف سے ایک بار پھر للکار اٹھی کہ مقابلہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ شہریوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا لیکن سپہ سالار حجازی نے تیر اندازی جاری رکھنے کا حکم دیا۔ حجازی نے للکار کر یہ بھی پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور کس ملک سے آئے ہو۔ اس کا جواب نہ آیا۔ سلطان برکیارق کو اطلاع دی گئی تو وہ اٹھ کر آ گیا اور سپہ سالار حجازی کے ساتھ ایک بُرج میں جا کھڑا ہُوا۔

رات ایسے ہی ایک دوسرے کو للکارتے گزر گئی۔ صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ اپنے ہی لوگ ہیں اور ان میں برطرف کئے ہوئے فوجی بھی شامل ہیں چونکہ شہر کی فوج بہت تھوڑی تھی اس لئے سلطان کے حکم سے شہریوں کو مقابلے کے لئے تیار کیا جانے لگا۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ فوج یا لشکر رے سے آیا ہے اور یہ وہاں کے امیرِ شہر ابو مسلم رازی کا بھیجا ہُوا ہے۔ شہریوں کو یہ خبر ملی تو ان میں سے بہت سے لوگوں نے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ شہری یہ شور کرنے لگے کہ اپنی فوج نے اپنے ہی شہر کو کیوں محاصرے میں لے لیا ہے' اس کی کوئی اور وجہ ہو گی۔

حسن بن صباح کا ایجنٹ طبیب بہت خوش تھا کہ اس کی زمین دوز کوششیں کامیاب ہو گئی ہیں اور باقاعدہ خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے۔ وہ اس پر تو اور ہی زیادہ خوش تھا کہ شہری بھی مقابلے کے لئے تیار ہو گئے ہیں لیکن اس نے دیکھا کہ شہری مقابلے سے انکار کر رہے ہیں کیونکہ انہیں پتہ چل گیا ہے کہ یہ اپنی ہی سلطنت کی فوج ہے۔ طبیب نے دوسری چال چلی' وہ یہ کہ اپنے آدمیوں سے کہا کہ شہر میں یہ افواہ پھیلا دیں کہ رے کا حاکم ابو مسلم رازی باغی ہو گیا ہے اور اس نے امام حسن بن صباح کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اس کی مدد سے اس شہر کو فتح کرنے آیا ہے۔

Scanned by iqbalmt

کچھ ہی دیر بعد یہی افواہ ایک سچی اطلاع اور خبر کی صورت میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ شہری ایک بار پھر جوش و خروش سے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ شہرپناہ پر ایک انسانی دیوار کھڑی ہو گئی شہر سے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔

محاصرہ کرنے والے نہتّے تو نہیں آئے تھے' ان کے پاس بھی کمانیں اور تیروں کا ذخیرہ تھا اور ان کے پاس بڑے ماہر تیرانداز بھی تھے۔ انہوں نے جوابی تیراندازی شروع کی تو دیوار پر لوگ تیر کھا کھا کر گرنے لگے۔ نقصان دونوں طرف سے ہو رہا تھا۔

وزیر اعظم عبدالرحمٰن سمیری نے دیکھا کہ ایک غلط افواہ پھیلا کر شہریوں کو بھڑکایا گیا ہے تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ شہریوں تک یہ خبر پہنچائیں کہ ابو مسلم رازی نے حسن بن صباح کی بیعت نہیں کی بلکہ ہمارا اپنا سلطان اپنی بیوی کے ذریعے حسن بن صباح کا مرید ہو گیا ہے اور اس شہر میں بے شمار باطنی آ گئے ہیں۔

وزیر اعظم کے آدمی بھی خاصے تجربہ کار تھے۔ انہوں نے یہ خبر اپنے طریقے سے پہنچانی شروع کر دی اور اس کے اثرات بھی دیکھنے میں آنے لگے۔ وہ اس طرح کہ کچھ شہری شہر کے دفاع سے منہ موڑ کر نیچے اتر آئے۔

ہُوا یہ کہ کسی طرح سلطان کی اس فوج کو پتہ چل گیا کہ شہر محاصرے میں ہے جو فوج ہر طرف فوجیوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہی تھی اِن دستوں کا کماندار کوئی عقلمند آدمی تھا۔ اس نے اپنے دستے اکٹھے کیے اور انہیں واپس لے آیا۔ اس نے دلیری کا یہ مظاہرہ کیا کہ عقب سے محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار حجازی نے یہ منظر دیکھا تو اس نے یہ حکم دے دیا کہ شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں اور اندر کی فوج اور شہری باہر نکل کر محاصرہ کرنے والوں پر ٹوٹ پڑیں۔

بڑی خونریز لڑائی لڑی گئی اور سورج غروب ہو گیا۔ اندر سے گئی ہوئی فوج اور شہری واپس آ گئے۔ وہ دیکھ نہ سکے کہ ان کے ساتھ ہی حملہ آور فوج یعنی جس لشکر نے شہر کو محاصرے میں لیا تھا وہ بھی شہر میں آ گئے۔ انہوں نے شہر کے تمام دروازوں پر تیل پھینک کر آگ لگا دی۔ اس طرح تمام دروازے جل گئے۔

رات کو شہر میں لڑائی ہی ہوتی رہی اس کے ساتھ ہی حملہ آور لشکر کی طرف سے یہ اعلان ہوتے رہے کہ ہم تمہارے بھائی ہیں' ہمارے خلاف نہ لڑو' ہم باطنیوں کو یہاں سے نکالنے آئے ہیں لیکن لڑائی جاری رہی اور شہری دو حصوں میں تقسیم ہوتے گئے۔

بعض طبیب کی افواہ کو سچ ماننے تھے اور دوسرے دوسری قسم کی افواہ کے قائل ہو گئے لیکن شہر کی گلیوں میں خون بہتا رہا۔

○

پھر دن اور ہفتے گزرتے چلے گئے اور یہ خون بہتا ہی رہا۔

یہ خانہ جنگی تھی جس میں حسن بن صباح کے پیروکار اور تخریب کار تیل ڈالتے رہے اور سلطنتِ سلجوقیہ میں بھائی بھائی کا خون بہاتا رہا۔ تاریخ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سلطانی کی گدّی کی یعنی اقتدار کی خانہ جنگی تھی لیکن مستند اور حقائق پر نظر رکھنے والے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ آگ حسن بن صباح نے لگائی تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان برکیارق مسلسل اپنی بیوی روزینہ کے زیرِ اثر چلا آ رہا تھا۔ احکام روزینہ کے دماغ کی اختراع ہوتے تھے جس کا خفیہ رابطہ ایک عورت کے ذریعے طبیب کے ساتھ تھا اور اسے حسن بن صباح کے احکام اور ہدایات اسی طبیب کی طرف سے اس عورت کی وساطت سے ملتی تھیں۔

سلطان برکیارق کے محل کے اردگرد حفاظتی انتظامات بڑے ہی سخت کر دیئے گئے تھے۔ یہ تو فوراً ہی واضح ہو گیا تھا کہ دو بھائی ایک طرف ہیں اور بڑا بھائی دوسری طرف۔ وزیر اعظم عبدالرحمٰن سمیری کا کردار ڈھکا چھپا رہا۔ وہ بظاہر برکیارق اور روزینہ کا زر خرید غلام بنا رہا لیکن درپردہ وہ محمد اور ابو مسلم رازی کے ساتھ تھا۔ سلطان کے ہاں جو نیا منصوبہ بنتا یا کوئی حکم ملتا' وہ وزیر اعظم ابو مسلم رازی اور محمد تک پہنچا دیا کرتا تھا۔ ان لوگوں کو اور ان کی حامی فوج کو باغی کہا گیا تھا۔ ان باغیوں کا سپہ سالار اوریزی تھا جو بڑا ہی قابل اور قومی جذبے سے سرشار آدمی تھا۔

ایک روز عبدالرحمٰن سمیری نے مزّمل کے ساتھ درپردہ رابطہ کر کے کہا کہ اب وہ شمونہ کو استعمال کرے کیونکہ روزینہ کو قتل کرانا یا اس کا آسیب برکیارق سے اتارنا ممکن نظر نہیں آتا۔ شمونہ فریب کاری اور اداکاری کی ماہر تھی اور جب سے خانہ جنگی شروع ہوئی تھی وہ تڑپتی تھی کہ وہ بھی اس میدان میں کچھ کر کے دکھائے۔ اس کے اندر حسن بن صباح کے خلاف جو انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا تھا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈا نہیں ہُوا بلکہ اور زیادہ بھڑک اٹھا تھا۔ وہ عقل و دانش والی لڑکی تھی۔ وہ جب دیکھتی تھی کہ باطنیوں نے بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیا ہے اور خون بہتا ہی چلا جا رہا ہے تو وہ پنجرے میں

Scanned by iqbalmt

بند پنچھی کی طرح پھڑپھڑاتی اور پنجرہ توڑنے کی ناکام کوشش کرتی تھی۔ آخر مزمل نے اسے بتایا کہ اب وزیرِاعظم سمیری نے اس کے لئے موقع پیدا کر لیا ہے۔

خانہ جنگی کو چھ سات مہینے گزر گئے تھے یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ ابو مسلم رازی سلطان برکیارق کے خلاف اپنی فوج اور اپنے تمام تر وسائل استعمال کر رہا ہے۔ ایک روز وزیرِاعظم سمیری روزینہ کے پاس گیا اور اسے معمول کے مطابق بتایا کہ خانہ جنگی کی صورتِ حال کیا ہے۔

"آج ایک درخواست لے کر آیا ہوں" ——— وزیرِاعظم نے کہا ——— "نیکی کا ایک کام کرنا ہے اور یہ آپ کے اختیار میں ہے"۔

"آپ بتائیں کیا کام ہے؟" ——— روزینہ نے پوچھا ——— "میں آپ کی خدمت نہیں کروں گی تو اور کس کی کروں گی؟"

"اس خانہ جنگی نے تو ملک کا بیڑہ غرق کر دیا ہے" ——— وزیرِاعظم نے کہا ——— "میں ابو مسلم رازی' محمد اور سنجر کو قتل کروانے کا انتظام کر رہا ہوں..... لیکن اس وقت آپ سے ایک اور عرض کرنا چاہتا ہوں' میرا ایک بڑا ہی معزز اور پیارا دوست تھا وہ بیچارہ مارا گیا ہے۔ وہ گھر سے نکلا ہی تھا کہ ایک برچھی جو کسی نے دوسرے کو ماری تھی وہ اسے لگ گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے دو جوان بیٹے تھے۔ دونوں خانہ جنگی میں مارے گئے ہیں۔ اس کی صرف بیوی اور ایک جوان بیٹی بچ گئی ہیں لیکن ان کے گھر میں کھانے کے لئے ایک دانہ بھی نہیں۔ لڑکی جوان ہے اور کچھ زیادہ ہی خوبصورت ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں باغیوں کے ہاتھ چڑھ گئی تو بیچاری کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ آپ کے ہاں نوکروں اور نوکرانیوں کی تو کوئی کمی نہیں لیکن ایک سلجھی ہوئی اور سلیقہ شعار اور خوبصورت کنیز آپ کے پاس ضرور ہونی چاہئے۔ اگر اب میری یہ عرض مان لیں تو میں یہ لڑکی آپ کے حوالے کر دوں۔ اس سے ایک تو آپ کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور سب سے بڑی نیکی تو یہ ہو گی کہ ایک پردہ دار یتیم لڑکی کو سہارا اور پردہ مل جائے گا۔ میں اس لڑکی کی ہر طرح ضمانت دینے کو تیار ہوں"۔

"آپ کو اتنی لمبی بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی" ——— روزینہ نے کہا ——— "اس لڑکی کو ساتھ لے آتے اور میں اسے اپنے پاس رکھ لیتی..... آپ اسے لے آئیں۔ اگر اس کی ماں بھی آنا چاہتی ہے تو آ جائے میں اسے رہائش کے لئے جگہ دے دوں

گی"۔

"نہیں بیگم محترمہ!" ——— وزیرِاعظم نے کہا ——— "اس کی ماں اپنے گھر میں ہی رہنا چاہتی ہے۔ آپ اس کی بیٹی کو رکھ لیں اور کبھی کبھی اسے اپنے گھر جانے کی اجازت دے دیا کریں"۔

اس طرح شمونہ روزینہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے روزینہ کو اپنا نام نگینہ بتایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ رو پڑی اور اپنے باپ اور بھائیوں کو یاد کر کر کے گھر کی باتیں سنانے لگی۔ شمونہ نے ایسی اداکاری کی جیسے وہ بالکل ہی سیدھی سادی اور پردہ نشین لڑکی ہو اور اسے دنیا کی ہوا ہی نہ لگی ہو۔

"آپ مجھے سمجھاتی رہیں کہ میں نے یہاں کیا کرنا ہے" ——— شمونہ نے کہا ——— "میں آپ کی پسند اور مرضی پر پوری اترنے کی کوشش کروں گی۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو یہ سمجھ کر معاف کر دینا کہ میں غریب اور پس ماندہ سے گھرانے کی لڑکی ہوں۔ ایسا شاہانہ گھر تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا"۔

روزینہ کو شمونہ بہت ہی اچھی لگی۔ شمونہ میں اس نے جو سادگی اور بے ساختہ پن دیکھا' وہ تو اسے بڑا ہی پیارا لگا۔ شمونہ کی عمر تو جوانی کی تھی لیکن اس نے شادی نہیں کی تھی اور اپنی صحت کو برقرار رکھا تھا اس لئے وہ اپنی عمر سے کم اور نوجوان لگتی تھی۔ شمونہ کو معلوم تھا کہ روزینہ حسن بن صباح کی تربیت یافتہ لڑکی ہے۔ شمونہ اس تربیت سے بہت اچھی طرح واقف تھی اور اس تربیت کو اس نے عملی زندگی میں بھی استعمال کیا تھا۔ اب وہ اسی تربیت اور تجربے کو روزینہ کو نیچا دکھانے کے لئے استعمال کرنے لگی۔

چند دنوں میں ہی شمونہ نے شاہی طور طریقے سیکھ لئے۔ یہ طور طریقے تو وہ پہلے ہی سے جانتی تھی۔ روزینہ کے دل میں اس نے اپنی جگہ پیدا کر لی۔ ابھی سلطان برکیارق نے شمونہ کو نہیں دیکھا تھا۔ روزینہ نے جب دیکھا کہ شمونہ نے بڑی تیزی سے سارے کام اور انداز وغیرہ سیکھ لئے تو ایک روز اس نے شمونہ کو سلطان برکیارق کے سامنے کیا اور کہا کہ یہ ایک تحفہ ہے جو وہ اسے دے رہی ہے۔

"یہ میری اور آپ کی کنیز ہے" ——— روزینہ نے کہا ——— "اس کا نام نگینہ ہے اور یہ ہے بھی نگینہ"۔

"وہ تو میں نے دیکھ لیا ہے" ——— سلطان برکیارق نے اپنا بازو شمونہ کی طرف پھیلا

Scanned by iqbalmt

کر کہا — "یہاں آؤ..... ہاں اِدھر بیٹھ جاؤ"۔

"نہیں!" — شمونہ نے جھجکنے اور شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا — "میری جگہ آپ کے پلنگ پر نہیں، یہ محترمہ بیگم کی جگہ ہے۔ اگر بیگم اجازت دیں گی تو میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں گی"۔

"میں تمہیں بیگم کی جگہ اپنے پاس نہیں بٹھا رہا" — سلطان برکیارق نے ہنستے ہوئے کہا — "اگر میں تمہیں ایک پھول پیش کروں تو تم اسے ایک بار سونگھو گی تو ضرور"۔

شمونہ نے روزینہ کی طرف دیکھا۔ روزینہ نے مسکرا کر اسے سر سے ہلکا سا اشارہ کیا تو شمونہ پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی تو سلطان برکیارق نے بازو اس کی کمر میں ڈال کر اپنے قریب کر لیا۔

"آپ نے پھول سُونگھ لیا ہے" — شمونہ نے برکیارق کے بازو سے نکل کر اٹھتے ہُوئے کہا — "اب پھول اسی کے پاس جا رہا ہے جس کی ملکیت ہے"۔

روزینہ اور برکیارق نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ شمونہ کا جادو کام کر گیا تھا۔

ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ شمونہ کی حیثیت روزینہ کی نگاہوں میں ایسی ہو گئی جیسے وہ اس کی کنیز نہیں بلکہ ہمراز سہیلی ہو۔ ایک روز شمونہ نے روزینہ سے بڑی سادگی سے پوچھا کہ یہ امام حسن بن صباح کون ہے اور باطنی کسے کہتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے سنا ہے کہ حسن بن صباح امام بھی ہے اور نبی بھی۔ شمونہ نے یہ بھی کہا کہ میں اس کی باتیں سن سن کر دل سے اس کی مرید ہو گئی ہوں۔

روزینہ نے حسن بن صباح کی باتیں شروع کر دیں اور ثابت کر دیا کہ وہ زمین پر امام ہے اور آسمانوں میں نبی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ الموت میں خداوند تعالیٰ نے اسے جنت بنا دی ہے۔ اس طرح روزینہ نے شمونہ کو حسن بن صباح کی ایسی باتیں سنائیں کہ شمونہ جھوم اٹھی۔

"میری یہ خواہش ہے" — شمونہ نے کہا — "ایک بار صرف ایک بار اللہ کے اس مقدس انسان کو دیکھوں...... میں نے پہلے بھی اس کے متعلق ایسی ہی باتیں سنی ہیں۔ کیا آپ مجھے اس کی زیارت نہیں کرا سکتیں؟"

"کیوں نہیں نگینہ!" — روزینہ نے کہا — "کسی وقت تمہاری یہ خواہش بھی

پوری کر دوں گی"۔

اُس روز کے بعد شمونہ اکثر حسن بن صباح کا ذکر چھیڑ دیتی اور اس طرح باتیں کرتی جیسے وہ حسن بن صباح کی عبادت کر رہی ہو۔ اس دوران شمونہ نے وہ عورت دیکھ لی جس کے ذریعے روزینہ طبیب کے ساتھ رابطہ رکھتی اور پیغام دیتی تھی۔ شمونہ وزیراعظم سمیری سے چوری چھپے ملنے کا موقعہ پیدا کر لیا کرتی تھی۔

اب وہ وزیراعظم سے ملی تو اسے کہا کہ شاہی طبیب سے کہیں کہ وہ سفوف مجھے دے دیں۔ یہ بھی کہا کہ سفوف تھوڑا نہ ہو، اچھی خاصی مقدار میں ہونا چاہیے اور طبیب یہ بھی بتا دے کہ ایک وقت میں یہ کتنا استعمال کیا جائے کہ اس کے ذائقے اور بُو کا پتہ نہ چلے۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ مزمل آفندی حسن بن صباح کو قتل کرنے گیا تھا لیکن وہاں سے یہ ارادہ لے کر واپس آیا کہ وہ سلطان ملک شاہ کو قتل کرے گا۔ یہ حسن بن صباح کے ذاتی طلسم کا اور حشیش کا اثر تھا کہ اس کا دماغ ہی ان لوگوں نے الٹا کر دیا تھا۔ سلطان کے طبیب نے اسے کچھ دوائیاں پلا پلا کر ٹھیک کیا تھا اور اس کا دماغ واپس اپنی اصلی حالت میں آ گیا تھا۔ اب شمونہ اس طبیب سے وہی دوائی منگوا رہی تھی۔

وزیراعظم نے اگلے ہی روز شمونہ کو وہ دوائی دے دی جو سفید رنگ کا ایک سفوف تھا۔ وزیراعظم نے یہ بھی بتایا کہ ایک صراحی میں اس کی کتنی مقدار ڈالنی ہے۔

شمونہ دیکھ رہی تھی کہ روزینہ ہر صبح ایک بڑی خوبصورت اور سنہری صراحی میں مشروب ڈالتی تھی اور اس میں کچھ ملاتی تھی۔ شمونہ جانتی تھی کہ یہ صراحی میں کیا ملا رہی ہے۔ روزینہ کو شمونہ پر مکمل طور پر اعتبار آ گیا تھا اس لئے وہ اپنی بیشتر حرکتیں شمونہ سے چھپاتی نہیں تھی۔ اس نے شمونہ سے کہہ رکھا تھا کہ سلطان جب اپنے کام سے واپس آئیں اور وہ موجود نہ ہو تو سلطان کو ایک پیالہ اس مشروب کا پلانا ہے۔

روزینہ اکثر شمونہ کے ساتھ حسن بن صباح اور اس کی جنت کی باتیں کیا کرتی تھی اور شمونہ اس کی یہ باتیں ایسے اشتیاق سے سنا کرتی جیسے اس پر مدہوشی طاری ہوئی جا رہی ہو۔ کبھی شمونہ یہ بھی کہہ دیتی کہ آپ کتنی خوش نصیب ہیں کہ ایسے نبی کی زیارت کر چکی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے اس سرزمین پر اتارا ہے۔ ایک روز روزینہ نے حسبِ معمول صراحی میں مشروب ڈالا اور شمونہ سے کہا کہ یہ سلطان کے

Scanned by iqbalm

کمرے میں رکھ دے۔ شمونہ صراحی لے گئی اور سلطان کے کمرے میں بھی چلی گئی لیکن اس نے صراحی وہاں رکھنے کی بجائے غسل خانے میں لے جا کر نالی میں بہادی۔

شمونہ نے روزینہ کا روز مرّہ کا معمول دیکھ لیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت روزینہ کون سے کمرے میں ہوگی اور وہ کتنی دیر وہاں رہے گی۔ شمونہ نے بڑی تیزی سے ویسا ہی مشروب صراحی میں ڈالا اور شاہی طبیب کا دیا ہُوا سفوف نکال کر ذرا سا صراحی میں ملا دیا اور اسے اچھی طرح ہلایا۔

سلطان برکیارق جب اپنے روز مرّہ امورِ سلطنت سے واپس آیا تو روزینہ دوڑی آئی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اس مشروب کا پیالہ برکیارق کو پلا دیا۔

اُس روز رات سونے تک سلطان برکیارق کو یہی مشروب پلایا جاتا رہا۔ شمونہ دو تین مرتبہ سلطان برکیارق کے کمرے میں گئی۔ ایک بار تو برکیارق نے اسے بلایا تھا اور باقی دو مرتبہ وہ کسی نہ کسی بہانے چلی گئی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سلطان برکیارق کے روّیے میں یا بولنے کے انداز میں کوئی تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ ایک یہ کہ برکیارق دن کے وقت بھی سویا کرتا تھا۔ اُس روز وہ کروٹیں بدلتا رہا اور سو نہ سکا۔

صبح جب شمونہ اپنے روز مرّہ کے کام کاج کے لئے روزینہ کے کمرے میں گئی تو روزینہ نے اسے پہلی بات یہ سنائی کہ سلطان ساری رات بہت بے چین رہے ہیں اور اچھی طرح سو نہیں سکے۔

"بے چین نہ رہیں تو اور کیا کریں" ـــــ شمونہ نے کہا ـــــ "جس سلطان کی سلطنت میں آپس کی قتل و غارت ہو رہی ہو اور خانہ جنگی روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہو، وہ سلطان کیسے سکون سے سو سکتا ہے"۔

○

شمونہ نے اپنا یہ کام جاری رکھا۔ روزینہ مشروب میں نشہ ملا دیتی اور شمونہ وہ صراحی انڈیل کر اور مشروب ڈالتی اور اس میں اپنا سفوف ڈال دیتی۔ وہ سلطان برکیارق میں نمایاں تبدیلی دیکھنے لگی۔

شمونہ نے موقع پیدا کر کے وزیرِ اعظم سمیری کے ساتھ مختصر سی ملاقات کی اور اسے جتایا کہ وہ اپنا کام کر رہی ہے اور سلطان میں تبدیلی آ رہی ہے۔ تبدیلی یہ کہ وہ اب کسی

کسی وقت گہری سوچ میں کھو جاتا اور بات سنجیدگی سے کرتا تھا۔ وزیرِ اعظم نے اسے یہ نئی بات بتائی کہ طبیب نے کہا ہے کہ جس مشروب میں کوئی نشہ خواہ وہ حشیش ہی ہو، ملا ہُوا ہو، اس میں یہ سفوف معمول کی دوگنی مقدار سے ڈال دو تو بھی نشہ اثر نہیں کرتا۔

طبیب کی یہ ہدایت شمونہ کے لئے بڑی آسان تھی۔ روزانہ مشروب غسل خانے کی نالی میں گرانا خطرناک تھا۔ وہ کسی بھی وقت پکڑی جا سکتی تھی۔ اس نے اب یہ طریقہ اختیار کیا کہ روزینہ نشے والا مشروب صراحی میں ڈالتی تو شمونہ اس میں اپنا سفوف زیادہ مقدار میں ملا دیتی۔

خانہ جنگی دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ سرکاری فوج لڑ تو رہی تھی لیکن اس کی طاقت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس فوج کو باطنیوں نے مسلمانوں کے روپ میں پورا کیا اور اس میں شامل ہو گئے تاکہ یہ آگ جلتی رہے۔ امن و امان تباہ ہو گیا تھا۔ لوگوں کو کھانے کے لئے اناج بھی نہیں ملتا تھا۔ جو لوگ نہ سرکاری فوج کے ساتھ تھے نہ باغیوں کے ساتھ تھے، وہ تو ڈر کے مارے باہر ہی نہیں نکلتے تھے۔ باطنی شہر میں پھرتے چلے جا رہے تھے اور صاف نظر آنے لگا تھا کہ کسی بھی دن حسن بن صباح یہاں آن دھمکے گا اور سلطان کی گدّی پر بیٹھ کر سلطان برکیارق کو قتل کر دے گا۔

ایک روز شمونہ وزیرِ اعظم سے ملی اور اسے کہا کہ وہ طبیب سے کوئی ایسا زہر لا دے جو جسم میں جاتے ہی جسم کو بے جان کر دے..... وزیرِ اعظم نے اُسی روز ایک زہر شمونہ کو دے دیا جو شمونہ نے اپنے پاس چھپا کر رکھ لیا۔

○

ایک روز سلطان برکیارق نے اپنے آرام والے کمرے میں ہی وزیرِ اعظم سمیری کو بلایا۔ وزیرِ اعظم فوراً پہنچا۔

"کیا آپ نے خانہ جنگی کو روکنے کا کوئی طریقہ نہیں سوچا؟" ـــــ سلطان برکیارق نے عجیب سی بے بسی کے لہجے میں پوچھا اور آہ بھر کر بولا ـــــ "محترم سمیری! آپ میرے باپ ہیں۔ کوئی حل نکالیں۔ یہ خون میرے دماغ کو چڑھ رہا ہے"۔

عبدالرحمان سمیری سلطان برکیارق کی یہ بات سن کر حیران تو ہُوا ہی تھا لیکن اسے حیرت اس کے لہجے سے ہوئی۔ وہ تو غنودگی کی حالت میں بولا کرتا تھا یا اس کے لہجے میں رعونت ہوتی تھی۔ پھر وزیرِ اعظم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ روزینہ کمرے میں داخل ہوئی

Scanned by iqbalmt

تو سلطان برکیارق نے اسے کہا کہ تم ذرا باہر ٹھہرو۔ روزینہ نے آنکھیں پھاڑ کر سلطان برکیارق کی طرف دیکھا اور اندر آ گئی۔ وہ جب بھی دیکھتی کہ یہ سالار حجازی یا وزیراعظم آیا ہے تو دوڑ کر سلطان کے پاس آ بیٹھتی اور یوں باتیں کرتی تھی جیسے سلطنت کی حکمرانی اس کے ہاتھ میں ہو اور حکم اسی کا چل رہا ہو۔

"باہر کی صورتِ حال کیا ہے؟" ـــ روزینہ نے وزیراعظم سے پوچھا۔

"روزینہ!" ـــ سلطان برکیارق نے بڑی جاندار آواز میں کہا ـــ "میں موجود ہوں تو تمہیں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ باہر ٹھہرو"۔

روزینہ آہستہ آہستہ اٹھی اور قدم گھسیٹتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"میں آپ سے کچھ کہہ رہا تھا" ـــ سلطان برکیارق نے وزیراعظم سے کہا ـــ "کہ کوئی طریقہ سوچیں کہ یہ خانہ جنگی رک جائے"۔

"میں تو سوچتا ہی رہتا ہوں" ـــ وزیراعظم نے کہا ـــ "آپ سے بات کرتے جھجکتا ہوں۔ بات آپ کے ساتھ کرتا ہوں تو جواب محترمہ بیگم صاحبہ سے ملتا ہے..... سلطانِ محترم! خون جو بہہ رہا ہے یہ میری اور آپ کی گردن پر ہو گا۔ اس کی سزا صاف نظر آ رہی ہے۔ نہ یہ سلطنت رہے گی نہ اس کا کوئی سلطان رہے گا نہ کوئی وزیراعظم ہو گا۔ ہم ہوں گے لیکن غلام' زنجیروں سے بندھے ہوئے۔ ہمارے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں گے..... اگر آپ اجازت دیں تو صلح سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے"۔

"آپ کسی حل پر پہنچیں اور مجھے بتائیں" ـــ سلطان برکیارق نے کہا۔

شمونہ نے پہلی بار روزینہ کو خفگی یا مایوسی کی حالت میں دیکھا۔ شمونہ نے اس سے پوچھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہے یا وہ کوئی گڑبڑ محسوس کر رہی ہے۔ روزینہ نے اکھڑی ہوئی سی آواز میں جواب دیا۔ اُس وقت روزینہ پیالے میں کوئی مشروب ڈال رہی تھی۔

"میری طبیعت تو ٹھیک ہے" ـــ روزینہ نے کہا ـــ "سلطان کی طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ ان کے لئے یہ خاص شربت تیار کر رہی ہوں۔ سلطنت کے غم نے ان کے دماغ پر بہت بُرا اثر کیا ہے۔ کبھی کبھی ان کی یہ حالت ہو جایا کرتی ہے تو میں انہیں یہ شربت پلایا کرتی ہوں۔ وزیراعظم اٹھ کر جائیں گے تو انہیں یہ شربت پلا کر سلا دوں گی پھر وہ ٹھیک ہو جائیں گے"۔

شمونہ سمجھ گئی کہ اس شربت میں یا تو حشیش کی زیادہ مقدار ملائی گئی ہے یا کوئی تیز

نشہ ملایا گیا ہے۔ شمونہ کو شک ہُوا کہ سلطان برکیارق نے اسے کوئی سخت بات کہہ دی ہے جس کی شمونہ کو توقع ہی تھی۔ شمونہ سلطان برکیارق کو اتنا زیادہ سفوف پلا چکی تھی کہ اب تک سلطان کو صحیح ذہنی حالت میں آ جانا چاہئے تھا۔

روزینہ نے شربت وہیں پڑا رہنے دیا اور وہاں سے نکل گئی۔ وہ شاید یہ دیکھنے گئی تھی کہ وزیراعظم چلا گیا ہے یا نہیں۔ شمونہ نے طبیب کا دیا ہُوا زہر اپنے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے وہ پڑیا نکالی اور شربت میں ڈال کر حل کر دی۔

اس کے بعد فوراً" روزینہ آ گئی اور کہنے لگی کہ وزیراعظم نے لمبی ہی باتیں شروع کر دی ہیں' بہتر ہے کہ یہ شربت انہیں ابھی پلا دوں..... روزینہ نے پیالہ اٹھایا اور سلطان برکیارق کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ شمونہ اس کے پیچھے پیچھے گئی۔

روزینہ سلطان کے کمرے میں داخل ہوئی' شمونہ دروازے کے ساتھ باہر کھڑی رہی۔ اُسے روزینہ کی آواز سنائی دی ـــ "سلطانِ محترم! یہ شربت پی لیں آپ بہت تھکے ہوئے ہیں" ـــ یہ کہہ کر روزینہ کمرے سے نکلنے لگی۔ شمونہ آگے ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ سلطان برکیارق نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اور وہ وزیراعظم کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ بات ختم کرتے ہی اس نے یہ شربت پی لینا تھا جس میں شمونہ نے بڑا ہی تیز زہر ملا دیا تھا۔

سلطان برکیارق پیالہ اپنے منہ کی طرف لے جانے لگا تو شمونہ تیر کی طرح دروازے سے اس تک پہنچی اور بڑی گھبراہٹ میں کہا ـــ "مت پینا یہ شربت سلطان!" ـــ اس نے لپک کر وہ پیالہ سلطان کے ہاتھ سے لے کر تپائی پر رکھ دیا۔ روزینہ کمرے سے نکل چکی تھی' شمونہ کی اس حرکت سے واپس آ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے شمونہ!" ـــ روزینہ نے غصیلی آواز میں کہا ـــ "سلطان کے ہاتھ سے پیالہ کیوں چھین لیا ہے؟"

"سلطانِ محترم!" ـــ شمونہ نے روزینہ کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا ـــ "ابھی کسی کو بلا کر کہیں کہ ایک بلی یا کتا یا کوئی اور جانور یہاں لے آئے اور پھر یہ شربت اسے پلا کر دیکھیں..... اس میں آپ کی بیگم نے زہر ملایا ہُوا ہے۔ اگر میں جھوٹی ثابت ہوئی تو اپنا سر پیش کر دوں گی"۔

روزینہ نے تو واہی تباہی بکنی شروع کر دی اور سلطان برکیارق حیرت سے کبھی

Scanned by iqbalmt

روزینہ کو اور کبھی شمونہ کو دیکھتا تھا۔ وزیرِاعظم سمیری کو معلوم تھا کہ شمونہ نے اس سے زہر منگوایا تھا۔ وہ دانشمند آدمی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ شمونہ نے کوئی چال چلی ہے۔ سلطان کے حکم کے بغیر وزیرِاعظم باہر گیا اور ایک خادم سے کہا کہ ایک بلّی یا کتا فوراً پکڑ کر لائے۔

روزینہ وہیں کھڑی رہی اور شمونہ کو دھمکیاں دیتی رہی۔ وہ تو سچّی تھی کیونکہ اس نے شربت میں زہر نہیں ملایا تھا۔ اسے صرف یہ ڈر تھا کہ اس شربت میں اس نے ذرا تیز نشہ ملایا تھا۔ بلّی یا کتے کو پلانے کی صورت میں یہ ہونا تھا کہ اس جانور نے تھوڑی دیر بعد گر کر سو جانا تھا۔

سلطان کا حکم تھا اس لئے ایک کتا فوراً حاضر کیا گیا۔ سلطان نے کتا لانے والے سے کہا کہ اس پیالے میں جو شربت ہے یہ کتے کے منہ میں انڈیل دو۔ خادم نے کتے کا منہ کھولا اور شمونہ نے آدھا پیالہ شربت کتے کے حلق سے نیچے اتار دیا۔ سلطان نے کہا اس کتے کو چھوڑ دو۔ کتے کو چھوڑ دیا گیا۔

کتا کمرے سے باہر کو چل پڑا۔ دہلیز سے بھی آگے چلا گیا لیکن اس سے آگے اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ رک گیا۔ اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکلیں اور وہ گر پڑا۔ ذرا سی دیر اس کی ٹانگیں کانپیں اور پھر ٹانگیں ساکت ہو گئیں۔ کتا مر گیا تھا۔

سلطان برکیارق فوراً اٹھا اور اس نے قہر بھری نظروں سے روزینہ کو دیکھا۔ اس نے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی روزمرّہ کی طرح کمربند سے لمبا خنجر نکال کر قریب ہی تپائی پر رکھ دیا تھا۔ سلطان نے کچھ بھی نہ کہا۔ لپک کر خنجر اٹھایا' اس کی نیام کھینچ کر پرے پھینکی اور روزینہ کی طرف بڑھا۔ روزینہ اس سے دو ہی قدم پرے کھڑی حیرت کا مجسمہ بنی ہوئی تھی۔

"نہیں سلطان!" — وزیرِاعظم سمیری نے برکیارق کی طرف لپکتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا — "یہ کام آپ کا نہیں' جلاّد کا ہے"۔

وزیرِاعظم کا آخری لفظ اس کی زبان پر ہی تھا کہ سلطان برکیارق کا خنجر روزینہ کے پیٹ میں اتر چکا تھا۔ اس نے خنجر کھینچا اور کہا — "لوگ سچ کہتے تھے کہ یہ باطنی ہے اور اس ابلیس حسن بن صباح کی بھیجی ہوئی ہے" — سلطان نے روزینہ کے گرنے سے پہلے ایک بار پھر خنجر روزینہ کی پسلیوں میں اتار دیا۔ روزینہ گری' سلطان نے خنجر کھینچ لیا

اور فرش پر پھینک دیا۔

سلطان نے کچھ دیر آخری سانس لیتی ہوئی روزینہ کو دیکھا اور اس کے بہتے ہوئے خون کو دیکھا۔ شمونہ اور وزیرِاعظم بھی روزینہ کو مرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

"محترم سمیری!" — سلطان برکیارق نے غم سے بوجھل آواز میں کہا — "اسے یہاں سے اٹھوا دیں۔ لاش اٹھانے والوں سے کہہ دیں کہ اسے کفن نہیں پہنایا جائے گا نہ ہی اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ کتے کو بھی اٹھوا دیں اور کہیں ویرانے میں گڑھا کھود کر کتے کو بھی اس کے ساتھ دفن کر دیں"۔

سلطان کا سر ڈولنے لگا جیسے وہ چکرا کر گر پڑے گا۔ وزیرِاعظم نے لپک کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"مجھے میری ماں کے پاس لے چلو" — سلطان برکیارق نے کہا۔

"آپ چل سکیں گے؟" — وزیرِاعظم سمیری نے پوچھا۔

"ہاں!" — سلطان برکیارق نے کہا — "چل کر جاؤں گا"۔

وہ وزیرِاعظم کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ ماں جس کمرے میں نظربند تھی' وہ قریب ہی تھا۔ برکیارق اپنے سہارے چلتا وہاں پہنچا۔ وزیرِاعظم ساتھ تھا اور شمونہ پیچھے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

برکیارق وزیرِاعظم کے ساتھ ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔ ماں غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ برکیارق کو دیکھ کر اس کے چہرے پر غصے کی سرخی آ گئی۔ برکیارق اس کو دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور ماں کے قدموں میں گر پڑا پھر سر اس کی گود میں رکھ دیا۔

"مجھے بخش دو ماں!" — سلطان برکیارق نے روتے ہوئے کہا — "آپ کا بھٹکا ہوا بیٹا آپ کی آغوش میں واپس آ گیا ہے"۔

"سلطان نے روزینہ کو قتل کر دیا ہے" — وزیرِاعظم نے کہا — "اور اب سلطان اپنی خواہش کا اظہار کر کے آپ کے قدموں میں آ گرے ہیں"۔

ماں نے برکیارق کو اٹھا کر اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اس کا منہ چومنے لگی۔

باہر خون بہہ رہا تھا۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا تھا اور باطنی جلتی پر تیل ڈال رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt

جس وقت ماں برکیارق کو اپنے قدموں سے اٹھا کر اور بازوؤں میں لے کر اُس کا منہ چوم رہی تھی' اُس وقت چار پانچ شاہی ملازم روزینہ کی لاش اٹھا رہے تھے۔ وہ سب حیران تھے کہ یہ ہوا کیا اور یہ کیسے ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطنتِ سلجوقیہ کا سلطان برکیارق ہی ہے لیکن حکم روزینہ کا چلتا تھا اور اس سلطنت کی تو وہ ملکہ تھی۔ شمونہ شاہی خاندان کی فرد نہیں تھی' وہ تو ایک کنیز تھی..... ایک خادمہ!..... ملازم اُس سے پوچھ سکتے تھے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے۔

"یہ قتل ہو گئی ہے" — شمونہ نے بڑے شگفتہ لہجے میں جواب دیا — "اسے سلطان نے اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے"۔

"اس سے کیا جرم سرزد ہو گیا تھا؟"

"کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ یہ باطنی تھی؟" — شمونہ نے کہا — "یہ اُس شیطان حسن بن صباح کی بھیجی ہوئی تھی"۔

"اچھا ہوا سلطان کو پتہ چل گیا!" — عہدیدار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور بولا — "اللہ تیرا شکر..... سب تعریفیں تیری ذات کے لئے ہیں..... سلطان کہاں ہیں؟"

"اپنی والدہ محترمہ کے پاس!" — شمونہ نے کہا — "اللہ نے اس سلطنت پر بڑا ہی کرم کیا ہے۔ اب آپس کا خون خرابہ بند ہو جائے گا"۔

"میرے دو بھائی تھے" — عہدیدار نے کہا — "وہ فوج میں عہدیدار تھے۔ دونوں اس خانہ جنگی میں مارے گئے ہیں۔ میرا گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے"۔

"شکر ادا کرو اللہ کا!" — شمونہ نے کہا — "اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلطنت کو بچا لیا ہے..... یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی' مجھے آپ کے بھائیوں کا بہت افسوس ہے۔ یہ سب اسی کے ہاتھوں کرایا گیا ہے جس کی لاش آپ دیکھ رہے ہیں۔ سلطان حکم دے گئے ہیں کہ اس کی لاش اور مرا ہوا یہ کتا بوری میں ڈال کر کسی جگہ گڑھا کھود کر دبا دو۔ انہوں نے کہا ہے کہ اسے قبرستان میں دفن نہیں کرنا' نہ اسے کفن پہنانا ہے نہ اس کا جنازہ پڑھنا ہے..... اور یہ احتیاط بھی کرنا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ سلطان نے اپنی بیگم کو قتل کر دیا ہے..... لاش اٹھوائیں اور فرش اچھی طرح صاف کروا دیں"۔

ایک بوری لائی گئی جس میں روزینہ کی لاش اور مرے ہوئے کتے کو ڈالا گیا اور بوری کا منہ بند کر کے ملازم اٹھا لے گئے۔ دوسرے ملازم فرش دھونے لگے۔ شمونہ نکل کر برآمدے میں کھڑی ہو گئی۔ روزینہ کی لاش باہر والے دروازے سے بھی نکل گئی تھی۔ شمونہ گہری سوچ میں کھو گئی۔

"یہ ہے انسان کی اصل حقیقت!" — شمونہ کے ہونٹوں سے ذرا بلند سرگوشی نکل گئی۔

"کیا کہا شمونہ بی بی؟" — شمونہ کو ایک خادمہ کی آواز سنائی دی جو اُس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی لیکن شمونہ اسے دیکھ نہیں سکی تھی۔ خادمہ سمجھی کہ شمونہ نے اُسے کچھ کہا ہے۔ شمونہ نے اس کی طرف دیکھا اور چونکی۔

"میں کہہ رہی تھی کہ انسان اپنی حقیقت اور اصلیت کو بھول جاتا ہے" — شمونہ نے کہا — "یہ بدنصیب یوں سمجھ بیٹھی تھی جیسے یہ ہمیشہ اس سلطنت کی ملکہ بنی رہے گی۔ یہ اللہ کو بھول گئی تھی اور شیطان کی پجارن بن گئی تھی۔ حکمرانی کے نشے اپنا تختہ اپنے ہاتھوں اُلٹ دیا کرتے ہیں"۔

"عبرت تو کوئی حاصل نہیں کرتا" — خادمہ نے کہا — "جس کے سر پر سلطانی کا تاج رکھ دیا جاتا ہے وہ سب سے پہلے یہ بھولتا ہے کہ سدا بادشاہی اللہ کی ہے..... اس ملکہ کا انجام دیکھ لو۔ ایک کتے کے ساتھ دفن ہو رہی ہے"۔

"اور اس کی قبر بھی نہیں بنے گی" — شمونہ نے کہا — "کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ یہاں وہ عورت دفن ہے جس نے کچھ عرصہ اس سلطنت پر حکومت کی تھی اور سلطان کو بھی اپنا غلام بنا لیا تھا"۔

Scanned by Iqbalmt

شمونہ اپنے خیالوں میں کھو گئی تھی۔ روزینہ کی لاش دُور نکل گئی تھی۔ محل کے باہر والے دروازے میں ایک عورت آن کھڑی ہوئی۔ دربان نے اُسے دیکھا اور سر سے اشارہ کیا۔ عورت اندر آگئی۔

"شیطان کی دوسری پجارن آگئی ہے" —— خادمہ نے کہا۔

"غور سے سُن لو" —— شمونہ نے خادمہ سے کہا —— "اسے یہ پتہ نہ چلے کہ روزینہ ماری جاچکی ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ باہر والے دربان کو بھی معلوم نہیں کہ یہ جو بوری گھوڑا گاڑی میں محل سے نکالی گئی ہے' اس میں روزینہ کی لاش تھی..... تم یہاں سے چلی جاؤ اور سامنے نہ آنا"۔

یہ تھی وہ عورت جو روزینہ کے پاس آتی اور اس سے پیغام لے کر اُس طبیب تک پہنچاتی تھی جو حسن بن صباح کا بھیجا ہُوا خاص آدمی تھا اور جس نے زمین دوز طریقوں سے خانہ جنگی شروع کرائی تھی۔ یہ عورت پیغام لایا بھی کرتی تھی۔ اس کی عمر 35 سال کے لگ بھگ تھی اور وہ خوبصورت عورت تھی۔ ایسا لباس پہنتی تھی کہ کسی شاہی خاندان کی عورت معلوم ہوتی تھی۔ روزینہ نے اسے شمونہ کے متعلق بتا دیا تھا کہ یہ اس کی ہمراز کنیز ہے اور حسن بن صباح کی غائبانہ معتقد اور مرید ہے۔ اس کی وجہ سے یہ عورت شمونہ کے ساتھ بھی کچھ بے تکلف ہو گئی تھی۔ شمونہ کسی کو اپنے ساتھ بے تکلف کرنے کے فن میں مہارت رکھتی تھی۔ اس عورت کے ساتھ شمونہ کی اچھی خاصی دوستی پیدا ہو گئی تھی۔

یہ عورت ذرا قریب آئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ شمونہ بھی کھُل کر مسکرائی اور اس کے استقبال کو آگے بڑھی۔

"کون سے کمرے میں ہیں؟" —— اس عورت نے روزینہ کے متعلق پوچھا۔

شمونہ کو کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ اب وہ کسی بھی کمرے میں نہیں بلکہ ایک کُتے کے ساتھ بوری میں بند ہے اور شاید اب تک زمین میں بھی دبائی جاچکی ہوگی لیکن شمونہ نے یوں نہ کہا نہ ہی اسے ایسا کہنا چاہئے تھا۔

"آپ آئیں تو سہی!" —— شمونہ نے کہا —— "آج آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ سلطان کے پاس ہیں اور شاید انہیں معلوم تھا کہ آپ آرہی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ آئیں گی تو میں آپ کو کمرے میں بٹھاؤں..... آجائیں"۔

شمونہ اُسے اُس کمرے میں لے گئی جہاں وہ روزینہ کے ساتھ کانا پھُوسی کیا کرتی تھی۔ اسے احترام سے بٹھایا اور کہا کہ میں آپ کے لئے کچھ لاتی ہوں۔ روزینہ اس عورت کی بہت خاطر تواضع کیا کرتی تھی۔ شمونہ بھی یہی اشارہ دے کر کمرے سے نکل گئی کہ وہ اُس کی خاطر تواضع کرے گی۔

تھوڑی ہی دیر بعد شمونہ جب اس کمرے میں واپس آئی تو اُس کے ساتھ محل کے دو محافظ تھے۔ ایک کے ہاتھ میں بڑی لمبی رسّی تھی۔

"اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دو اور اس کے پاؤں بھی باندھ دو" —— شمونہ نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

محافظ آگے بڑھے تو وہ عورت حیرت زدگی کے عالم میں شمونہ کی طرف دیکھنے لگی۔ دونوں محافظوں نے اسے گرا کر اس کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ دیئے اور پھر اسی رسّی کے ساتھ پاؤں بھی باندھ دیئے۔ اس دوران وہ چیختی اور چلّاتی رہی اور شمونہ سے پوچھتی رہی کہ یہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔

"اسے فرش پر پھینک دو" —— شمونہ نے محافظوں سے کہا —— "اور دروازہ باہر سے بند کر دو"۔

شمونہ محافظوں کے ساتھ باہر نکل آئی اور دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ شمونہ وہیں کھڑی کچھ سوچنے لگی۔

"تم دونوں یہیں ٹھہرو" —— شمونہ نے محافظوں سے کہا —— "میں سلطان کو اطلاع دینے جارہی ہوں"۔

○

سلطان برکیارق اپنی ماں کے سامنے بیٹھا تھا۔ ماں کے چہرے پر ایک مدت بعد رونق آئی تھی۔ برکیارق کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ وزیراعظم عبدالرحمن سمیری اُس کی ماں کو سنا چکا تھا کہ روزینہ کو برکیارق نے کیوں اور کس طرح قتل کیا ہے۔ ماں نے جب یہ سنا کہ روزینہ اس کے بڑے بیٹے کو زہر پلا رہی تھی تو ماں تڑپ اٹھی اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف کئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کا بیٹا بچ گیا۔

دربان کمرے میں داخل ہُوا۔ سب نے اس کی طرف دیکھا۔

"سلطان محترم کی کنیز آئی ہے" —— دربان نے کہا —— "اندر آنے کی اجازت

Scanned by iqbalmt

چاہتی ہے"۔

"اسے فوراً" اندر بھیج دو" ـــــ برکیارق کی ماں نے کہا ـــــ "یہ تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے جس نے میرے بیٹے کی جان بچائی ہے اور سلجوقی سلطنت کو بہت بڑے خطرے سے محفوظ کر دیا ہے"۔

شمونہ کمرے میں داخل ہوئی۔ برکیارق کی ماں اٹھی اور لپک کر شمونہ کو گلے لگا لیا۔ وہ شمونہ کو چومتی اور اس کا شکر ادا کرتی تھی۔

"میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے" ـــــ شمونہ نے کہا ـــــ "میں اسی مقصد کے تحت روزینہ کی کنیز بنی تھی..... یہ باتیں بعد میں کریں گے۔ میں سلطان عالی مقام کو یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ روزینہ کی لاش کتے کے ساتھ بوری میں بند کر کے لے گئے ہیں اور دوسری اطلاع اس سے زیادہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اتفاق سے ایک عورت آ گئی ہے جسے میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ روزینہ کو پیغام دینے اور اس کے پیغام لے جانے آیا کرتی تھی۔ یہ پیغام حسن بن صباح کی طرف سے آتے تھے۔ میں نے روزینہ کے ساتھ بھی بے تکلفی پیدا کر لی تھی اور اس عورت کے ساتھ بھی۔ ابھی ابھی تو میں نے اسے یہ کہہ کر کمرے میں بٹھا دیا کہ روزینہ کو اطلاع دیتی ہوں۔ میں محافظ دستے کے دو آدمی ساتھ لے گئی اور ایک رسّی بھی۔ میرے کہنے پر انہوں نے اس عورت کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں اور اسے ایک کمرے میں بند کر دیا ہے۔ یہ ہے وہ عورت جس سے آپ کو بڑے ہی قیمتی اور چونکا دینے والے راز ملیں گے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ اس سلطنت پر کتنا بڑا خطرہ منڈلا رہا تھا اور مجھے امید ہے کہ آپ نے بروقت کارروائی کی تو یہ خطرہ ٹل جائے گا اور آپ کو پتہ چلے گا کہ اس شہر میں کتنے زیادہ باطنی اکٹھے ہو گئے ہیں"۔

سلطان برکیارق کو ابھی معلوم نہیں تھا کہ شمونہ کون ہے اور اس نے اس مقصد کو اپنا فرض کیوں بنایا تھا۔ وہ تو اسے ایک کنیز سمجھتا تھا جو کسی مجبوری کے تحت نوکری کی تلاش میں آئی تھی۔ اصل حقیقت تو عبدالرحمٰن سمیری جانتا تھا۔

"تم یہ ساری باتیں کس طرح جانتی ہو؟" ـــــ سلطان برکیارق نے شمونہ سے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب بعد میں دوں گی" ـــــ شمونہ نے جواب دیا ـــــ "ہو سکتا ہے اس کا جواب سلطان کو کوئی اور دے"۔

"تم وہیں چلو" ـــــ برکیارق نے شمونہ سے کہا ـــــ "اس عورت کو کمرے میں بند رہنے دو"۔

سلطان برکیارق اپنے وزیرِ اعظم سمیری سے کہہ چکا تھا کہ خانہ جنگی فوراً بند کر دی جائے لیکن مشکل یہ تھی کہ کچھ پتہ نہیں تھا کہ لڑائی کہاں کہاں ہو رہی ہے۔ سرکاری فوج تک تو حکم پہنچایا جا سکتا تھا لیکن باغی فوج تک حکم پہنچانا محال ہو رہا تھا کیونکہ یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے سالار وغیرہ کہاں ہیں۔ سالار اوریزی روپوش تھا اور اس باغی فوج کی کمان برکیارق کے چھوٹے بھائی محمد کے ہاتھ میں تھی اور سلطان تک یہ اطلاع بھی پہنچ گئی تھی کہ رے سے امیرِ شہر ابو مسلم رازی نے بھی اپنی فوج بلکہ ایک بڑا لشکر تیار کر کے محمد اور سالار اوریزی کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ اب یہ پتہ چلانا تھا کہ محمد اور سالار اوریزی کہاں ہیں۔

وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری نے تین چار قاصد بلوائے۔ ایک کو تو سرکاری فوج کے سپہ سالار ابو جعفر حجازی کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ اپنی فوج کو اکٹھا کر کے شہر میں لے آئے اور جنگ بند کر دے۔ باقی قاصدوں کو یہ کام دیا کہ وہ کسی طرح یہ معلوم کریں کہ سالار اوریزی اور محمد کہاں ہیں اور انہیں یہ پیغام دیں کہ سلطان برکیارق نے اپنی والدہ محترمہ کے حکم سے جنگ بند کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور وہ دونوں ہمارے پاس پہنچ جائیں۔

خانہ جنگی بند کرانا کوئی آسان کام نہیں تھا کیونکہ خانہ جنگی کی صورت یہ نہیں تھی کہ دونوں طرفوں کی فوجیں ایک میدان میں لڑ رہی ہوں۔ لڑائی کی صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ سرکاری اور باغی فوجیں چھوٹے بڑے دستوں میں بٹ گئی تھیں اور یہ جنگ شہر سے نکل کر مضافات میں اور اس سے بھی دور دور جنگلوں میں پھیل گئی تھی۔ ایک دوسرے پر شب خون مارے جاتے تھے اور کہیں دستے آپس میں جم کر لڑتے تھے۔ دونوں طرف زخمی اور ہلاک ہو رہے تھے۔ بعض کی لاشیں ان کے گھروں تک پہنچ جاتی تھیں اور اکثر لاشیں وہیں گھوڑوں تلے روندی کچلی جاتی تھیں۔

یوں بھی ہوتا تھا کہ سرکاری یا باغی فوج کا کوئی آدمی مارا جاتا اور اس کی لاش گھر آ جاتی تو اس کا کوئی بھائی یا باپ یا چچا وغیرہ اسے ذاتی یا خاندانی قتل سمجھ کر انتقام کے لئے خانہ جنگی میں شامل ہو جاتا۔ باطنیوں نے لوگوں کا یہ ردِّعمل اور انداز دیکھا تو انہوں نے

Scanned by iqbalmt

طبیب کو بتایا۔ طبیب تخریب کاری کا ماہر تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ایک خصوصی ہدایت نامہ جاری کیا۔ جس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا کہ کسی آدمی کی لاش شہر میں آتی تو اس کے گھر والوں کو بتایا جاتا کہ اسے فلاں آدمی نے لڑائی میں قتل کیا ہے۔ مقتول کے گھر کے آدمی اس آدمی کے گھر پر ٹوٹ پڑتے اور ان کے ایک دو آدمیوں کو قتل کر دیتے۔ یہ سلسلہ یوں آگے چلایا گیا اور باطنی تخریب کار کسی گھر میں آ کر یہ اطلاع دیتے کہ تمہارا جو آدمی لڑنے گیا تھا وہ آدمی مارا گیا ہے اور اُس کی لاش کو گھوڑوں تلے کچل اور مسل دیا گیا ہے اور اسے فلاں آدمی نے قتل کیا ہے۔ اس اطلاع کا ردِّ عمل بھی یہی ہوتا کہ مقتول کے وارث اُس گھر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتے۔ اس طرح اس خانہ جنگی میں یہ نیا پہلو پیدا ہو گیا جس نے لوگوں کے درمیان ذاتی دشمنی پیدا کر دی۔ شہر کے لوگ اپنے گھروں کے دروازے اندر سے مقفل رکھتے تھے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ خانہ جنگی دو سال جاری رہی تھی لیکن مستند مؤرخ کچھ حوالے دے کر لکھتے ہیں کہ خانہ جنگی ایک سال اور ایک یا دو مہینے لڑی گئی تھی اور اس نے سلطنت اور لوگوں کو بھی بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا۔ سب سے بڑا نقصان تو یہ تھا کہ سلطنت کا انتظام تہہ و بالا ہو گیا تھا اور اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ حسن بن صباح نے بڑے وسیع و عریض علاقے پر قبضہ کر لیا یا یوں کہئے کہ ان علاقوں کو اس نے زیر اثر لے لیا۔ سلطنتِ سلجوقیہ کو خانہ جنگی میں الجھا کر اس نے اپنا مقصد بڑی آسانی سے پا لیا تھا۔ اسے صرف سلطنت کی فوج روک سکتی تھی لیکن اس سلطنت کو اس نے خاک و خون کے بڑے ہی خوفناک کھیل میں الجھا دیا۔ سرکاری فوج کا سپہ سالار ابو جعفر حجازی چونکہ شہر میں ہی تھا اور یہیں سے لڑائی کو کنٹرول کر رہا تھا اس لئے وزیر اعظم عبدالرحمٰن سمیری کے قاصد کے پہنچتے ہی وہ آ گیا۔ اُس نے سلطان برکیارق کو اپنی ماں کے پاس بیٹھا دیکھا تو وہ کچھ پریشان بھی ہوا اور حیران بھی۔

"حجازی!" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "جنگ فوراً" بند کر دو اور اپنی فوج کو اس شہر میں بلا لو"۔

"سلطانِ عالی مقام!" —— حجازی نے کہا —— "سلطان کے حکم کی تعمیل فوراً" ہو گی لیکن دستے کچھ ایسے بکھر گئے ہیں کہ انہیں لڑائی سے ہٹانا اور شہر میں لانا بڑا ہی دشوار اور وقت طلب کام ہے"۔

"کوشش کرو یہ کام ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر شروع ہو جائے" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "اور یہ بھی سن لو کہ ہم نے سالار اوریزی کو معاف کر دیا ہے۔ کسی اور کو بھی گرفتار یا ہلاک یا زخمی نہیں کرنا۔ تلواریں نیاموں میں ڈال لو"۔

سپہ سالار حجازی فوراً" روانہ ہو گیا۔

○

"سلطانِ محترم!" —— وزیر اعظم سمیری نے کہا —— "خانہ جنگی کو روکنے اور دونوں اطراف فوجوں کو الگ الگ کر کے شہر میں لانے کے لئے کچھ دن تو چاہئیں، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم اس عورت سے کچھ پوچھ گچھ کر لیں جسے کنیز نے پکڑا ہے۔ راز کی باتیں تو اس سے معلوم ہوں گی لیکن میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ حسن بن صباح کی تربیت یافتہ عورتیں یا آدمی اپنی جانیں دے دیتے ہیں راز نہیں دیا کرتے"۔

"ہاں!" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "یہ خطرہ تو ہے لیکن ہم کوشش کرتے ہیں، شاید اس عورت کی زبان سے کچھ اگلوا سکیں۔ ہمیں ناکامی ہوئی تو زندہ یہ بھی نہیں رہے گی..... میں اپنی اس کنیز نگینہ کا احسان ساری عمر نہیں بھول سکوں گا۔ اگر ماں نے مجھے اجازت دے دی تو میں اس کے ساتھ شادی کر لوں گا"۔

شمونہ نے روزینہ اور سلطان برکیارق کو اپنا نام نگینہ بتایا تھا اس لئے برکیارق اسے نگینہ ہی سمجھ رہا تھا۔ اس کا نام عبدالرحمٰن سمیری کو معلوم تھا لیکن اس نے سلطان کو ابھی اصل نام نہ بتایا۔

"میرے بیٹے!" —— ماں نے برکیارق سے کہا —— "یہ خون خرابہ رک جائے اور سلطنت پر خطروں کی گھٹائیں منڈلا رہی ہیں، یہ اُڑ جائیں تو میں تمہیں شادی کی اجازت بھی دے دوں گی اور میرا خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر اچھی لڑکی کوئی اور نہیں ہو گی"۔

وزیر اعظم سمیری نے جب یہ سنا کہ سلطان شمونہ کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور سلطان کی ماں بھی اسی لڑکی کو پسند کر رہی ہے تو اسے پریشانی سی ہوئی کیونکہ شمونہ مزمّل آفندی کی محبت میں گرفتار تھی اور اس نے مزمّل کے ساتھ ہی شادی کرنی تھی۔ سمیری کو پریشانی یہ تھی کہ جب یہ صورت پیدا ہو گی کہ سلطان شمونہ سے شادی کا فیصلہ کرے گا تو اسے کس طرح قائل کیا جا سکے گا کہ شمونہ سے ہاتھ اٹھا دے اور اسے دل سے نکال دے کیونکہ یہ مزمّل کے ساتھ منسوب ہے۔

Scanned by iqbalm

دونوں اُس کمرے میں گئے جہاں وہ عورت اوندھے منہ فرش پر پڑی تھی اور اُس کے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ سلطان برکیارق نے محافظ دستے کے کماندار کو بلایا اور اسے کہا کہ اس عورت کے ہاتھ پاؤں کھول دے۔

ذرا سی دیر میں عورت کے ہاتھ پاؤں کھل گئے اور وہ واہی تباہی بکنے لگی کہ سلطان کی ایک ادنیٰ سی کنیز نے اس کے ہاتھ پاؤں بندھوا دیئے تھے۔

"تم ہو کون؟" ——— سلطان برکیارق نے پوچھا ——— "اور یہاں کیا لینے آئی تھیں؟"

"میں سلطانِ عالی مقام کی بیگم کی سہیلی ہوں" ——— عورت نے جواب دیا ——— "میں ان کے پاس آتی رہتی ہوں۔ آج آئی تو آپ کی کنیز نے....."

"تمہیں رسیّوں سے بندھوا دیا" ——— سلطان برکیارق نے اس کی بات کاٹ کر کہا ——— "اور تمہیں میری بیگم دیکھنے نہیں آئی..... تم کس کی بیٹی ہو؟ تم کس کی بیوی ہو؟ تمہارا گھر کہاں ہے؟ مجھے ٹھیک جواب دو اور میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلوں گا"۔

"میرا نام رابعہ ہے" ——— عورت نے جواب دیا ——— "میں شاہ در کی رہنے والی ہوں اور یہاں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہوں لیکن میں آپ سے یہ عرض کروں گی کہ میرے گھر نہ آئیں کیونکہ میرا شوہر بڑا ہی ظالم آدمی ہے اور وہمی بھی ہے۔ اگر آپ یا کوئی اور میرے گھر آیا تو میرا خاوند مجھ پر نہ جانے کیسے کیسے الزام تھوپ دے اور میری پٹائی شروع کر دے۔ میں شاہ در کے ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں"۔

"تمہارا نام رابعہ نہیں ہے" ——— وزیراعظم عبدالرحمٰن سمیری نے کہا ——— "تمہارا باپ کسی بھی قبیلے کا سردار نہیں نہ تمہارا کوئی خاوند ہے..... میری ایک بات غور سے سن لو۔ اپنی اصلیت فوراً بتا دو۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ تم کوئی راز اگلنے سے پہلے اپنے آپ کو ہلاک کر لوگی تو یہ خیال دل سے نکال دو"۔

سمیری نے محافظ دستے کے کماندار سے کہا ——— "اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پیچھے کر لو"۔

رابعہ فوراً اٹھی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی ناف پر رکھ لئے۔ کماندار طاقتور آدمی تھا۔ اس نے پیچھے ہو کر عورت کے دونوں بازو پکڑے اور بڑی زور سے جھٹکا دے کر بازو اس کی پیٹھ کے پیچھے کر لئے۔ سمیری آگے بڑھا اور اس کی قمیض اوپر کر دی۔ اس نے سلطان برکیارق سے کہا کہ یہ دیکھ لے۔ عورت نے نیفے میں ایک خنجر اُڑسا ہوا تھا۔

سمیری نے یہ خنجر اس کے نیفے سے نکال لیا۔

"سلطانِ محترم!" ——— سمیری نے برکیارق سے کہا ——— "اس خنجر کی نوک یقیناً زہر میں بجھی ہوئی ہے۔ کسی جانور کو مار کر دیکھ لیں"۔

وزیراعظم سمیری نے اس عورت کے بال مٹھی میں پکڑ کر بڑی زور سے جھٹکا دیا۔ عورت کے دانت بج اٹھے۔ دوسرا جھٹکا دے کر سمیری نے اس کا سر پیچھے کر دیا۔

"ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے" ——— سمیری نے کہا ——— "ایسی اذیتیں دیں گے کہ مرو گی بھی نہیں اور زندہ بھی نہیں رہو گی۔ حسن بن صباح تمہیں ہم سے چھڑا نہیں سکے گا..... کہو، سچ بولتی ہو؟"

"کیا سچ بولوں؟" ——— رابعہ نے کہا ——— "کیا آپ لوگوں میں اتنی بھی تہذیب نہیں کہ میں اتنے بڑے باپ کی بیٹی....."

وزیراعظم سمیری نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی اور بڑی زور سے جھٹکا دیا جس سے وہ پیچھے دیوار کے ساتھ ٹکرائی۔ محافظوں کا کماندار آگے بڑھا۔

"مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی زبان کھولوں" ——— کماندار نے کہا۔

سلطان برکیارق کے اشارے پر کماندار رابعہ کی طرف بڑھا اور اُس کی گردن اور اُس کے کندھے کے درمیان میں کوئی رگ اپنی مٹھی میں لے کر دبائی۔ رابعہ تڑپنے لگی اور اس کا منہ کھل گیا۔ یہ عورت اتنے طاقتور کماندار کی مٹھی میں ایسے ہی تھی جیسے شیر نے ایک خرگوش کو اپنے منہ میں لے رکھا ہو۔

"کہو میں باطنی ہوں" ——— کماندار نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی کماندار نے مٹھی اور زور سے دبائی تو عورت کا چہرہ لال سرخ ہو گیا اور وہ اور زیادہ تڑپنے لگی۔ کماندار نے ایک بار پھر کہا کہ وہ کہے کہ میں باطنی ہوں۔

رابعہ نے اپنا سر زور زور سے ہلایا جیسے وہ اقرار کر رہی ہو۔ کماندار نے اس کی رگ چھوڑ دی۔ وہ فرش پر گری اور ایک ہاتھ سے وہ رگ دبانے لگی۔ اس کا چہرہ بتاتا تھا وہ ابھی تک تکلیف میں ہے۔

"بولو" ——— کماندار نے اسے پاؤں کی ٹھوکر خاصے زور سے لگا کر کہا۔

"مجھے قتل کر دو" ——— رابعہ نے روتے ہوئے کہا ——— "اگر میں اپنا سینہ کھول کر راز آپ کے آگے انڈیل دیتی ہوں تو بھی مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ وہ یوں قتل نہیں

Scanned by iqbalmt

کریں گے کہ میری گردن کاٹ دیں گے بلکہ بڑی ہی اذیت ناک موت ماریں گے۔ میرے تمام کپڑے اتار کر میرے جسم پر شہد مَل دیں گے پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر باہر جنگل میں پھینک دیں گے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ کیڑے مکوڑے اور مکھیاں کس طرح مجھے کھائیں گی۔ بچھو اور دوسرے زہریلے کیڑے بھی میری کھال کو کاٹتے رہیں گے۔ میں نے اس طرح ایک عورت کو مرتے دیکھا ہے۔ وہ پورے دس دن تڑپتی رہی تھی اور حشرات الارض آہستہ آہستہ اس کی کھال کو کھاتے رہے تھے۔ میں اس موت سے ڈرتی ہوں"۔

"مت ڈرو" — سلطان برکیارق نے کہا — "میں تمہیں ساری عمر یہیں اسی محل میں رکھوں گا۔ چاہو گی تو کسی اچھے آدمی کے ساتھ تمہاری شادی کرا دوں گا۔ یہاں آرام سے عمر گزارو گی اور بڑے ہی عیش و عشرت میں رہو گی"۔

"اگر جھوٹ بولو گی تو سُن لو" — وزیرِاعظم سمیری نے کہا — "تمہیں قید خانے میں بڑی ہی بدبودار کوٹھڑی میں پھینک دیا جائے گا جس میں چوہے اور زہریلے کیڑے رہتے ہیں۔ دن کے وقت تمہیں الٹا لٹکا کر نیچے دہکتے انگارے رکھ دیئے جایا کریں گے اور ان پر ایک آدمی مرچیں پھینکتا رہے گا۔ تصور میں لاؤ کہ مرچوں کا دھواں تمہاری ناک اور منہ کے راستے تمہارے اندر جائے گا تو تمہاری کیا حالت ہو گی۔ رات کو تمہیں اس کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے گا..... بہتر ہے کہ تم اپنی اصلیت بتا دو اور تمہارا رابطہ حسن بن صباح کے جن لوگوں کے ساتھ ہے وہ بتا دو کہاں کہاں رہتے ہیں۔ انہیں پتہ ہی نہیں چلنے دیا جائے گا کہ ہمیں یہ راز تم نے دیا ہے"۔

مسلمان مؤرخوں نے اور یورپی مؤرخوں نے بھی متفقہ طور پر لکھا ہے کہ حسن بن صباح کے فدائیوں کو ایسی تربیت دی جاتی تھی کہ ان کی فطرت ہی بدل جاتی تھی۔ ان کے لئے زندگی اور موت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ وہ زندہ رہتے تھے تو صرف حسن بن صباح کے احکام کی تعمیل کے لئے زندہ رہتے تھے اور جب اپنی جانیں لینے پر آتے تھے تو بڑے فخر اور اطمینان سے اپنی جانیں دے دیتے تھے۔ ہر فدائی کے پاس، وہ عورت ہوتی یا مرد، ایک خنجر ہوتا تھا جس کی نوک زہر میں بجھی ہوتی تھی۔ ان میں سے کوئی پکڑا جاتا اور وہ دیکھتا کہ فرار کا کوئی راستہ نہیں اور راز اُگلنا ہی پڑے گا تو وہ خنجر نکال کر اپنے دل میں اتار لیتا تھا۔ رابعہ نے بھی اپنے پاس ایک خنجر اسی مقصد کے لئے رکھا ہوا تھا لیکن

وزیرِاعظم عبدالرحمٰن سمیری جانتا تھا کہ ہر فدائی کے پاس خنجر ہوتا ہے۔ اس نے اس عورت کے لباس سے خنجر نکال لیا۔ اس خنجر کی موجودگی ہی یہ پکا ثبوت تھا کہ وہ حسن بن صباح کی تربیت یافتہ عورت ہے۔ سلطان برکیارق کے ذہن میں اگر ابھی تک کوئی شک باقی تھا تو وہ بھی نکل گیا۔

"میں اپنے دو بچوں کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں" — رابعہ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا — "دونوں ابھی چھوٹے ہیں"۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا خاوند بھی ہے" — عبدالرحمٰن سمیری نے کہا — "وہ بھی یقیناً فدائی ہو گا"۔

"میرا کوئی خاوند نہیں" — رابعہ نے کہا — "میں کبھی کسی کی بیوی نہیں رہی۔ ایک بچے کا باپ کوئی اور ہے اور دوسرے کا کوئی اور۔ میں نے اپنی زندگی شیخ الجبل حسن بن صباح کے نام وقف کر دی تھی۔ میری ساری عمر فریب کاری میں گزری ہے"۔

"وہ ہم جانتے ہیں" — عبدالرحمٰن سمیری نے کہا — "ہم جانتے ہیں کہ فدائی عورتیں کیا کچھ کرتی ہیں۔ ہمیں یہ بتاؤ کہ یہاں جو فدائی ہیں وہ کہاں کہاں رہتے ہیں"۔

"اس شہر کی ایک چوتھائی آبادی باطنیوں کی ہے" — رابعہ نے کہا — "کوئی ایک بھی اس شہر کا باشندہ نہیں۔ سب باہر سے آئے ہیں۔ میں اتنے زیادہ لوگوں کے گھر تو بتا نہیں سکتی، صرف ایک جگہ بتاتی ہوں۔ وہاں رات کو چھاپہ ماریں تو آپ کو فدائیوں کا ایک مرکز مل جائے گا۔ وہاں جو آدمی ہوں گے، ان کے متعلق میں اتنا ہی کہوں گی کہ ہر آدمی حسن بن صباح کا فدائی ہے"۔

اس نے طبیب کے گھر کا پتہ بتا دیا۔ پھر اس نے چند اور اہم آدمیوں کے نام اور ٹھکانے بتائے۔

"آپ کی سلطنت میں خانہ جنگی حسن بن صباح نے شروع کرائی تھی" — رابعہ نے بتایا — "سلطان کو مٹھی میں لینے اور انہیں کٹھ پتلی کی طرح استعمال کرنے کے لئے روزینہ کو بھیجا گیا تھا۔ روزینہ سلطان کو صبح شام ایک خاص قسم کی حشیش پلاتی رہتی تھی اور پھر اس کیفیت میں وہ اپنے حسن و جوانی کا طلسم استعمال کرتی تھی۔ سلطان تو جوان ہیں اور ان کے جذبات بھی جوان ہیں، روزینہ اور اس جیسی لڑکیاں پتھروں کو بھی موم کر لیا کرتی ہیں۔ میں روزینہ اور طبیب کے درمیان ایک رابطہ ہوں۔ اگر روزینہ انکار کرتی

Scanned by iqbalmt

ہے اور کہتی ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں تو اسے میرے سامنے لائیں۔ میں آپ کو اس محل میں وہ جگہ دکھاؤں گی جہاں اس نے حشیش رکھی ہوئی ہے"۔

"کیا روزینہ مجھے قتل کرنا چاہتی تھی؟" ــــ سلطان برکیارق نے پوچھا۔

"نہیں!" ــــ رابعہ نے جواب دیا ــــ "آپ پوری طرح اس کی مٹھی میں تھے۔ آپ کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ قتل صرف اُس صورت میں آپ کو کیا جاتا کہ آپ بیدار ہو کر اُس کی مٹھی سے نکل آتے..... ہاں، آپ کے دونوں بھائیوں کو، آپ کی ماں کو اور آپ کے وزیرِاعظم کو قتل کرنا تھا لیکن کچھ دیر بعد..... ایک بات اور بتاتی ہوں لیکن میں شک میں ہوں۔ آپ کی یہ جو کنیز ہے اس نے اپنا نام نگینہ بتایا ہے۔ مجھے کچھ ایسا شک ہوتا ہے کہ اس کا نام نگینہ نہیں کچھ اور ہے۔ میں لڑکپن میں حسن بن صباح کے پاس گئی تھی۔ مجھے دھوکے میں لے جایا گیا تھا۔ مجھے کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ یہ کنیز اُس وقت وہیں تھی۔ یہاں میں نے اسے دیکھا تو کچھ یقین بھی آنے لگا کیونکہ یہ روزینہ کے ساتھ پوری طرح بے تکلف تھی اور اس کی رازدار بھی تھی۔ کبھی کبھی حسن بن صباح کی باتیں بھی کرتی تھی اور روزینہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی یہ کنیز فطری طور پر باطنی ہے اور غائبانہ طور پر حسن بن صباح کی مرید ہے"۔

سلطان برکیارق نے اپنے وزیرِاعظم عبدالرحمٰن سمیری کی طرف دیکھا۔ وزیرِاعظم نے سلطان کو آنکھ کا ہلکا سا اشارہ کیا۔

"کیا تم اپنے بچوں کو یہاں لانا چاہو گی؟" ــــ وزیرِاعظم سمیری نے رابعہ سے پوچھا۔

"کیا آپ مجھے جانے کی اجازت نہیں دیں گے؟" ــــ رابعہ نے پوچھا۔

"نہیں!" ــــ وزیرِاعظم سمیری نے کہا ــــ "تم کہتی ہو کہ اپنے بچوں کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہو۔ اب تم صرف اس صورت میں زندہ رہو گی کہ یہیں رہو۔ تمہارے بچے یہاں آجائیں گے۔ ہمیں بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں"۔

"بچے ہی تو نہیں" ــــ رابعہ نے کہا ــــ "میرا اتنا قیمتی سامان بھی وہاں پڑا ہے"۔

"سب کچھ آجائے گا" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "تم صرف جگہ بتادو"۔

رابعہ نے اپنا گھر اچھی طرح سمجھادیا۔

"بچوں کو ابھی لے آئیں گے" ــــ رابعہ نے کہا ــــ "سامان رات کو اس طرح

لائیں کہ کسی کو پتہ نہ چلے ورنہ میں ماری جاؤں گی اور میرے بچے بھی محفوظ نہیں رہیں گے..... لیکن ایک بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی، وہ اب دماغ میں آئی ہے۔ اگر روزینہ یہاں ہے تو میں یہاں کس طرح رہ سکتی ہوں؟ وہ تو کسی وقت بھی مجھے قتل کروا دے گی یا دھوکے میں زہر پلا دے گی۔ اگر اس نے مجھے قتل نہ کیا تو میرے بچوں کو مروا ڈالے گی یا اغوا کرا دے گی۔ اس کے پاس ایک ایسا زہر ہے جس کا کوئی ذائقہ ہی نہیں"۔

وزیرِاعظم عبدالرحمٰن سمیری اور محافظ دستے کے کماندار نے سلطان برکیارق کی طرف دیکھا۔ اس بات کا جواب سلطان ہی دے سکتا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ سلطان روزینہ کے قتل کو ابھی پردے میں رکھنا چاہتا ہے یا نہ جانے اس کا کیا خیال ہے۔

"تم روزینہ کو یہاں نہیں دیکھ سکو گی" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "وہ دفن ہو چکی ہے۔ اس سارے محل میں گھوم پھر کر دیکھ لو۔ وہ زندہ نہیں"۔

"دفن ہو چکی ہے؟" ــــ رابعہ نے حیرت سے پوچھا ــــ "کیوں؟ کیا وہ بیمار ہو کر مر گئی ہے یا....."

"ہم پر اس کی اصلیّت بے نقاب ہو گئی تھی" ــــ سلطان برکیارق نے جواب دیا ــــ "میں نہیں جانتا کہ تمہیں حسن بن صباح سے کیا ملتا تھا۔ اگر یہ بتادو تو یہاں سے تمہیں دگنا انعام اور معاوضہ ملے گا۔ اب تم وہی کام ہمارے لئے کرو جو تم حسن بن صباح کے لئے کرتی رہی ہو۔ پہلے تم آوارہ پھرتی رہی ہو، اب تم اس محل کی ایک قابلِ عزت فرد بنا دی جاؤ گی..... سوچ لو، اب تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی"۔

داستان گو پہلے بیان کر چکا ہے کہ حسن بن صباح کے کسی فدائی سے راز لینا ایسا ہی ناممکن تھا جیسے ایک پتھر سے دُودھ کی دھاریں نکالی جائیں۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ ایک فدائی عورت نے سارے ہی راز دے دیئے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ سلطان برکیارق، اس کے بھائی، اس کی ماں اور وزیرِاعظم اسلام کے تحفظ، بقا اور فروغ کے لئے لڑ رہے تھے اور ان کا ایمان تھا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ رابعہ نے اپنی جوانی حسن بن صباح کے باطل عقیدے کو سینے سے لگائے گزار دی تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ حسن بن صباح نے اس کی فطرت ہی بدل ڈالی ہے لیکن مامتا ایسا جذبہ ہے جو ماں کا دین و ایمان بھی ہلا ڈالتا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے دو بچوں نے اسے راز اگلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بہرحال یہ ایک معجزہ تھا کہ رابعہ نے تمام راز دے دیئے اور بہت

Scanned by iqbalmt

سے آدمیوں کی نشاندہی بھی کی۔

○

سلطان برکیارق نے رابعہ کی رہائش کا انتظام کرنے کا حکم دے دیا اور یہ بھی کہ اس کے بچوں کو بھی یہاں لے آئیں..... وزیر اعظم عبدالرحمن سمیری نے کہا کہ اس عورت کی رہائش پر پہرہ ضرور ہونا چاہئے اور پہرہ ایسا ہو کہ اسے پتہ نہ چلے۔ دو تین ملازموں کو یہ فرض سونپ دیا جائے کہ وہ ہر وقت اس پر نظر رکھیں..... سلطان برکیارق نے اس مشورے کے مطابق حکم جاری کر دیا۔

اس کے بعد سلطان برکیارق نے باہر آکر وزیر اعظم سے کہا کہ جنگ بند کرانا اس کا کام ہے اور وہ جس قدر جلدی ہو سکے یہ قتل و غارت رکوا دے۔

سمیری چلا گیا اور سلطان برکیارق نے اپنے دربان سے کہا کہ وہ کنیز نگینہ کو میرے کمرے میں بھیج دے۔ اس نے جا کر دیکھا اس کے کمرے کے فرش سے روزینہ کا خون دھو دیا گیا تھا اور دروازے کے باہر جو خون گرا تھا وہ بھی صاف کر دیا گیا تھا۔ کمرے میں پھر قالین ویسے ہی بچھ گیا تھا جیسے پہلے ہوا کرتا تھا جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ برکیارق پلنگ پر بیٹھا اور پھر لیٹ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ شمونہ کمرے میں داخل ہوئی اور کنیزوں کی طرح آداب بجا لائی۔ سلطان برکیارق نے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ شمونہ قالین پر بیٹھ گئی۔

"نگینہ!" — سلطان برکیارق نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا — "اب تم کنیز نہیں ہو۔ میرے دل میں تم نے اپنا درجہ خاصا بلند کر لیا ہے۔ اوپر بیٹھو یا میرے پاس پلنگ پر بیٹھ جاؤ"۔

شمونہ قالین سے اٹھی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے" — برکیارق نے کہا — "تم نے سلجوقی سلطنت کو مزید خون خرابے سے بچا لیا ہے..... میں تمہیں اس کا انعام دینا چاہتا ہوں..... بولو کیا چاہئے!"

"سلطان عالی مقام!" — شمونہ نے کہا — "میں نے آپ کی والدہ محترمہ سے بھی کہا تھا اور آپ سے بھی کہتی ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے..... نئی زندگی یا موت دینے والا صرف اللہ ہے۔ اللہ نے اگر مجھے اس کا سبب بنایا ہے تو یہ میرا کمال

نہیں۔ میں کوئی انعام نہیں چاہتی"۔

"لیکن میں تمہیں انعام دینا چاہتا ہوں" — سلطان برکیارق نے کہا — "تم نے میری صرف جان ہی نہیں بچائی بلکہ میری ذات اور میری شخصیت کو ایک تباہی سے بچا لیا ہے۔ میں ایک شیطان کے قبضے میں آگیا تھا۔ اس نے مجھ سے سگی ماں کی توہین کرائی۔ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے جو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ بھی معاف کرے گا یا نہیں، اور اس شیطان نے مجھے میرے بھائیوں کا دشمن بنایا اور یہ جو قتل و غارت میری سلطنت میں شروع ہو گئی ہے، یہ بھی میرے حساب میں لکھی جائے گی۔ تم آگئی تو میں راہ راست پر آگیا ہوں۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ اور مجھ پر معمولی احسان نہیں"۔

"میں نے انعام حاصل کر لیا ہے سلطان محترم!" — شمونہ نے کہا — "میں یہ کام کرنا چاہتی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں کامیاب ہو جاؤں گی لیکن اللہ نے میری دعائیں قبول کیں اور میں کامیاب ہو گئی۔ یہ انعام کچھ کم نہیں کہ میں نے جو کرنا چاہا وہ ہو گیا"۔

"میں تمہیں ایک انعام دینا چاہتا ہوں" — سلطان برکیارق نے کہا — "تم اب روزینہ کی جگہ لو گی..... آج سے تم کنیز نہیں ہو۔ میں اس خانہ جنگی کا خاتمہ کر کے حالات کو معمول پر لے آؤں تو تمہارے ساتھ شادی کر لوں گا۔ مجھے ایسی امید نہیں رکھنی چاہئے کہ تم انکار کرو گی"۔

"سلطان محترم!" — شمونہ نے مسکراتے ہوئے کہا — "آپ یہی امید رکھیں کہ میں انکار ہی کروں گی۔ اس انکار کا ایک جواز ہے اور اس کا پس منظر بھی ہے..... آپ پس منظر سن لیں پھر شادی کر لیں گے"۔

"مطلب یہ کہ تم شادی شدہ ہو" — سلطان برکیارق نے کہا۔

"میں شادی شدہ نہیں ہوں" — شمونہ نے کہا — "لیکن میں مرد کی فطرت کی کمزوریوں سے اور مرد کے وجود سے اور مرد کی عیش پرستی اور لذت پرستی سے ناواقف نہیں ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ سلطان عالی مقام! میرا نام نگینہ نہیں شمونہ ہے۔ میں نے یہاں اپنا صحیح نام اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر نہیں بتایا تھا۔ میں بچپن میں ایک قافلے سے اغوا کی گئی تھی اور میری پرورش حسن بن صباح کی جنت میں ہوئی تھی۔ جوان ہوئی تو میں حسن بن صباح کے زیر سایہ رہی۔ میرے اندر ابلیسیت سمو دی گئی تھی اور پھر

Scanned by iqbalm

مجھے اس طرف بھیج دیا گیا۔ میں آپ کو کوئی لمبی داستان نہیں سناؤں گی۔ میں نے بڑے بڑے سرداروں، عہدیداروں اور کمانداروں کو حسن بن صباح کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ پھر جس طرح آپ راہِ راست پر آ گئے ہیں اسی طرح اللہ نے مجھے روشنی دکھائی اور میں بھی اللہ کی راہ پر آ گئی.....

"اللہ نے مجھے یہ انعام دیا کہ مجھے میری ماں مل گئی جس کی آغوش سے مجھے برسوں پہلے نوچا گیا تھا۔ پھر مجھے ایک اور انسان مل گیا جس نے مجھے دلی اور روحانی محبت سے آشنا ہی نہیں بلکہ سرشار کیا۔ اس آدمی نے حسن بن صباح کو قتل کرنے کے لئے اتنی زیادہ قربانی دی کہ اپنے خاندان سے الگ ہو کر یہیں کا ہو کے رہ گیا ہے۔ وہ اصفہان کا رہنے والا ہے اور اس کا نام مزمل آفندی ہے۔ وہ حسن بن صباح کو قتل کرنے کے لئے گیا تھا لیکن ان کے جال میں آ گیا۔ انہوں نے اپنے خصوصی طریقوں سے اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا اور اسے سلطان ملک شاہ مرحوم کے قتل کے لئے تیار کر کے یہاں بھیج دیا.....

"یہ سلطان مرحوم کی خوش نصیبی تھی اور یہ مزمل کی بھی خوش نصیبی تھی کہ اس نے میرے ساتھ اس ارادے کا ذکر کر دیا۔ میں نے سلطان مرحوم کو بتا دیا۔ سلطان مرحوم نے طبیب کو بلایا اور طبیب نے اسے دوائیاں وغیرہ دے کر اس کے دل و دماغ سے باطنیوں کے اثرات نکال دیئے۔ اسے واپس اپنی اصلی حالت میں لانے میں میرا عمل دخل بھی ہے۔ ہم دونوں کی محبت ایک دوسرے کی روح میں اتری ہوئی ہے"۔

"پھر تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟" ـــــ سلطان برکیارق نے پوچھا۔

"ہم دونوں کا مقصد اور عہد ایک ہے" ـــــ شمونہ نے کہا ـــــ "ہم نے حسن بن صباح کو قتل کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ یہ عہد پورا کر کے ہم شادی کریں گے لیکن ہمارے سامنے مشکل یہ رہی ہے کہ مجھے بھی اور مزمل کو بھی قلعہ الموت میں بہت سے لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ہم وہاں گئے تو جاتے ہی پکڑے جائیں گے۔ ہم حسن بن صباح کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کوئی موقعہ نہیں مل رہا تھا۔ آپ کی شادی روزینہ سے ہوئی تو مجھے بتایا گیا کہ روزینہ حسن بن صباح کی جنت سے آئی ہے۔ ہم میں اور مزمل سنتے رہے کہ اس لڑکی نے آپ کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے اور پھر یہ بھی پتہ چلا کہ یہ خانہ جنگی باطنیوں نے ہی شروع کرائی ہے۔ میں تڑپتی رہی کہ روزینہ کو کس طرح قتل کروں لیکن کوئی راستہ اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر مجھے وزیرِ اعظم

عبدالرحمٰن سمیری سے ملوایا گیا اور انہوں نے مجھے یہاں کنیز رکھوایا"۔

شمونہ نے سلطان برکیارق کو تفصیلاً سنایا کہ اس نے روزینہ کے دل میں اپنا اعتماد کس طرح پیدا کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ جو تربیت روزینہ کو ملی تھی وہی تربیت اسے دے دی گئی تھی۔ شمونہ نے بتایا کہ اس نے وہی تربیت اور وہی تجربہ روزینہ پر استعمال کیا اور اس کے دل میں اتر گئی۔

شمونہ نے سلطان برکیارق کو یہ نہ بتایا کہ روزینہ نے شربت میں زہر نہیں ملایا تھا بلکہ زہر شمونہ نے اپنے ہاتھوں سے ملایا اور یہ منصوبہ جو اس نے سوچا تھا، کامیاب رہا۔ شمونہ نے بھی سوچ لیا تھا کہ اس نے اگر برکیارق کو بتا دیا کہ روزینہ نے شربت میں زہر نہیں ملایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ برکیارق کو افسوس ہو کہ اس نے بلاوجہ روزینہ کو قتل کیا۔

شمونہ نے برکیارق کو یہ بھی بتایا کہ روزینہ شربت میں خاص قسم کی حشیش ملایا کرتی تھی اور شمونہ نظر بچا کر یہ شربت غسل خانے میں انڈیل دیتی اور دوسرا شربت ڈال کر اس میں وہ دوائی ملا دیتی تھی جو طبیب نے مزمل کو دی تھی۔ مختصر یہ کہ شمونہ نے برکیارق کو لحہ بہ لحہ اپنے کارنامے کی تفصیلات سنائیں۔ برکیارق اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"سلطانِ عالی مقام!" ـــــ شمونہ نے کہا ـــــ "اگر آپ نے میرے ساتھ شادی کی یا جذباتی طور پر مجھے مجبور کیا تو یہ انعام نہیں ہو گا بلکہ میرا جو انعام ہے، اس سے آپ مجھے محروم کریں گے۔ آپ کی سلطنت میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی موجود ہے۔ مجھے آزاد رہنے دیں۔ میرا عہد ابھی پورا نہیں ہوا۔ میرے سینے میں حسن بن صباح کے خلاف نفرت اور انتقام کا طوفان اٹھتا ہے جسے میں بڑی مشکل سے دباتی ہوں۔ میں اس شیطان تک تو نہیں پہنچ سکتی لیکن جہاں پتہ چلے گا کہ اس کا کوئی فدائی مرد یا عورت فلاں جگہ موجود ہے، میں اسے اپنے ہاتھوں زہر پلاؤں گی"۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا" ـــــ سلطان برکیارق نے کہا اور پوچھا ـــــ "مزمل آفندی کہاں ہے؟"

"وہ سالار اوریزی کے ساتھ ہے" ـــــ شمونہ نے جواب دیا ـــــ "اس کا رابطہ آپ کے دونوں بھائیوں محمد اور سنجر کے ساتھ رہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ باطنی دونوں طرفوں کی فوجوں اور شہر میں بھی موجود ہیں اور وہی جلتی پر تیل ڈال رہے ہیں۔ مزمل ان

Scanned by iqbalmt

باطنیوں کے قتل کے لئے دیوانہ ہُوا جاتا ہے۔ میں اسے آپ سے ملواؤں گی"۔

سلطان برکیارق پلنگ پر نیم دراز تھا ۔ وہ یکلخت اٹھ بیٹھا اور لپک کر شمونہ کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آنکھوں سے لگایا اور پھر اُس ہاتھ کو چوما اور پھر بڑے احترام سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"اگر ایک عورت اتنا بڑا کام کر سکتی ہے تو میں تو سلطان ہوتے ہوئے اور زیادہ بڑے کام کر سکتا ہوں" ــــ سلطان برکیارق نے بڑے جوشیلے اور پُرعزم لہجے میں کہا ــــ "زندگی میں صرف شادی ہی تو ایک مسئلہ نہیں ہو تا۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے اور میں کروں گا"۔

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" ــــ شمونہ نے برکیارق سے پوچھا اور کہا ــ "میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی ماں کے پاس چلی جاؤں.. ... میں اپنے تجربے کی بنا پر کہتی ہوں کہ مجھے یہاں سے چلے ہی جانا چاہئے۔ میں آپ کے سامنے نہ ہی رہوں تو اچھا ہے ورنہ آپ کے ارادے متزلزل رہیں گے اور جب بھی آپ مجھے دیکھیں گے تو آپ کے دل میں یہ خواہش تڑپے گی کہ میں روزینہ کی جگہ لے لوں۔ مجھے آپ جب بھی یاد کریں گے "فوراً" پہنچوں گی"۔

"ہاں شمونہ!" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "تم نے مجھے بیدار کر دیا ہے اور تم نے میرے اندر ایک عزم پیدا کیا ہے ..... تم نے جو کہا ٹھیک کہا ہے۔ تم اپنی ماں کے پاس چلی جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں بھی مجبور کر دوں کہ میرے ساتھ شادی کر لو۔ اب میں ہمہ وقت سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو جاؤں گا"۔

شمونہ اٹھی اور آداب بجالا کر برکیارق کے کمرے سے نکل آئی۔

○

شمونہ اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔

سلطان برکیارق نے وزیرِاعظم سیمری کو بلایا۔ تھوڑی دیر بعد سیمری آگیا۔

"اُس طبیب کے گھر آج رات ہی چھاپہ مارنے کا انتظام کریں" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "چھاپہ آدھی رات کے کچھ دیر بعد مارا جائے' بہرحال یہ انتظام آپ نے کرنا ہے"۔

"انتظام ہو جائے گا" ــــ وزیرِاعظم سیمری نے کہا ــــ "لیکن میں سلطانِ محترم کو بتادوں کہ ان لوگوں کو زندہ پکڑنا آسان نہیں ہو گا۔ میں اجازت چاہتا ہوں کہ وہ لوگ مقابلہ کریں تو ہم یہ کوشش نہ کریں کہ انہیں زندہ پکڑا جائے۔ البتہ یہ کوشش ضرور ہو گی کہ ایک دو آدمی زندہ ضرور پکڑے جائیں"۔

"یہ سب کچھ سوچنا آپ کا کام ہے" ــــ سلطان برکیارق نے کہا ــــ "صبح تک مجھے یہ لوگ زندہ یا مُردہ دیکھنے ہیں"۔

اُس زمانے میں وزیرِاعظم سپہ سالاری کا اور فنِ حرب و ضرب کا پورا پورا تجربہ رکھتے تھے۔ ضرورت کے وقت وزیرِاعظم فوج کی کمان بھی لے لیا کرتا تھا۔ وزیرِاعظم سیمری نے جا کر چھاپے کے لئے آدمی منتخب کر لئے۔ اس چھاپہ مار جماعت کا جو کمانڈر تھا اسے بھیجا گیا کہ وہ طبیب کا گھر دیکھ آئے۔ طبیب کا گھر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ پورے شہر میں مشہور ہو گیا تھا۔ بہرحال کمانڈر چلا گیا اور وہ گھر اس نظر سے دیکھ آیا کہ رات اس گھر پر چھاپہ مارنا ہے۔

اس رات طبیب کے گھر میں کچھ زیادہ ہی آدمی اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ خانہ جنگی بند کرنے کا حکم مل گیا ہے۔ پتہ اس طرح چلا کہ سلطان برکیارق نے سپہ سالار ابو جعفر حجازی کو حکم دیا تھا کہ سرکاری فوج کو لڑنے سے روک دیا جائے۔ سپہ سالار حجازی نے ہر طرف قاصد دوڑا دیئے تھے اور جس طرف زیادہ دستے تھے اُس طرف وہ خود چلا گیا تھا۔ اس طرح سلطان کا حکم کوئی راز نہیں رہا تھا۔ یہ "فوراً" باطنیوں تک پہنچ گیا تھا۔ ان باطنیوں میں جو لیڈر قسم کے افراد تھے وہ طبیب کے ہاں اکٹھے ہو گئے تھے اور وہ اس صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ انہیں اب یہ سوچنا تھا کہ خانہ جنگی کس طرح جاری رکھی جائے اور اس صورتِ حال میں کس قسم کی تخریب کاری کی جا سکتی ہے۔

اس حویلی میں کم و بیش بیس آدمی اکٹھے ہو گئے تھے۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور یہ لوگ اس طرح تبادلۂ خیالات اور بحث مباحثہ کر رہے تھے جیسے ان کا سونے کا کوئی ارادہ نہیں۔ طبیب بار بار کہتا تھا کہ خانہ جنگی بند ہو گئی تو وہ شیخ الجبل (حسن بن صباح) کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

"غور اس پر کریں کہ سلطان نے یہ حکم دیا ہی کیوں ہے" ــــ طبیب کے ایک

دستِ راست نے کہا — "اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ روزینہ ناکام ہو گئی ہے"۔

"میں نے یہی سوچ کر رابعہ کو بلوایا تھا" — طبیب نے کہا — "اور اسے روزینہ کے پاس جانے کو کہا تھا لیکن رابعہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔ اس کے گھر آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ اس کے بچے بھی گھر میں نہیں ہیں۔ گھر خالی پڑا ہے"۔

"پھر وہ پکڑی گئی ہے" — ایک آدمی نے کہا — "کہیں ایسا تو نہیں کہ سلطان برکیارق کو بھائیوں نے قتل ہی کر دیا ہو؟..... خانہ جنگی بند کرنے کا حکم محمد نے ہی دیا ہو گا"۔

اس گروہ کو ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ ہو کیا ہے۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے اور رات آدھی گزر گئی تھی..... یہ ایک بڑی حویلی تھی جس کی ساخت ایک قلعے جیسی تھی۔ اس کی چھت ساتھ والے مکانوں کی چھتوں سے ملتی تھی۔ ان آدمیوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ سب خاموش ہو گئے۔ قدموں کی آہٹیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ آدمی دوڑ کر صحن میں آئے اور اوپر دیکھنے لگے۔

عبدالرحمٰن سمیری کی بھیجی ہوئی چھاپہ مار جماعت کسی قریبی مکان میں داخل ہو کر اوپر گئی اور چھتوں کے ذریعے طبیب کی چھت تک پہنچی۔ نیچے سے باطنیوں نے دیکھ لیا اور کوئی زور سے پکارا — "تیار ہو جاؤ بھائیو!" — حویلی کے برآمدے میں دو دیئے جل رہے تھے۔ ان کی روشنی صحن میں بھی جا رہی تھی۔

صحن میں جو باطنی نکلے تھے' ان میں سے کچھ برآمدے کی طرف دوڑے اور دو دروازے کی طرف گئے اور دروازے کی زنجیر اتارنے لگے۔ منڈیر سے ایک چھاپہ مار نے ان پر برچھی پھینکی جو ایک چھاپہ مار کی پیٹھ میں اتر گئی۔ دوسرے نے ایسی دلیری کا مظاہرہ کیا کہ باہر بھاگنے کی بجائے اس نے اپنے ساتھی کی پیٹھ میں سے برچھی نکال لی اور چھاپہ ماروں سے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ چھاپہ مار دوڑتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف آئے اور بڑی ہی تیزی سے نیچے اترنے لگے۔

کمرے میں سے تمام باطنی تلواریں اور برچھیاں لے کر نکل آئے۔ چھاپہ ماروں کی تعداد پچیس یا تیس تھی۔ باطنی بیس تھے۔ حویلی کے صحن میں بڑا ہی خونریز معرکہ لڑا گیا۔ دو چھاپہ مار دروازے کے قریب کھڑے ہو گئے تھے تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے۔ چھاپہ

ماروں کا کمانڈر بار بار چلا رہا تھا کہ ان میں سے دو تین کو زندہ پکڑو لیکن باطنی زندگی کا آخری معرکہ لڑنے کے انداز سے دلیری سے لڑ رہے تھے۔

چھاپہ مار تجربہ کار تھے۔ ان کے چند ایک آدمی زخمی ہو چکے تھے اور وہ گر پڑے تھے لیکن زیادہ نقصان باطنیوں کا ہو رہا تھا۔ دیکھا گیا کہ ایک باطنی نے جب دیکھا کہ اس کے باطنی مارے گئے ہیں اور چھاپہ مار غالب آگئے ہیں تو وہ دوڑ کر ایک طرف ہو گیا۔ دو تین چھاپہ مار اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھے لیکن باطنی نے اپنی تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ ایک باطنی جو کسی کمرے میں چھپ گیا تھا' نکلا اور دروازے کی طرف دوڑا۔ اس وقت کوئی چھاپہ مار دروازے کے قریب نہیں تھا۔ باطنی دروازہ کھول رہا تھا کہ دو چھاپہ ماروں نے اس پر وار کرنے کی بجائے اسے ایسا جکڑا کہ وہ لڑنے کے قابل نہ رہا۔ اسے زندہ پکڑ لیا گیا۔

طبیب بھی مارا گیا اور اس کے گروہ کا کوئی ایک بھی آدمی پاؤں پر کھڑا نہ رہا۔ صرف ایک کو زندہ پکڑا گیا۔ چھاپہ ماروں کا کمانڈر زخمی باطنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان میں کوئی معمولی زخمی ہو گا تو اسے اٹھا کر لے جائیں گے۔ اس نے ایک زخمی کو دیکھا جو پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ اس نے اپنی تلوار جو اس کے قریب ہی پڑی تھی' اٹھائی اور اوپر کر کے اپنے پیٹ میں مار لی۔ پانچ چھ چھاپہ مار مارے جا چکے تھے اور زخمی تقریباً" سب ہی ہوئے تھے لیکن وہ چل پھر سکتے تھے۔ چھاپہ ماروں نے اپنے زخمیوں کو کندھوں پر اٹھا لیا اور زندہ باطنی کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل آئے۔

وزیراعظم عبدالرحمٰن سمیری چھاپہ ماروں کی واپسی کے انتظار میں بے تاب ہو رہا تھا۔ آخر چھاپہ مار پہنچ گئے۔ سب کے کپڑے خون سے لال تھے۔ انہوں نے زندہ باطنی وزیراعظم کے حوالے کیا اور اسے بتایا کہ باقی سب مارے گئے ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ باطنیوں نے کس بے خوفی سے مقابلہ کیا تھا۔

"اسے اُس کمرے میں لے جاؤ" — وزیراعظم سمیری نے کہا۔

وہ ایک خاص کمرہ تھا جو محل کے ایک دور کے حصے میں تھا۔ کہاں محل کا حُسن اور رونق اور کہاں یہ کمرہ کہ اس میں جو داخل ہوتا وہ ناک پر کپڑا رکھ لیتا تھا کیونکہ یہ کمرہ ایسی بدبُو سے بھرا رہتا تھا جو ناقابلِ برداشت تھی۔ یہاں ملزموں اور مُشتبوں سے تفتیش کی جاتی تھی۔ تفتیش کا مطلب پوچھ گچھ نہیں بلکہ ایسی غیرانسانی اذیتیں دی جاتی تھیں

Scanned by iqbalm

Scanned by iqbalmt

کہ آدمی مر مر کر جیتا تھا۔ بعض مر ہی جاتے تھے۔ ان کی لاشیں کچھ دن وہیں پڑی رہنے دی جاتی تھیں اور وہ دوسرے ملزموں کو دکھا کر کہا جاتا تھا کہ سچ بولو ورنہ تمہاری لاش بھی ان لاشوں کے ساتھ پڑی ہو گی۔

○

اس باطنی کو اس کمرے میں لے جایا گیا اور کچھ دیر بعد وزیرِ اعظم سمیری اپنے دو خاص آدمیوں کے ساتھ وہاں گیا۔ باطنی سے کہا کہ وہ اگر سچ بولے گا تو اس کی جان بخشی کر دی جائے گی اور انعام بھی دیا جائے گا ورنہ اس کا حشر بہت بُرا ہو گا۔

"میں شیخ الجبل کو دھوکا نہیں دوں گا" ——— باطنی نے کہا ——— "میرے جسم کو پاؤں سے کاٹنا شروع کر دو۔ میری زبان سلامت رہنے دو تو بھی میری زبان پر وہ سچ نہیں آئے گا جو تم لوگ سننا چاہتے ہو"۔

اس کے ساتھ دوستانہ رویّہ اختیار کیا گیا' بہلانے اور ورغلانے کا ہر حربہ آزمایا گیا اور لالچ دیئے گئے لیکن وہ شخص مسکراتا رہا۔ اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان تھا۔ وزیرِ اعظم سمیری نے اپنے آدمیوں کو سر سے ہلکا سا اشارہ کیا اور خود باہر نکل آیا۔ ان آدمیوں نے دروازہ بند کر دیا۔

صبح طلوع ہوئی اور سورج کچھ اوپر اٹھا تو وزیرِ اعظم سمیری اپنے گھر سے نکلا۔ وہ اپنے دفتر میں جانے کی بجائے اُسی کمرے میں چلا گیا جس میں باطنی کو رکھا گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس باطنی کو اس کے آدمیوں نے اُلٹا لٹکایا ہُوا تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کے ساتھ دس دس سیر وزنی پتھر بندھے ہوئے تھے۔ وزیرِ اعظم کو بتایا گیا کہ اس نے کچھ بھی نہیں بتایا بلکہ یہ بولتا ہی نہیں۔ وزیرِ اعظم نے انہیں کہا کہ اپنا عمل جاری رکھو اور اگر یہ مرتا ہے تو مر جانے دو لیکن کوشش کرو کہ یہ کچھ اُگل دے۔

چار پانچ گھنٹے گزر گئے تو وزیرِ اعظم سمیری ایک بار پھر اس کمرے میں گیا۔ باطنی ابھی تک اُلٹا لٹکا ہُوا تھا۔ سمیری حیران ہو رہا تھا کہ یہ شخص انسان ہے یا پتھر کا مجسمہ ہے۔ اس نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا۔

کمرے کا دروازہ بڑی زور سے کھلا۔ وزیرِ اعظم سمیری اور اس کے دونوں آدمیوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک عورت تھی جس کے بال کھلے اور بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے غریبانہ سے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ پریشان حال نظر

آتی تھی۔ وہ اُلٹا لٹکے ہوئے باطنی کے ساتھ لپٹ گئی اور رونے اور چیخنے لگی۔ باطنی کو چھوڑ کر وہ وزیرِ اعظم سمیری کے قدموں میں جا گری اور اس کے قدموں میں ماتھا رگڑنے لگی۔

"اللہ تمہیں اس سے بڑا عہدہ دے" ——— اس عورت نے روتے ہوئے فریاد کی ——— "یہ میرا بھائی ہے..... ایک ہی ایک بھائی ہے' اس پر کوئی شک نہ کرو۔ اسے باطنی نہ سمجھو۔ اس کا اس گروہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں..... اللہ کے نام پر اسے چھوڑ دو ورنہ میرے بچے بھوکے مر جائیں گے"۔

دونوں آدمی اس عورت کو اٹھا کر باہر کو دھکیلنے لگے لیکن وزیرِ اعظم سمیری نے انہیں روک دیا اور اس عورت سے پوچھا کہ وہ اندر کس طرح آ گئی ہے۔

"میں دربانوں کے آگے روئی اور فریادیں کی تھیں" ——— عورت نے کہا ——— "انہوں نے مجھے روک لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں رحم آ گیا اور انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ تمہارا بھائی فلاں کمرے میں بند ہے"۔

"آرام سے بات کرو" ——— وزیرِ اعظم سمیری نے اسے کہا ——— "ہم کسی پر بلاوجہ ظلم نہیں کرتے۔ تمہارا یہ بھائی ہم نے اُس طبیب کے گھر سے پکڑا ہے جو حسن بن صباح کا بھیجا ہُوا خاص آدمی ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے چھاپہ ماروں کا مقابلہ کیا تھا اور سب مارے گئے ہیں۔ تمہارا یہ بھائی زندہ پکڑا گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ یہ وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"میں جانتی ہوں یہ وہاں کیوں گیا تھا" ——— عورت نے کہا ——— "یہ اس طبیب کے پاس گیا تھا۔ اسے پیٹ کی کوئی بیماری لگی ہوئی ہے۔ طبیب اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا اور اس سے اپنے گھر کے اور دوائی خانے کے چھوٹے موٹے کام کرواتا تھا اور اس کی اسے اُجرت دیتا تھا"۔

"لیکن یہ تو اپنے منہ سے کہتا ہے کہ میں باطنی ہوں" ——— وزیرِ اعظم سمیری نے کہا ——— "اس نے کہا ہے کہ میں شیخ الجبل کو دھوکا نہیں دوں گا اور سچ نہیں بولوں گا"۔

"اس سے پوچھیں کہ یہ جانتا ہے کہ شیخ الجبل کون ہے؟" ——— عورت نے کہا ——— "اسے ان شیطانوں نے یہ بتایا ہو گا کہ شیخ الجبل اللہ کا بھیجا ہُوا کوئی نبی یا ولی یا امام ہے۔ اس سے پوچھو کہ حسن بن صباح کون ہے تو یہ نفرت سے تھوک دے گا"۔

یہ عورت بار بار وزیرِ اعظم کے آگے ہاتھ جوڑتی اور جھک کر اس کے پاؤں پکڑتی

Scanned by iqbalmt

اور یہی فریاد کرتی تھی کہ میرے بھائی کو چھوڑ دو' یہ بے گناہ ہے اور میرا اور میرے بچوں کا واحد سہارا ہے۔ اس عورت کا تڑپنا' رونا اور بے حال ہو ہو جانا کچھ اثر کر گیا۔ وزیراعظم سمیری سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے اتار کر لٹا دو اور اسے پانی پلاؤ۔

"اب میری ایک بات سنو" —— وزیراعظم سمیری نے اس بدحال عورت سے کہا —— "میں تمہیں اس بھائی کے ساتھ اکیلا چھوڑ دوں گا اگر یہ حسن بن صباح کا چیلا ہے تو بتا دے۔ اگر نہیں تو تم مجھ سے تسلیم کروا لو کہ اس کا اس گروہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ میری تسلی ہو گئی تو میں اسے چھوڑ دوں گا"۔

اس باطنی کو اتارا گیا' پانی پلایا گیا اور پھر وزیراعظم کے کہنے پر اسے کچھ کھلایا گیا اور اس عورت کے ساتھ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ وزیراعظم سمیری وہاں سے جا چکا تھا۔

"بے وقوف!" —— اس عورت نے باطنی کے ساتھ لپٹتے ہوئے کہا —— "تم زندہ کس طرح پکڑے گئے تھے؟ بھاگ جاتے' مر جاتے!"

"میں تو دروازے سے نکل رہا تھا کہ انہوں نے پکڑ لیا" —— باطنی نے کراہتے ہوئے کہا —— "تم نے تو کمال ہی کر دیا ہے۔ کیا مجھے یہاں سے نکلوا سکو گی؟"

"میں نے کوئی بھی کام ہاتھ میں لیا ہے تو کر کے ہی چھوڑا ہے" —— عورت نے کہا —— "مجھے امید ہے کہ تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ اگر انہوں نے نہ چھوڑا تو مجھے یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ تم یہاں ہو' میں تمہیں کسی نہ کسی طرح فرار کروا لوں گی..... مجھے یہ بتاؤ کہ میں کسے اطلاع دوں کہ تم یہاں ہو۔ میں تو اپنے گروہ کو جانتی ہوں لیکن ہر کسی کو نہیں"۔

باطنی نے اسے بتانا شروع کر دیا۔

○

دن کے پچھلے پہر وزیراعظم عبدالرحمٰن سمیری سلطان برکیارق کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ خانہ جنگی بند کرانے اور حالات کو معمول پر لانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ سلطان برکیارق ذہنی طور پر اس قدر ٹھیک ہو گیا تھا کہ وہ اپنے مرحوم باپ سلطان ملک شاہ کی طرح باتیں کرنے لگا تھا۔ اس نے یہاں تک کہا کہ خانہ جنگی رُک جائے تو دونوں طرف

ے لشکروں کو اکٹھا کر کے میں ایسی طاقتور فوج بناؤں گا جو ایک ہی حملے میں حسن بن صباح کا صفایا کر دے گی۔

دربان کمرے میں داخل ہوا۔

"سلطانِ عالی مقام!" —— دربان نے جھک کر کہا —— "ایک عورت آئی ہے۔ ملاقات کی اجازت چاہتی ہے"۔

سلطان برکیارق کے چہرے پر خفگی کے تاثرات آ گئے اور اس نے وزیراعظم سمیری کی طرف دیکھا۔ اس وقت سلطان کسی عام آدمی سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"میں جانتا ہوں وہ کون ہے" —— وزیراعظم سمیری نے کہا —— "اسے آنے دیں سلطانِ محترم!"

وزیراعظم نے دربان سے کہا کہ اسے اندر بھیج دو۔

رابعہ کمرے میں داخل ہوئی۔ سلطان برکیارق نے اسے اس حالت میں دیکھا تو کچھ پریشان سا ہو کر بولا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا ہے رابعہ؟ میرے محل میں تم اس حالت کو کس طرح پہنچی ہو؟..... رابعہ ہنس پڑی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کپڑے میلے اور بوسیدہ تھے اور وہ بھکارن لگتی تھی۔

"یہ میں آپ کو بتاؤں گا سلطانِ محترم!" —— وزیراعظم سمیری نے کہا —— "پہلے میں اس سے وہ بات سن لوں جس کے لئے میں نے اسے بلایا تھا"۔

"کام کر آئی ہوں" —— رابعہ نے بیٹھتے ہوئے کہا —— "یہ بھی بھلا کوئی کام تھا۔ میں نے اس سے وہ سب کچھ اگلوا لیا ہے جو آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے جسم کے آپ ٹکڑے کر دیتے' وہ نہ بولتا"۔

وہ عورت جو تفتیش والے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اُس باطنی سے لپٹ گئی تھی اور وزیراعظم سمیری کے قدموں میں ماتھا رگڑ رگڑ کر فریادیں کرتی تھی' وہ اس باطنی کی بہن نہیں تھی نہ اس کی کچھ لگتی تھی۔ وہ رابعہ تھی۔ رابعہ حسن بن صباح کی تربیت یافتہ تھی۔ داستان گو سنا چکا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی خاطر سلطان برکیارق کے آگے جھک گئی اور اس نے راز اُگل دیئے تھے اور اب عبدالرحمٰن سمیری نے اسے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے رابعہ کو صبح اپنے پاس بٹھا کر بتایا تھا کہ رات ہم نے طبیب کے گھر چھاپہ مارا

Scanned by iqbalmt

ہے اور اس کا صرف ایک آدمی زندہ پکڑا گیا ہے لیکن وہ بولتا نہیں۔

"بولے گا!" ——— رابعہ نے پُر اعتماد انداز سے کہا ——— "میں وہاں آؤں گی لیکن آپ کا وہاں ہونا لازمی ہے"۔

وزیرِ اعظم سمیری اور رابعہ نے ایک سکیم بنالی اور رابعہ اٹھ کر چلی گئی۔ جو وقت مقرر کیا گیا تھا اُس وقت وزیرِ اعظم اس کمرے میں پہنچ گیا اور رابعہ ایک غریب' مفلوک الحال اور پریشان حال عورت کے بہروپ میں اس کمرے میں جا پہنچی اور وہ اداکاری کی جو پہلے سنائی جا چکی ہے۔ وزیرِ اعظم اپنے دونوں آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں سے آ گیا اور رابعہ نے اس باطنی کو رام کر لیا۔ یہ باطنی رابعہ کو جانتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ رابعہ اس قدر عیار اور تجربہ کار ہے کہ جنگل میں نکل جائے تو درندوں کو بھی اپنا مرید بنا لے۔ اس باطنی نے رابعہ کو وہ باتیں بھی بتا دیں جو رابعہ کو بھی معلوم نہیں تھیں۔ یہ باطنیوں کے کچھ اور ٹھکانے تھے اور باطنیوں کی تخریب کاری کی تفصیلات تھیں۔

یہ کام اور یہ کامیاب اداکاری رابعہ ہی کر سکتی تھی ورنہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی غریب سی عورت محل کے احاطے میں داخل بھی ہو سکتی' اور پھر وہ اس کمرے تک پہنچ جاتی جہاں کوئی غیر متعلق سرکاری کارندہ بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"تم بہت بڑے انعام کی حقدار ہو رابعہ!" ——— سلطان برکیارق نے کہا ——— "میں تمہارے لئے اس محل میں رہائش کا خصوصی انتظام کروا رہا ہوں۔ تمہارے بچّوں کی تعلیم و تربیت ہمارے ذمّے ہو گی...... اب تم جاؤ' اپنا حُلیہ صحیح کرو' میں تمہیں پھر بلاؤں گا"۔

رابعہ فاتحانہ چال چلتی وہاں سے چلی گئی...... وزیرِ اعظم سمیری نے سلطان برکیارق سے کہا کہ اب ہمیں اس باطنی کو زندہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے قید میں ڈالنے کی بجائے ختم ہی کر دیا جائے۔

دربان کو بلایا گیا اور اسے کہا گیا کہ فلاں آدمی کو بلائے۔ وہ آدمی آیا تو سلطان برکیارق نے اسے کہا کہ اس باطنی کو قتل کر کے اس کی لاش کہیں دبا دو لیکن قبرستان میں نہیں۔

وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری نے سلطان سے ایک ایسا حکم جاری کروا لیا جس نے تاریخ کا رخ ہی پھیر دیا۔ وزیرِ اعظم نے سلطان کو مشورہ دیا کہ جن باطنیوں کی نشاندہی ہو

گئی ہے' انہیں پکڑ لیا جائے' کسی سے کچھ بھی نہ پوچھا جائے نہ انہیں سزائے قید دی جائے بلکہ قتل کر دیا جائے۔ سلطان برکیارق پہلے ہی شرمسار تھا کہ وہ ایک باطنی لڑکی کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا اور سلطنت کو خانہ جنگی میں جھونک دیا۔ وہ اپنے اندر ایک تلخی محسوس کرتا تھا جو کبھی کم ہوتی اور کبھی اتنی زیادہ کہ اس کی برداشت سے باہر ہو جاتی اور وہ غصے میں آ جاتا تھا۔ اسی کیفیت میں اس نے وزیرِ اعظم کی بات مان لی اور کہا اس کی روحانی تسکین اسی طرح ہو گی کہ اس کے سامنے ان باطنیوں کے سر اڑا دیئے جائیں۔

تاریخ نویس ابوالقاسم رفیق دلاوری نے مشہور مؤرخوں' ابنِ اثیر' ابنِ خلدون اور ابنِ جوزی کے حوالوں سے لکھا ہے کہ باطنیوں کے جن ٹھکانوں کی نشاندہی ہو گئی تھی' وہاں چھاپے مارے گئے اور یہ چھاپے اس انداز سے مارے گئے کہ زیادہ سے زیادہ باطنی زندہ پکڑے گئے جن میں چند ایسے باطنی تھے جو طبیب کی طرح سرداری درجے کے تھے۔ وہ احکام اور ہدایات جاری کرتے تھے اور تخریب کاری کو خوش اسلوبی اور کامیابی سے چلائے رکھنا ان کی ذمہ داری تھی۔ ان تمام سرداروں کو لا کر کچھ بھی نہ کہا گیا' صرف یہ کیا گیا کہ تین چار جلاّد بلائے گئے جو ان کی گردنیں کاٹتے گئے۔ ان کی لاشیں ایک ہی گڑھے میں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی جاتی تھی۔

یہ سلسلہ چار پانچ دن چلتا رہا اور سلطان کو یہ اطلاع ملی کہ خانہ جنگی رک گئی ہے اور تمام سالاروں اور کمانڈروں کے ساتھ رابطہ ہو گیا ہے۔ اس اطلاع کے فوراً" بعد سپہ سالار ابو جعفر حجازی' نائب سپہ سالار اوریزی جو باغی ہو گیا تھا' محمد' اور سنجر سلطان کے پاس آ گئے۔ سلطان یہ دیکھ کر حیران ہُوا کہ ابو مسلم رازی بھی ان کے ساتھ تھا۔

○

سلطان برکیارق دوسروں کے لئے تو نہ اٹھا لیکن ان کے پیچھے ابو مسلم رازی کو دیکھا تو وہ اس کے احترام میں اٹھ کھڑا ہُوا اور آگے بڑھ کر اور جھک کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر سب کو بٹھا کر ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔

"محترم رازی!" ——— سلطان برکیارق نے ابو مسلم رازی سے کہا ——— "آپ کو دیکھ کر مجھے اپنے والد مرحوم یاد آ گئے ہیں لیکن آپ یہاں کیسے؟ کیا میری حیرت بے معنی ہے؟"

ابو مسلم رازی بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ وہ سلطان ملک شاہ مرحوم کا دستِ راست اور

Scanned by iqbalm

بڑا ہی گہرا دوست تھا۔ ملک شاہ نے بھی سوچا ہی نہیں تھا کہ ابو مسلم رازی صرف ایک شہر اور اس کے مضافاتی علاقے کا امیر ہے۔ دونوں اسلام کے شیدائی اور حسن بن صباح کے دشمن تھے۔ سلطان برکیارق تو یوں تھا جیسے ابو مسلم رازی کے ہاتھوں پیدا ہوا ہو۔

"نہیں بیٹے!" — ابو مسلم رازی نے سلطان برکیارق سے کہا — "تمہاری حیرت بے معنی نہیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ تمہارے دارالسلطنت سے تھوڑی ہی دور موجود رہا ہوں۔ میں نے تم سے یہ سلطنت چھیننی نہیں تھی بلکہ اس سلطنت کو حسن بن صباح سے محفوظ رکھنا تھا مگر تم ایک باطنی لڑکی کے چکر میں ایسے آئے کہ تمہیں نیک و بد کی تمیز سے ہی اس نے محروم کر دیا اور تم میں سود و زیاں کا احساس ہی نہ رہا۔ اب قاصد نے یہ خبر دی کہ تم نے خانہ جنگی روکنے کا حکم دیا ہے تو یہ لڑکے مان ہی نہیں رہے تھے لیکن میرے عزیز بیٹے! میں نے زمانہ دیکھا ہے۔ میں نے انہیں کہا چلو چلتے ہیں' شاید بات چیت سے یہ مسئلہ حل ہو جائے"۔

"یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے" — سلطان برکیارق نے کہا — "اس باطنی لڑکی کو میں نے اپنے ہاتھوں قتل کر دیا ہے اور میں سب سے پہلے عظیم ماں کے قدموں میں جا گرا اور اس سے اپنے گناہ بخشوائے۔ پھر میں نے اور وزیر اعظم عبدالرحمٰن سمیری نے آپس میں صلاح مشورے کر کے جو کارروائیاں کی ہیں' آپ کے گوش گزار کرتا ہوں"۔

سلطان برکیارق نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح باطنیوں کے ٹھکانوں کا سراغ لیا گیا ہے اور کس طرح چھاپے مار کر انہیں پکڑا جا رہا ہے اور ان سب کو قتل کیا جا رہا ہے۔

ان سب کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ دارالسلطنت میں اور سلطان کے محل میں انقلاب آ رہا ہے۔ سب حیران بھی ہوئے اور خوش بھی۔ وہ جب یہاں آئے تھے تو ان کے چہروں پر تناؤ تھا اور ان سب کے چہرے بتا رہے تھے کہ وہ سلطان کو شک اور شبے کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ سلطان برکیارق کی باتیں سن کر ان کے چہروں پر رونق آ گئی۔

"اب میں چاہتا ہوں" — سلطان برکیارق نے کہا — "کہ دونوں طرفوں کے لشکر اکٹھے کر کے ایک لشکر بنا دیا جائے اور پھر اس لشکر کو کچھ دن تربیت دے کر قلعہ الموت پر حملہ کیا جائے۔ چند ایک باطنیوں کو قتل کر دینے سے حسن بن صباح کے باطل عقیدے کے طوفان کو روکا نہیں جا سکتا۔ مجھے اطلاعیں مل رہی ہیں کہ اس شیطان نے

بڑے ہی وسیع اور عریض علاقے کو اپنے زیرِ اثر کر لیا ہے۔۔۔۔

"زیرِ اثر بھی ایسا کہ ہمارا لشکر قلعہ الموت کی طرف پیش قدمی کرے گا تو ان علاقوں کے لوگ ہمارے لشکر کا اگر مقابلہ نہیں کریں گے تو لشکر راستے میں رکاوٹیں ضرور پیدا کریں گے"۔

ابو مسلم رازی کے کہنے پر سلطان برکیارق کی ماں کو وہاں بلا لیا گیا۔ ماں آئی تو اپنے تینوں بیٹوں کو اور ان سب کو اکٹھا بیٹھے دیکھ کر رو پڑی اور ہاتھ آسمان کی طرف کر کے ان کے اتحاد اور پیار کی دعائیں مانگنے لگی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ آج اس کے بیٹے اور بیٹوں کے سالار اور ابو مسلم رازی جیسا عالم اور فاضل یہ سب ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

اوپر جن مؤرخوں کے حوالے دیئے گئے ہیں' انہوں نے اور مسیحی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابو مسلم رازی عالم' اور فاضل تھا' دوراندیش اور دانشمند تھا۔ اس نے اس اجتماع میں ایک نئی تجویز رکھی اور زور دیا کہ اس پر فوری طور پر عمل کیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ تینوں بھائی ایک ہی دارالسلطنت میں اکٹھے نہ رہیں کیونکہ انسان بڑی کمزور چیز ہے اور انسان کی سب سے بڑی کمزوری اقتدار پرستی ہے۔ اس سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصے کا حکمران سلطان برکیارق ہو اور دوسرے کا محمد اور سنجر لیکن مرکز سلطان برکیارق کے تحت رہے تاکہ سلطنت کی مرکزیت بھی قائم رہے اور اتحاد بھی۔ ابو مسلم رازی نے یہ بھی کہا کہ سلطنت کو بانٹا نہ گیا تو امورِ سلطنت اور دیگر مسائل کا سارا بوجھ صرف ایک سلطان کے سر پر پڑا رہے گا جو اس کے لئے کسی وقت بھی ناقابلِ برداشت ہو سکتا ہے۔

وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری برائے نام وزیرِ اعظم نہیں تھا۔ وہ بھی عمر رسیدہ اور جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے ابو مسلم رازی کی اس تجویز کی پُرزور تائید کی اور کہا کہ یہ تقسیم ابھی ہو جانی چاہئے' اسے التوا میں نہ رکھا جائے۔

سلطان برکیارق کی ماں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا اور دونوں سالاروں ابو جعفر حجازی اور اوریزی نے بھی کہا کہ یہ قابلِ داد اور قابلِ عمل ہے۔ چنانچہ اسی وقت نقشے سامنے رکھے گئے اور سلطنت کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا لیکن اس پر عمل صرف اس لئے ملتوی کیا گیا کہ سرکاری فوج اور باغی فوج کے دستے شہر میں آ جائیں اور اس شہر کو باطنیوں سے صاف کر دیا جائے تو پھر اطمینان سے تقسیم پر عمل کیا جائے گا۔

Scanned by iqbalmt

اس تقسیم پر تینوں بھائی رضامند ہو گئے اور ماں نے بھی اس کی منظوری دے دی۔ تاریخ کے مطابق جو حصے محمد اور سنجر کو دیئے گئے ان میں شام' عراق' موصل' آذربائیجان اور آرمینیا قابلِ ذکر ہیں۔ باقی تمام حصہ برکیارق کو ملا لیکن یہ بھی طے پایا کہ بالادستی اور برتری برکیارق کو حاصل ہو گی۔

○

بکھرے ہوئے دستے اکٹھے کئے جا رہے تھے اور وہ شہر میں آ رہے تھے۔ سلطان برکیارق نے حکم دے دیا کہ جہاں کہیں کوئی باطنی نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس حکم میں یہ بھی کہا گیا کہ کسی نے کسی غیر باطنی کو ذاتی رنجش یا دشمنی کی بنا پر قتل کیا اور جواز یہ پیش کیا کہ یہ باطنی تھا' اس کے قاتل کو فوراً" قتل کر دیا جائے گا اور ان کے پسماندگان سے تاوان وصول کر کے مقتول کے پسماندگان کو دیا جائے گا۔ سرکاری طور پر انتظام کیا گیا کہ کوئی مشکوک آدمی شہر میں نظر آئے تو پوری چھان بین کی جائے کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کیا وہ اس شہر کا باشندہ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اسے کسی حکم کے بغیر قتل کر دیا جائے۔

شہر میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو جانتے تھے کہ یہ خانہ جنگی باطنیوں نے زمین دوز تخریب کاری کے ذریعے شروع کرائی ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ کون باطنی اور کون مسلمان ہے اور اس شہر کا قدیم باشندہ ہے۔ ان تک جب باطنیوں کے قتل کا حکم پہنچا تو انہوں نے باطنیوں کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ حکم یہ تھا کہ شہر میں سے کسی ایک کو بھی باہر نہ جانے دیا جائے اور شہر کے اندر صرف اُن فوجیوں کو آنے دیا جائے جو شہر سے باہر بکھر کر لڑ رہے تھے۔ اس حکم کا یہ اثر ہُوا کہ شہر سے نکلنے کی کوشش کرنے والے باطنی پکڑے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔

سلطان برکیارق نے باطنیوں کے قتلِ عام کا حکم دے دیا اور باطنی قتل ہونے لگے۔ کچھ باطنی تو ایسے تھے کہ جن کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں تھا اور بعض ایسے بھی تھے جن پر شک تھا کہ یہ باطنی ہیں۔ شہر کے مسلمانوں نے انہیں بھی قتل کر دیا لیکن سلطان برکیارق' اس کے وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری اور ابومسلم رازی کو اگر یہ یقین تھا کہ مَرو میں باطنیوں کو قتل کر دینے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا تو یہ ان کی بھول تھی۔ اتنا تو وہ جانتے ہی ہوں گے کہ باطنیوں کے اس قتلِ عام کی اطلاع حسن بن صباح تک ضرور جا پہنچے گی اور وہ جوابی وار ضرور کرے گا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس ابلیس کا ہر وار زمین دوز ہوتا ہے اور بڑا ہی کاری ہوتا ہے لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطنیوں کے متعلق خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ انہیں پوری طرح اندازہ نہیں تھا کہ حسن بن صباح کا انتقامی وار کس قدر خطرناک ہو گا اور وہ مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دے گا۔

ابو مسلم رازی' عبدالرحمٰن سمیری اور سلطان برکیارق کی ماں نے سلطنت کو بھائیوں میں تقسیم بھی کر دیا لیکن باطنیوں کے قتلِ عام کا فیصلہ اور سلطنت کی تقسیم کا فیصلہ بھڑکے ہوئے جذبات کے زیرِ اثر کیا گیا تھا۔ حسن بن صباح جس قدر بد ترین اور خطرناک دشمن تھا اتنا ہی اس کا فرقہ منظم تھا۔ اس کے تخریب کار فدائی اور جاسوس قلعہ اَلمُوت سے جتنی بھی دُور ہوتے تسبیح کے دانوں کی طرح ایک تنظیم میں پروئے ہوئے ہوتے تھے' مثلاً" مَرو میں طبیب تھا جو اس علاقے کے فدائین کو ایک بے عیب تنظیم اور بڑے سخت ڈسپلن کے تحت اپنے کنٹرول میں رکھتا تھا اور سوچ سمجھ کر تخریبی کارروائیاں کرواتا تھا۔ خانہ جنگی اُسی نے شروع کرائی تھی۔ ہر علاقے میں طبیب جیسے

Scanned by iqbalmt

آدمی موجود تھے اور ان سب کا رابطہ قلعہ اَلمُوت کے ساتھ جاسوسوں اور قاصدوں کے ذریعے تھا۔ ہر روز ایک قاصد تیز رفتار گھوڑے پر مرو سے قلعہ اَلمُوت کو روانہ ہوتا تھا اور وہ جس قدر جلدی ممکن ہو سکتا تھا' حسن بن صباح کے پاس پہنچتا اور اسے خبریں دیتا تھا۔

حسن بن صباح کے جاسوس سلطنتِ سلجوقیہ کے بڑے شہروں اور قصبوں میں اور دُور دراز کے دیہاتی علاقوں میں اس قدر زیادہ آ گئے تھے جیسے ایک پتھر اٹھاؤ تو اس کے نیچے سے ایک باطنی جاسوس یا فدائی برآمد ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں سلطنتِ سلجوقیہ کے حکمران' وزیر اور مشیر لشکر کی زبان میں سوچتے اور ایک دوسرے کو مشورے دیتے تھے۔ حسن بن صباح جیسے دشمن کو فوج اور لشکر سے مارنا آسان نہیں تھا۔

مَرو شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی تاکہ کوئی باطنی شہر سے نکل نہ سکے نہ ہی کوئی باطنی باہر سے آ سکے۔ یہ ناکہ بندی دو تین دنوں میں ختم کر دی گئی تھی کیونکہ شہر کے لوگ باہر جا کر اپنے عزیزوں کی لاشیں ڈھونڈتا اور شہر میں لانا چاہتے تھے تاکہ ان کے باقاعدہ جنازے پڑھے جائیں اور صحیح طریقے سے تجہیز و تکفین کی جائے۔ ان لوگوں کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔

دو دن تو باطنیوں کو چن چن کر قتل کیا جاتا رہا' اس کے بعد یہ سلسلہ ذرا تھم گیا اور اِکا دُکا باطنی قتل ہونے لگے۔ ایسے واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں کہ کسی نے کسی مسلمان کی طرف اشارہ کر کے کہہ دیا کہ یہ باطنی ہے تو مسلمانوں نے اُسے قتل کر دیا۔ ہر باطنی کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ یہ باطنی ہی تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو ہی قتل کرا رہے تھے۔

○

شہر میں امن بحال ہوتا جا رہا تھا۔ سرکاری فوج اور اس کے خلاف لڑنے والے لشکر کے بکھرے ہوئے دستوں کو شہر میں واپس لایا جا چکا تھا۔ ایک روز سلطان برکیارق نے ان سب کو گھوڑ دوڑ کے میدان میں اکٹھا کیا۔ وہ خود گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس کے پیچھے گھوڑوں پر عبدالرحمٰن سمیری' ابو مسلم رازی' محمد اور سنجر اور سپہ سالار ابو جعفر حجازی اور سالار اوریزی گھوڑوں پر ایک صف میں کھڑے تھے۔ سلطان برکیارق نے اپنے سامنے اتنے بڑے لشکر کو فوجی ترتیب میں کھڑے دیکھا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا

کر آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ یقیناً اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ یہ لشکر جو اس کے سامنے کھڑا تھا' دو متحارب حصوں میں بٹ گیا تھا اور دو چار دن پہلے تک یہ دونوں حصے ایک دوسرے کے خونی دشمن بن گئے تھے اور اب اللہ کا یہ خاص فضل و کرم تھا کہ دونوں حصے ایک ہو گئے تھے اور ان میں پہلے والا بھائی چارہ پیدا ہو گیا تھا۔

"میرے عزیز ہم وطنو!" ——— سلطان برکیارق نے بڑی بلند اور پُراعتماد آواز میں لشکر سے مخاطب ہو کر کہا ——— "تم اللہ کے سپاہی ہو اور اسلام کا تحفظ تمہارا ایمان ہے۔ مجھے بہت ہی دُکھ ہے کہ شیطان ہم پر غالب آ گیا تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی چالیں نہ سمجھ سکا اور ہم ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ بھائیوں نے اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانا شروع کر دیا.....

"میں اللہ کے حضور اور تم سب کے آگے شرمسار ہوں کہ یہ خون میری گردن پر ہے۔ اسے میری کوتاہی کہہ لو' چشم پوشی کہہ لو' کچھ کہہ لو' میں اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ خون ریزی میرا گناہ ہے۔ اب میں اس گناہ کا کفارہ دوں گا۔ یہ حسن بن صباح کا پیدا کیا ہوا فتنہ تھا۔ اس کے پیروکار ہماری صفوں میں ہمارے ہمدرد بن کر گھس آئے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی انہیں پہچان نہ سکا.....

"یہود و نصاریٰ اسلام کے ہمیشہ دشمن رہے ہیں اور دشمن ہی رہیں گے لیکن حسن بن صباح اور اس کا فرقہ اسلام کے انتہائی خطرناک دشمن ہیں کیونکہ یہ ابلیس جس نے اپنے آپ کو امام اور شیخ الجبل کا نام دے رکھا ہے' اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کی ذاتِ باری نے ہمیں روشنی دکھائی اور ایسے ذرائع پیدا کئے کہ ہم شیطان کے اثر سے نکل آئے اور صراطِ مستقیم پر چل پڑے ہیں۔ میں تم سب کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں سلطان تو ہوں لیکن تمہیں اپنی رعایا نہیں سمجھتا۔ اللہ کی طرف سے مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہی تم سب کی ذمہ داریاں ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہمارا ایمان ہے.....

"تم نے آپس میں قتل و غارت کی ہے۔ اب ایک دوسرے کو عزیزوں کا خون بخش دو۔ اسلام اتحاد کا سبق دیتا ہے۔ اتحاد میں ہی برکت ہے اور اتحاد ایک ایسی طاقت ہے جسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ دیکھ لو' ہم آپس میں اُلجھ پڑے تو اس کا فائدہ ہمارے دشمن کو پہنچا۔ ہم ایک دشمن کے فریب میں آ کر ایک دوسرے کا خون بہانے

Scanned by iqbalm

گئے تو اس دشمن نے ہماری بہت سی زمین پر قبضہ کر لیا۔ اب ہم نے نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے۔ یاد رکھو، حسن بن صباح اسلام کا اور تمہاری سلطنت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہم نے اس کے مقابلے میں ایک لشکر تیار کرنا ہے.....

"تم میں سے جو شہری سرکاری فوج میں یا دوسرے لشکر میں شامل ہوئے تھے اگر فوج میں رہنا چاہتے ہیں اور باطنیوں کو ختم کرنے میں یقین رکھتے ہیں تو بتا دیں، انہیں فوج میں رکھا جائے گا اور جو فوج میں شامل نہیں ہونا چاہتے، وہ اپنے گھروں کو چلے جائیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ کوئی فوجی ہے یا شہری، اسے اسلام کی بقا کی جنگ لڑنی ہے جو صرف فوجیوں کا ہی فرض نہیں، اس جنگ کے لئے جو جہاد ہے، ہر شہری کو تیار رہنا چاہئے۔ یہ جنگ اللہ کے نام پر لڑی جائے گی۔ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں تمہارے ساتھ ہو گا۔ اب تمہیں اپنے دین اور ایمان کو اور اپنے عسکری جذبے کو مضبوط رکھنا ہو گا..... اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو گا"۔

صرف یہ تقریر کر دینے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گیا تھا، کرنے والے کام ابھی پڑے تھے جن میں ایک یہ تھا کہ سلطنت کے دونوں حصوں کے لئے فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرنا تھا لیکن یہ سوچنا بھی ضروری تھا کہ ان حالات میں فوج کو الگ الگ دو حصوں میں تقسیم کیا جائے یا ابھی کچھ انتظار کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ مسائل تھے۔

○

شمونہ اور اس کی ماں میمونہ بہت ہی پریشان تھیں۔ پریشانی یہ تھی کہ جو سرکاری اور باغی دستے لڑنے کے لئے شہر سے باہر چلے گئے تھے، وہ سب واپس آ گئے تھے لیکن مزمل ابھی واپس نہیں آیا تھا۔ زخمیوں کو بھی اٹھا کر لے آئے تھے اور بہت سے آدمیوں کی لاشیں بھی آ گئی تھیں لیکن مزمل کا کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ شمونہ اور میمونہ کا خیال تھا کہ وہ واپس آ گیا ہوتا تو سب سے پہلے گھر واپس آتا۔

شمونہ اور اس کی ماں میمونہ کے لئے ایک مسئلہ بڑا ہی ٹیڑھا تھا جو یہ تھا کہ وہ کھلے بندوں باہر نہیں نکل سکتی تھیں۔ اس کی وجہ پہلے اس داستان میں بیان کی جا چکی ہے کہ میمونہ بھی حسن بن صباح کے پاس رہ چکی تھی اور شمونہ تو حسن بن صباح کی منظورِ نظر اور بڑی ہی قیمتی لڑکی تھی۔ دونوں فرار ہو کر ابو مسلم رازی کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ ابو

مسلم رازی نے انہیں الگ ایک مکان دے دیا تھا اور کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ مزمل آفندی بھی ان کے ساتھ رہتا تھا اور اس نے تجارتی کاروبار شروع کر دیا تھا۔

شمونہ روزینہ کو سلطان برکیارق کے ہاتھوں قتل کروا کے واپس اپنی ماں کے پاس آ گئی تھی اور اب وہ مرو میں رہتی تھی۔ مزمل آفندی بھی رے سے مرو آ گیا تھا..... اب ماں بیٹی دیکھ رہی تھیں کہ جنہوں نے واپس آنا تھا وہ سب آ گئے ہیں اور فوج کی تقسیم کا بھی فیصلہ ہو چکا ہے تو انہیں بہت زیادہ پریشانی ہونے لگی۔ ایک روز دونوں سلطان برکیارق کے چھوٹے بھائی محمد کے پاس چلی گئیں اور اس سے پوچھا کہ مزمل کے متعلق کیا خبر ہے۔

"تمہیں میں کچھ نہیں بتا سکوں گا!" ــــ محمد نے کہا ــــ "وہ میرے ساتھ رہا تھا۔ تم تو جانتی ہو کہ وہ باطنیوں کے خلاف کس قدر جوشیلا اور بھڑکا ہوا انسان ہے۔ اس نے اپنا ایک الگ گروہ بنا لیا تھا جس میں دس یا بارہ اس کے اپنے چنے ہوئے جنگجو اور غیر معمولی طور پر دلیر آدمی تھے۔ اس نے سرکاری فوج کے دستوں پر شب خون اور دن کے وقت چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ سرکاری فوج کے دستوں کے لئے ایک بلائے ناگہانی یا آسمان سے گرنے والی بجلی بن گیا تھا۔ اس کے متعلق مجھے جو آخری اطلاع ملی تھی وہ بھی ایک شب خون کی کارروائی تھی۔ میں تمہیں وہ جگہ بتا دیتا ہوں اور راستہ بھی سمجھا دیتا ہوں۔ اگر تم کسی آدمی کو وہاں بھیجو تو شاید وہ....." ــــ محمد خاموش ہو گیا۔

اس کی خاموشی نے شمونہ کو بنیادوں تک ہلا ڈالا۔ وہ سمجھ گئی کہ محمد یہ کہنا چاہتا تھا کہ شاید تمہیں مزمل کی لاش مل جائے۔

"آپ ہمیں وہ جگہ بتا دیں" ــــ شمونہ نے کہا ــــ "میں اور میری ماں خود وہاں جائیں گی"۔

"تمہارا جانا ٹھیک نہیں" ــــ محمد نے کہا ــــ "اگر اس جنگل بیابان میں تمہیں اور کسی نے پہچان لیا تو پھر ہم تمہیں ڈھونڈتے پھریں گے..... اپنا انجام سوچ لو"۔

اتنی ہی بات ہوئی تھی کہ سلطان برکیارق کا دربان آ گیا اور اس نے محمد سے کہا کہ اسے سلطان بلاتے ہیں۔ وہ وقت ایسا تھا کہ حکمران بہت ہی مصروف تھے ورنہ محمد ان کے ساتھ ایک دو آدمی بھیج دیتا۔ اس وقت وہ اتنا ہی کر سکتا تھا جو اس نے کیا کہ انہیں وہ جگہ بتائی اور وہاں تک کا راستہ سمجھا دیا اور یہ بھی کہا وہ اگر سالار اوریزی سے مل لیں تو ہو سکتا

Scanned by iqbalmt

ہے کہ اس سے کوئی اور خبر یا اطلاع مل جائے۔ محمد نے انہیں بتایا کہ مزمّل کا رابطہ سالار اوریزی کے ساتھ رہتا تھا۔

شمونہ اور میمونہ وہاں سے سالار اوریزی کے ہاں چلی گئیں۔ اب سالار اوریزی باغی اور مجرم نہیں تھا۔ اس کی سالاری بحال کر دی گئی تھی۔ اتفاق سے وہ شمونہ اور میمونہ کو مل گیا۔ اس سے مزمّل کے متعلق پوچھا۔

"مجھے امید نہیں کہ وہ زندہ ہو" — سالار اوریزی نے کہا — "مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں مزمّل نے اپنے آٹھ مجاہدوں کے ساتھ سرکاری فوج کے ایک دستے کی خیمہ گاہ پر رات کے وقت شب خون مارا تھا۔ بڑا ہی خونریز معرکہ لڑا گیا تھا۔ ان آٹھ آدمیوں میں سے کوئی ایک بھی واپس نہ آیا تھا۔ میں نے اگلے روز وہاں جا کر دیکھنا تھا کہ مزمّل اور اس کے ساتھیوں کا کیا بنا تھا لیکن سلطان کا بلاوا آ گیا کہ لڑائی بند کر دی جائے اور جو کوئی جہاں بھی ہے وہاں سے واپس شہر میں آ جائے۔ میرے لئے یہ حکم تھا کہ میں اپنے دستوں کو فوراً اکٹھا کر کے اس حکم کی تعمیل کروں۔ یہ ایک وجہ تھی کہ میں مجبور ہو گیا اور مزمّل اور اس کی جانباز جماعت کو دیکھنے جا ہی نہ سکا..... اگر مزمّل زندہ ہوتا تو خود میرے پاس پہنچ جاتا"۔

سالار اوریزی نے ماں بیٹی کو وہ جگہ بتائی۔ یہی جگہ محمد نے بھی بتائی تھی۔

شمونہ کی جذباتی کیفیت بگڑنے لگی اور اس نے رونا شروع کر دیا لیکن وہ مزمّل کی لاش دیکھے بغیر تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مزمّل مارا جا چکا ہے۔

"بیٹی!" — میمونہ نے کہا — "اس تلخ حقیقت کو قبول کر لو کہ مزمّل اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اگر تم اکیلی یا ہم دونوں گئیں تو پہچانی جا سکتی ہیں۔ سوچ لو کیا ہو گا؟"

"جو کچھ بھی ہو گا ہو جائے" — شمونہ نے پُرعزم آواز میں کہا — "اگر مزمّل مر چکا ہے تو میں اس کی لاش لاؤں گی اور اسے باقاعدہ دفن کروں گی..... اور اگر ماں! تم ڈرتی ہو تو نہ جاؤ، میں اکیلی چلی جاؤں گی"۔

ماں نے شمونہ کو بہت سمجھایا اور اسے نتائج سے ڈرایا لیکن شمونہ کے دل میں مزمّل کی جو محبت تھی، اس محبت نے شمونہ پر دیوانگی طاری کر دی تھی۔ اس کے لئے مزمّل صرف اس لئے اہم نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کو عشق کی حد تک چاہتے تھے بلکہ اس لئے کہ مزمّل ایک جنگجو مجاہد تھا جس نے اپنے خاندان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور وہ

حسن بن صباح کو قتل کرنے کے لئے چلا گیا تھا۔

اُس رات شمونہ نے اپنی ماں کو سونے نہ دیا اور نہ خود سوئی۔ رات بھر تڑپتی رہی اور ماں کے ساتھ مزمّل کی ہی باتیں کرتی رہی۔ ماں نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ شمونہ کے ساتھ نہ جائے تو شمونہ اکیلی ہی اسے بتائے بغیر چلی جائے۔ اس نے شمونہ سے کہا صبح ہوتے ہی اس جگہ روانہ ہو جائیں گی۔

○

اگلی صبح سورج ابھی طلوع نہیں ہُوا تھا کہ شمونہ اپنی ماں کے ساتھ گھر سے نکلی۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھیں۔ وہ گھوڑوں کا اور گھوڑ سواری کا زمانہ تھا۔ حسن بن صباح کے ہاں جو لڑکیاں تخریب کاری کے لئے تیار کی جاتی تھیں، انہیں شہسوار بنا دیا جاتا تھا اور انہیں خنجر زنی، تیغ زنی اور تیر اندازی کی خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور مشق بھی کرائی جاتی تھی۔ اپنے شکار کو زہر کھلانے یا پلانے کے طریقے بھی بتلائے جاتے تھے۔ لڑکیوں کا دل اور حوصلہ مضبوط کرنے کے لئے ہر لڑکی سے چار چار پانچ پانچ زندہ آدمی خنجروں یا تلواروں سے مروائے جاتے تھے۔ یہ بدقسمت آدمی جنہیں ان لڑکیوں کو ٹریننگ دینے کے لئے مروایا جاتا تھا، وہ قید خانے میں بند قیدی ہوتے تھے یا کسی بھی آدمی کو پکڑ کر ایک لڑکی کے حوالے کر دیا جاتا اور اسے کہا جاتا کہ خنجر اس کے دل کے مقام پر مارو۔ دل میں اُترا ہُوا خنجر شکار کو زندہ نہیں رہنے دیتا اور دوسرے وار کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ایسے ہی لڑکی کے ہاتھ میں تلوار دے کر ایک آدمی کو اس کے سامنے جھکا دیا جاتا کہ لڑکی ایک ہی وار میں اس کی گردن صاف کاٹ دے۔

شمونہ نے بھی یہ ٹریننگ حاصل کی تھی۔ اس کی ماں میمونہ بھی خنجر زنی اور تیغ زنی کی سُوجھ بُوجھ رکھتی تھی۔

ان دونوں کے جسم سر سے ٹخنوں تک سیاہ لبادے میں ڈھکے ہوئے تھے اور دونوں کے چہروں پر اس طرح نقاب تھے کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ انہیں جس جگہ جانا تھا وہ شہر سے کم و بیش دس میل دُور تھی۔ وہ علاقہ بڑا خوبصورت سبزہ زار تھا۔ درخت بے شمار تھے اور خود رُو پودے اور جھاڑیاں بھی تھیں، ہرے بھرے فصل بھی کھڑے تھے اور ہری گھاس بھی تھی۔ کچھ علاقہ ہموار اور میدانی تھا جس میں پگڈنڈی گزرتی تھی۔ آگے علاقہ چٹانی شروع ہو جاتا تھا جس میں ہری بھری اور اونچی نیچی ٹیکریاں بھی

Scanned by iqbalm

تھیں اور ننگی چٹانیں بھی۔ شفاف پانی کی ایک چھوٹی سی ندی بھی اس علاقے میں سے گزرتی تھی۔ اس علاقے میں تو بیل بوٹوں کی مہک ہوا کرتی تھی لیکن اب وہاں بدبو تھی اور تعفن تھا۔ اس فضا میں جس میں یہ روح افزا مہک ہوتی تھی، اب مردار خور گدھ منڈلا رہے تھے۔ یہ گدھ نیچے اُترتے اور اُڑ جاتے تھے۔ گدھ چند ایک نہیں تھے بلکہ فضا میں جدھر بھی نظر جاتی گدھ ہی اُڑتے نظر آتے تھے۔ درختوں پر بھی گدھ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ گدھ ان انسانوں کا گوشت نوچ رہے تھے جو خانہ جنگی میں مارے گئے تھے۔

شمونہ اور میمونہ اس علاقے میں داخل ہو گئی تھیں جو کچھ پہلے تک خونریز لڑائی کا میدانِ جنگ بنا رہا تھا۔ چلتے چلتے شمونہ کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اسے ایک بھیڑیا نظر آیا جس کے منہ میں کسی آدمی کا بازو تھا۔ وہ ایک طرف سے آیا اور بڑی بے نیازی سے شمونہ اور میمونہ کا راستہ کاٹتا ہوا آگے نکل گیا۔ وہ آدھے سے کچھ زیادہ سفر طے کر چکی تھیں۔ جب وہ چٹانی علاقے میں داخل ہو گئیں تو انہیں جگہ جگہ انسانی پنجر نظر آنے لگے۔ کھوپڑیاں اِدھر اُدھر پڑی نظر آتی تھیں۔ بعض کھوپڑیوں پر تھوڑا سا گوشت تھا اور بعض کو درندوں نے بالکل ننگا کر دیا تھا۔ کچھ کھوپڑیاں ایسی بھی تھیں جن کی آنکھیں سلامت تھیں اور کھلی ہوئی بھی تھیں۔ لاشوں کو گیدڑ، بھیڑیئے، اودھ بلا اور گدھ کھا رہے تھے۔ کھانے کے لئے اتنی زیادہ لاشیں تھیں کہ یہ درندے جن میں آوارہ کتے تھے، آپس میں ذرا سا بھی لڑ نہیں رہے تھے۔

ان ہڈیوں میں تھوڑی دور کچھ آدمی اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے اور وہ ہڈیوں کے ہر ڈھانچے کو جھک کر دیکھتے تھے اور کھوپڑیوں کو تو وہ خاص طور پر بیٹھ کر اور پہچاننے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنے عزیزوں کی لاشیں ڈھونڈ رہے تھے لیکن اب کسی کو پہچاننا ممکن نہیں رہا تھا۔

ماں بیٹی دو چٹانوں کے درمیان سے نکلیں تو آگے پھر علاقہ کھلا اور ہموار آ گیا۔ وہ تو کھوپڑیوں اور ہڈیوں کا دیس معلوم ہوتا تھا۔ جونہی گھوڑے آگے نکلے دونوں گھوڑے یک لخت رک گئے اور کانپنے لگے۔ گھوڑوں کی یہ بے چینی صاف نظر آ رہی تھی۔ دونوں گھوڑے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ شمونہ اور میمونہ نے دیکھا کہ ایک دھاری دھار شیر جو بہت بڑا بھی نہیں تھا اور بچہ بھی نہیں تھا، منہ میں انسانی جسم کا کچھ حصہ پکڑے آ رہا تھا۔ اس انسانی جسم کے حصے کی کھوپڑی تھی اور ایک طرف کا کندھا اور آدھا

بازو تھا۔ شیر اسے منہ میں لئے آہستہ آہستہ چلتا آیا اور گھوڑوں سے تھوڑی ہی دور ایک طرف کو مڑا اور جھاڑیوں میں اور پھر ایک ٹیکری کے پیچھے غائب ہو گیا۔ اس شیر کو گھوڑوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور ڈر کر کانپنے لگے تھے۔

"نہیں..... نہیں!" — شمونہ نے تڑپ کر کہا — "مزمل زندہ ہو گا..... اُس کے جسم کو کوئی درندہ کاٹ نہیں سکتا"۔

شمونہ بچوں کی طرح رو پڑی اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔

"شمونہ بیٹی!" — میمونہ نے شمونہ سے کہا — "میری مانو اور یہیں سے واپس چلی چلو۔ مزمل اگر تمہیں مل بھی گیا تو اسی حالت میں ملے گا جو حالت تم ان انسانوں کی دیکھ رہی ہو جو یہاں لڑے تھے۔ مزمل کی کھوپڑی دیکھ کر اگر تم نے پہچان لی تو تم اپنا دماغی توازن کھو بیٹھو گی"۔

"نہیں!" — شمونہ نے دبی دبی لیکن پُرعزم آواز میں کہا — "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ مزمل مجھے زندہ مل جائے گا۔ میں اسے دیکھے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔ اگر اُس کی کھوپڑی ہی نظر آ گئی تو یہ تسکین تو ہو جائے گی کہ وہ مارا جا چکا ہے اور اب اُس سے ملاقات اگلے جہان میں ہو گی"۔

شیر کے غائب ہو جانے کے بعد گھوڑے آگے چل پڑے۔

ایک ہری بھری ٹیکری سے گھوم کر شمونہ اور میمونہ آگے نکلیں تو انہیں ایک بڑے ہی شفاف پانی کی ندی نظر آئی۔ محمد اور سالار اوریزی نے انہیں بتایا تھا کہ راستے میں ایک ندی آئے گی جس میں سے گزر کر آگے جانا ہے اور ذرا ہی آگے ایک قبرستان ہو گا..... وہ ندی میں سے گھوڑے نکال کر لے گئیں۔ آگے قبرستان بھی آ گیا۔ قبرستان کے قریب ہی ایک گاؤں تھا جو اتنا زیادہ آباد نہیں لگتا تھا۔ ماں بیٹی کو اس قبرستان میں سے گزرنا تھا۔ وہ قبرستان میں داخل ہو گئیں۔ انہیں بہت سی تازہ قبریں نظر آئیں جن کی مٹی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی۔

اس قبرستان میں ایک قبر کے قریب ایک ضعیف العمر سفید ریش آدمی کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لمبی لاٹھی تھی اور وہ اس لاٹھی کے سہارے کچھ جھکا ہوا تھا۔ شمونہ اور میمونہ اس کے قریب جا کر رک گئیں۔

"کیا یہ آپ کے کسی عزیز کی قبر ہے؟" — شمونہ نے اس سفید ریش بزرگ سے

Scanned by iqbalmt

پوچھا۔

"صرف یہی نہیں!" ــــ بزرگ نے پاؤں پر کھڑے کھڑے ہاتھ پھیلائے اور گھوم کر سارے قبرستان کی طرف اشارہ کر کے کہا ــــ "یہ سب میرے عزیز ہیں..... صرف عزیز ہی نہیں' میری تو پوری قوم مر گئی ہے..... یہ سب نئی قبریں جو تم دیکھ رہی ہو' میرے ہی عزیزوں کی ہیں اور تم نے راستے میں دیکھا ہو گا کہ جن لاشوں کو بھیڑیئے' گیدڑ' کتے اور گدھ کھا رہے ہیں' وہ بھی میرے عزیز ہیں۔ جس قوم میں پھوٹ اس طرح پڑ جائے کہ وہ قوم اپنا ہی خون بہانے پر اتر آئے' اس کی لاش کو کتے اور درندے ہی کھایا کرتے ہیں۔ جن دلوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو لوگ کہتے ہیں کہ اب دشمن اندر نہیں آ سکتا لیکن دلوں کے دروازے اس طرح کھول دیئے جائیں کہ کفار کا طلسم اس میں داخل ہوتا رہے اور کافر حسینائیں بھی اس میں داخل ہوتی رہیں' حکمرانی اور زر و جواہرات کی ہوس دل کے دروازوں کو کبھی بند نہ ہونے دے تو قلعے اونچی اور چوڑی دیواروں اور لوہے جیسے مضبوط اور بند دروازوں کے باوجود ریت کے گھروندے بن جایا کرتے ہیں۔ عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں پھر اپنا سگا بھائی بھی دشمن نظر آنے لگتا ہے..... ہماری قوم سے اور ہمارے سلطان سے یہی گناہ سرزد ہوا اور دیکھو اس کی سزا کیے مل رہی ہے۔ ماؤں کے سجیلے بیٹوں کو کتے اور گدھ نوچ رہے ہیں اور ان کی کھوپڑیاں ہر طرف بکھر گئی ہیں۔ یہ تو خوش قسمت تھے جن کی سالم لاشیں ان کے عزیز اٹھا لائے اور ان کے جنازے پڑھ کر انہیں دفن کیا گیا۔ انہیں دیکھو جن کے نصیب میں نہ کفن تھا نہ جنازہ نہ قبر میں دفن ہوئے..... تم کہاں سے آئی ہو اور کدھر جا رہی ہو؟"

"یہ میری بیٹی ہے" ــــ میمونہ نے شمونہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ــــ "ہم اپنے ایک عزیز کی لاش کی تلاش میں نکلی ہیں۔ میں اسے بار بار کہہ رہی ہوں کہ واپس چلی چلو' میں جانتی ہوں کہ اس کی لاش مل بھی گئی تو برے حال میں ہو گی لیکن یہ نہیں مانتی"۔

"اسے ڈھونڈ لینے دو" ــــ سفید ریش بزرگ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ــــ "ورنہ یہ خلش اسے ساری عمر تڑپاتی رہے گی..... میرے دو جوان بیٹے اس لڑائی میں ضائع ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھیوں نے مجھے بتا دیا ہے کہ وہ مارے گئے تھے لیکن ان کی لاشیں نہیں ملیں۔ میں یہاں قبرستان میں آ کر فاتحہ پڑھتا ہوں اور اپنے آپ کو یہ یقین دلا رکھا ہے کہ ان سب تازہ قبروں میں جو دفن ہیں وہ میرے ہی بیٹے ہیں"۔

○

ماں بیٹی بوجھل دل سے وہاں سے چل پڑیں اور تازہ قبروں کو دیکھتی ہوئی قبرستان سے نکل گئیں۔ آگے علاقہ پھر غیر ہموار سا آ گیا لیکن تھا وہ بھی بڑا دلکش اور خوبصورت علاقہ۔ کہیں بے آب و گیاہ چٹانیں بھی تھیں اور درختوں اور گھاس سے لدی ہوئی ٹیکریاں بھی۔ وہ چلتی چلی گئیں اور کچھ دور گئیں تو انہیں ایک چٹان کے دامن میں چشمہ نظر آیا۔ سات آٹھ گز کی گولائی میں پانی جمع تھا اور چشمہ چٹان میں سے نکل رہا تھا۔ پانی اتنا شفاف کہ تہہ میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں اور ذرا ذرا جتنی مچھلیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

شمونہ نے ماں سے کہا کہ وہ پانی پینا چاہتی ہے۔ ماں بیٹی گھوڑوں سے اتریں۔ دونوں نے نقاب ہٹا دیئے کیونکہ انہوں نے ہاتھوں سے پانی پینا تھا۔ دونوں چشمے کے کنارے بیٹھ گئیں اور چلو سے پانی پینے لگیں۔

شمونہ نے ہاتھ پانی میں ڈبو لئے اور چلو سے پانی نکالنے لگی تو اسے دائیں طرف گھوڑوں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے اور میمونہ نے دائیں طرف دیکھا۔ دو گھوڑے رکے کھڑے تھے اور ان پر دو آدمی سوار تھے۔ ایک ادھیڑ عمر تھا اور دوسرا اس سے کم عمر۔ شمونہ کے چہرے سے نقاب ہٹا ہوا تھا۔

ادھیڑ عمر گھوڑ سوار کو دیکھ کر شمونہ کے ہاتھ رک گئے اور اس کے ہاتھوں سے پانی نکل گیا۔ شمونہ کے چہرے پر گھبراہٹ کا تاثر آ گیا۔ گھوڑ سوار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ اس کا ساتھی بھی گھوڑے سے اترا۔ شمونہ نے اپنی ماں سے کہا کہ اٹھو' چلیں۔

"کیوں؟..... کیا ہوا؟" ــــ ماں نے شمونہ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر سرگوشی میں پوچھا۔

"اس شخص نے مجھے پہچان لیا ہے" ــــ شمونہ نے اپنے گھوڑے کی طرف جاتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا ــــ "جلدی آ جاؤ ماں!..... یہ ابن الصباح، حسن بن صباح کا خاص آدمی ہے"۔

شمونہ اور میمونہ نے اپنے گھوڑوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ چند قدم دور چلے گئے اور گھاس کھا رہے تھے۔ گھوڑے قریب ہوتے تو وہ دونوں فوراً ان پر سوار ہو جاتیں اور ایڑ لگا دیتیں لیکن شمونہ ابھی اپنے گھوڑے تک نہیں پہنچی تھی کہ وہ ادھیڑ عمر

Scanned by iqbalmt

شخص اس تک پہنچ گیا اور اس کے راستے میں آن کھڑا ہوا۔ اب اس کی مسکراہٹ اور زیادہ پھیل گئی تھی۔

"بچھڑے ہوئے راہی زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر مل جایا کرتے ہیں" ــــ اس آدمی نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا ــــ "امام حسن بن صباح کا کوئی ہیرا گم ہو جائے تو کچھ عرصے بعد ہیرا خود ہی امام کے پاس پہنچ جاتا ہے"۔

"کون ہو تم؟" ــــ شمونہ نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر ذرا غصیلی آواز میں کہا ــــ "تم ڈاکو یا رہزن معلوم ہوتے ہو۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ ہم عورتیں ہیں اور تم ہم پر قابو پا لو گے"۔

"کیا تم بھول گئی ہو میں کون ہوں؟" ــــ اس شخص نے کہا ــــ "امام آج بھی تمہارے لئے چشم براہ ہے..... آؤ چلیں"۔

"مجھے سوچ سمجھ کر ہاتھ لگانا" ــــ شمونہ نے کہا ــــ "بہت برے انجام تک پہنچو گے"۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" ــــ میمونہ نے اس آدمی کے آگے ہو کر پوچھا ــــ "میری بیٹی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"شمونہ!" ــــ اس شخص نے میمونہ کو نظرانداز کرتے ہوئے شمونہ سے کہا ــــ "میں اتفاق سے اِدھر آ نکلا تھا۔ یہاں امام کا گمشدہ ہیرا نظر آ گیا۔ میں اس ہیرے کو کیسے چھوڑ کر جا سکتا ہوں..... تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا"۔

وہ شخص میمونہ کو ہاتھ سے ایک طرف کر کے شمونہ کی طرف بڑھا۔ شمونہ کے لئے پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تھی کیونکہ پیچھے چشمے کا پانی تھا اور وہ بالکل کنارے پر کھڑی تھی۔ اس شخص نے شمونہ کے قریب جا کر اس کے نقاب پر ہاتھ رکھا۔ وہ اس کا چہرہ بے نقاب کرنا چاہتا تھا۔ شمونہ نے بڑی تیزی سے اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالا۔ وہ شخص سمجھ نہ سکا کہ شمونہ کیا کر رہی ہے۔ شمونہ نے اسی تیزی سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں لمبا خنجر تھا جو وہ گھر سے اپنے نیفے میں اُڑس کر لائی تھی۔ اُس نے بجلی کی سُرعت سے خنجر اس آدمی کے دل میں اتار دیا۔ خنجر کھینچا اور ایک بار پھر خنجر اسی مقام پر مارا۔

وہ آدمی سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹا۔ اب وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ شمونہ جانتی تھی کہ یہ شخص اب چند لمحوں کا مہمان ہے۔ اس شخص نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا اور

تلوار نیام میں سے کھینچی لیکن تلوار ابھی آدھی ہی باہر آئی تھی کہ وہ لڑکھڑایا اور ایک پہلو پر گر پڑا۔

اس دوران اس کا ساتھی جو اس کی نسبت جوان تھا بڑا تیز دوڑتا اِدھر آیا۔ میمونہ بھی تیزی سے دوڑی اور سامنے سے اس آدمی کو اپنے ایک کندھے کی ٹکر اتنی زور سے ماری کہ وہ آدمی سنبھلتے سنبھلتے چشمے میں جا گرا۔ وہ تھا ہی چشمے کے کنارے پر۔

میمونہ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ چشمہ اتنا گہرا نہیں تھا کہ وہ آدمی ڈوب جاتا۔ وہ پانی میں گرا اور ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ شمونہ نے جھپٹ کر اس پر جست لگائی اور خنجر اس کی پیٹھ میں اتار دیا۔ وہ چشمے میں گری اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس آدمی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی تھی۔ شمونہ اٹھ کر سنبھلی اور ایک بار پھر خنجر اس آدمی کے پہلو میں اتار دیا۔ وہ پانی میں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ پانی بمشکل کمر تک گہرا تھا۔ وہ چل نہیں سکتا تھا۔ وہ پانی میں ہی گر پڑا اور پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ شمونہ نے آگے بڑھ کر اسے اوپر سے دبایا اور اسے ڈبو دیا۔ وہ ذرا سا تڑپا اور ختم ہو گیا۔

شمونہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر چشمے میں سے نکلی۔ دوسرا آدمی باہر مرا پڑا تھا۔ چشمے کا پانی خون سے لال ہونے لگا۔ یہاں سے پانی ایک نالی کی صورت میں باہر کو بہتا تھا اور آگے جا کر ندی میں مل جاتا تھا۔

"چلو ماں!" ــــ شمونہ نے کہا ــــ "کتوں اور گِدھوں کو اب تازہ گوشت مل جائے گا"۔

شمونہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کی ماں نے باہر پڑے آدمی کی لاش سے تلوار کھول لی۔ پھر وہ چشمے میں اتری تو اس آدمی کی تلوار بھی اٹھا لی۔ نیام اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی جو اس نے کھول لی۔ میمونہ نے دونوں کے گھوڑے بھی پکڑ لئے۔ ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ چمڑے کا تھیلا بندھا ہوا تھا۔ میمونہ نے وہ تھیلا کھولا تو اس میں کچھ درہم پڑے ہوئے تھے اور باقی سب سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے۔ تھیلا انہی سے بھرا ہوا تھا۔ ماں نے یہ تھیلا کھول کر شمونہ کو دکھایا۔

"یہ لوگوں کو خریدنے کے لئے ساتھ لایا تھا" ــــ شمونہ نے کہا ــــ "اگر یہ شخص شہر میں زندہ پہنچ جاتا تو کوئی نیا ہی طوفان کھڑا کر دیتا"۔

"اب میرا حوصلہ پوری طرح مضبوط ہو گیا ہے" ــــ میمونہ نے کہا ــــ "مجھے

Scanned by iqbalm

یقین ہو گیا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ورنہ ایک لڑکی اتنے تنومند آدمی کو یوں آسانی سے قتل نہ کرتی' اور جس طرح اس کا ساتھی تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے' یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ ہم صحیح راستے پر جا رہی ہیں اور اللہ نے ہمارا ہاتھ پکڑ رکھا ہے"۔

انہوں نے ان دونوں آدمیوں کے گھوڑوں کی باگیں اپنے گھوڑوں کے پیچھے باندھ لیں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑیں۔

"اب سنو ماں! مزے کی ایک بات سناتی ہوں" — شمونہ نے کہا — "میں جب حسن بن صباح کے پاس تھی تو اس شخص نے مجھے خنجر زنی اور تیغ زنی اور گھوڑ سواری سکھائی تھی۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ دل کہاں ہوتا ہے اور اس میں خنجر کس طرح مارا جاتا ہے۔ یہ شخص میری سکھلائی اس طرح کرتا تھا کہ عام خنجر جتنا لمبا لکڑی کا ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں دے کر سامنے کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ میرے دل کے مقام پر مارو۔ میں اس کی سکھلائی کے مطابق لکڑی کا یہ ٹکڑا اس کے دل کے مقام پر آہستہ سے مارتی تھی۔ پھر یہ مجھے سکھلاتا تھا کہ خنجر کس طرح تیزی سے نکالا جاتا ہے اور دشمن کسی بھی زاویے پر کھڑا ہو' اُسے کس طرح مارا جاتا ہے۔ میں نے آج اسی کا سکھلایا ہُوا داؤ اسی پر استعمال کیا ہے۔ مرتے وقت اسے یہ خیال ضرور آیا ہو گا کہ میں اس کے سکھلائے ہوئے طریقے بھولی نہیں۔ اس نے مجھے یہ بھی مشق کرائی تھی کہ پیٹھ کی طرف سے دل میں خنجر کس طرح اتارا جاتا ہے۔ میں نے چشمے میں اس کے ساتھی کی پیٹھ میں جو خنجر مارا تھا' وہ یقیناً اس کے دل میں اُتر گیا تھا ورنہ وہ اتنی جلدی نہ گرتا"۔

"میں تو اللہ کا ہی شکر ادا کرتی ہوں بیٹی!" — میمونہ نے کہا — "اللہ کی مدد کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا"۔

"کچھ عرصہ یہ میرا محافظ بھی بنا رہا ہے" — شمونہ نے کہا — "حسن بن صباح نے جب مجھے پہلے شکار پر بھیجا تھا تو یہ شخص میرا محافظ بن کر میرے ساتھ آیا تھا۔ میں نے پہلا شکار بڑی کامیابی سے پھانس لیا تھا اور جب اس شخص کو یقین ہو گیا کہ میں اپنے کام میں ماہر ہو گئی ہوں اور قابلِ اعتماد بھی ہوں تو یہ چلا گیا تھا..... میں نے صرف اس لئے قتل نہیں کیا کہ یہ مجھے اپنے ساتھ پھر حسن بن صباح کے پاس جانے کی کوشش کر رہا تھا بلکہ اسے دیکھ کر دل میں نفرت کا طوفان اٹھ آیا تھا۔ یہ جب میرے ساتھ میرا محافظ بن کر آیا تھا تو اس نے مجھے اپنی چھوٹی بہن تو نہیں سمجھا تھا۔ یہ شیطان میری عصمت کے ساتھ کھیلتا رہا تھا' حالانکہ حسن بن صباح کا حکم یہ تھا کہ مجھ جیسی لڑکیوں کے ساتھ ہوس کاری کا کھیل نہ کھیلا جائے تاکہ یہ خاصی عمر تک تندرست اور پھرتیلی رہیں۔ اُس وقت تو میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا نہ اسے گناہ سمجھا تھا کیونکہ حسن بن صباح کے ہاں عصمت اور آبرو نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہ احساس کہ میں آبرو باختہ ہوں' اُس وقت میرے اندر یہ احساس پیدا ہُوا تھا جب میں یہاں آ گئی اور مجھے تم ملیں اور پھر میرے دل میں مزمل کی محبت پیدا ہوئی۔ آج اس شخص کو دیکھا تو میرے وجود میں آگ لگ گئی اور میں نے عہد کر لیا کہ اپنی عصمت کا انتقام لوں گی۔ وہ میں نے لے لیا ہے اور اب یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح ہلکی پھلکی ہو گئی ہے..... میری پیاری ماں! دعا کرو ہمیں مزمل مل جائے"۔

"ایک بات سن لو بیٹی!" — میمونہ نے کہا — "دل سے یہ یقین نکال دو کہ مزمل تمہیں زندہ مل جائے گا ورنہ تمہیں بہت زیادہ صدمہ ہو گا۔ اس کی بجائے دل میں یہ رکھو کہ مزمل زندہ نہیں ملے گا۔ میں تو کہتی ہوں کہ ہمیں یہ حقیقت قبول کر لینی چاہیے کہ مزمل زندہ نہیں۔ اگر وہ زندہ مل گیا تو تم دیکھنا تمہیں کتنی خوشی حاصل ہو گی"۔

محمد اور سالار اوریزدی نے انہیں جو راستہ بتایا تھا' اس کی ایک نمایاں نشانی یہ چشمہ تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ اس چشمے سے پانی بہہ کر ایک ندی کی صورت میں آگے جاتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ چلی جانا اور تھوڑی دُور آگے وہ جگہ ہے جہاں مزمل نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرکاری فوج کے ایک دستے کے پڑاؤ پر شب خون مارا تھا..... وہ چشمہ آ گیا تھا اور اب ماں بیٹی اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھیں۔

○

وہ بے آب و گیاہ چٹانوں اور ہری بھری ٹیکریوں کا علاقہ تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پانی کی یہ ندی مڑتی تھی۔ ماں بیٹی اس کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں مُڑتی آگے بڑھتی گئیں۔ ایک اور موڑ مڑیں تو دیکھا یہ پانی خاصی دُور تک بہتا تھا۔

"وہ جگہ تو یہی ہے" — میمونہ نے کہا — "وہ دیکھو لمبوتری چٹان کھڑی ہے..... لیکن شمونہ بیٹی! تم کو تو عقل نہیں' ذرا سوچو مزمل کوئی بے جان چیز تو نہیں کہ کسی نے ہمیں بتایا ہو کہ ایک لمبوتری چٹان آئے گی اور وہ چیز جس کا نام مزمل ہے وہاں پڑی ہوئی مل جائے گی۔ بتانے والوں نے تو ہمیں وہ علاقہ بتایا ہے جہاں مزمل نے شب خون مارا

Scanned by iqbalmt

تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ اُس رات سے اب تک یہیں ہو‘ کسی اور طرف نکل گیا ہو گا“۔

”میرے دل کی آواز سنو ماں!“ — شمونہ نے ایسے لہجے میں کہا جو اس کا قدرتی لہجہ نہیں تھا — ”میرے دل کی‘ میری روح کی آواز سنو..... اسے میرا وہم ہی سمجھ لو لیکن کوئی جذبہ یا کوئی غیبی طاقت مجھے کہہ رہی ہے کہ چلی چلو‘ تمہیں منزل مل جائے گی“۔

میمونہ نے شمونہ کا یہ لب و لہجہ دیکھا تو اس کے آنسو نکل آئے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ شمونہ کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ میمونہ کچھ دیر شمونہ کو دیکھتی رہی۔ شمونہ کا گھوڑا پانی کی نالی سے بائیں طرف اور میمونہ کا گھوڑا دائیں طرف پہلو بہ پہلو چلے جا رہے تھے۔ شمونہ سامنے دیکھ رہی تھی اور میمونہ کی نظریں شمونہ کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ میمونہ کو بہت دکھ ہو رہا تھا کہ اس کی بیٹی کی جذباتی کیفیت اس کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔

”وہ دیکھو ماں!“ — شمونہ نے چونک کر سامنے اشارہ کیا اور بے تابی سے کہا — ”وہ دیکھو‘ کوئی آدمی ہے“۔

میمونہ نے سامنے دیکھا۔ اسے کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ وہاں درخت زیادہ تھے‘ جھاڑیاں بھی تھیں اور گھاس ذرا اونچی تھی۔ میمونہ کو کوئی آدمی نظر نہ آیا تو اسے بہت ہی دکھ ہوا کہ اس کی بیٹی کو اب اسی طرح کے واہمے نظر آنے لگے ہیں جیسے ریگستان میں جاتے ہوئے مسافر کو سراب نظر آنے لگتے ہیں۔ اب تو میمونہ کو یقین ہونے لگا کہ اس کی بیٹی کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔

”ہوش میں آ شمونہ بیٹی!“ — میمونہ نے دکھے ہوئے سے لہجے میں کہا — ”مجھے تو کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا“۔

”وہ چلتے چلتے بیٹھ گیا ہے“ — شمونہ نے کہا — ”وہ دیکھو“۔

اب میمونہ نے اُدھر دیکھا تو اسے ایک آدمی نظر آیا جو ایک درخت کے تنے پر ہاتھ رکھے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس سے تیس پینتیس قدم دور ہو گا۔ اس کے کپڑے سرخ رنگ کے تھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔

صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس نے تنے کو دونوں بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے تنے کو چھوڑا اور آگے کو قدم اٹھایا۔ وہ بمشکل دو یا تین قدم چلا ہو گا کہ اس کے گھٹنے زمین پر جا لگے اور پھر اس نے دونوں ہاتھ

زمین پر ٹیک دیئے۔ پانی کی نالی اس سے پانچ چھ قدم دور تھی۔ اب اُس آدمی نے اٹھنے کی بجائے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل پانی کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ میمونہ اور شمونہ نے اپنے گھوڑے ذرا تیز کر دیئے۔

گھوڑے اُس سے دس بارہ قدم دور رہ گئے تو اُس آدمی نے اُدھر دیکھا۔ اُس وقت میمونہ اور شمونہ نے دیکھا کہ اس شخص کے کپڑے جو دُور سے سرخ نظر آتے تھے‘ دراصل خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ اس آدمی نے ماں بیٹی کو دیکھا تو اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن گر پڑا۔ اس کے قریب چھوٹا سا ایک درخت تھا‘ اس نے اس طرف ہو کر درخت کا سہارا لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پیٹھ درخت کے ساتھ لگا لی اور نیام سے تلوار کھینچ لی۔ ماں بیٹی اس کے بالکل قریب پہنچ گئیں اور گھوڑے روک لئے۔

”میرے قریب نہ آنا“ — اس آدمی نے کہا — ”تم باطنی ہو‘ میرے قریب آؤ گی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مرتے مرتے تم دونوں کو مار کر مروں گا“۔

ماں بیٹی گھوڑوں سے اُتریں۔ وہ آدمی بہت ہی زخمی تھا۔ اس کے سر پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ دونوں اس کے پاس جا رکیں اور اس آدمی نے تلوار تان لی۔

”تم مسلمان لگتے ہو“ — میمونہ نے کہا — ”ہم باطنی نہیں۔ ہم اپنے ایک عزیز کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ تمہیں اس حالت میں یہاں چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ دیکھو ہمارے پاس دو فالتو گھوڑے ہیں۔ جہاں کہو گے تمہیں ایک گھوڑے پر ڈال کر پہنچا دیں گی۔ ہم سے نہ ڈرو۔ میرا خیال ہے کہ شہر میں اردگرد کے علاقے میں کوئی باطنی زندہ نہیں“۔

”پھر ڈھونڈ لو اپنے عزیز کو!“ — اس زخمی آدمی نے مری مری سی آواز میں کہا — ”یہاں اب تمہیں لاشیں ہی ملیں گی۔ اگر تمہارے عزیز کا چہرہ سلامت ہوا تو پہچان لینا“۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ — شمونہ نے پوچھا اور کہا — ”اور بتاؤ کہ ہم تمہیں کہاں لے چلیں“۔

”میں پانی پینے آیا ہوں“ — اس آدمی نے کہا — ”یہ دیکھو چھاگل‘ یہ بھر کر اپنے ایک ساتھی کے لئے لے جاؤں گا وہ مجھ سے زیادہ زخمی ہے“۔

وہ آدمی جو جواں سال تھا‘ پاؤں پر زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکا۔ شمونہ نے آگے بڑھ کر

Scanned by iqbalm

اُس کے ہاتھ سے چھاگل لے لی۔ یہ چمڑے کا چھوٹا سا ایک مشکیزہ تھا جو اُس دَور میں مسافر پانی کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ شمونہ نے اس کا یہ ذرا چھوٹا مشکیزہ پانی سے بھر لیا اور اسی سے اسے پانی پلایا اور پھر مشکیزے کا منہ بند کر دیا۔ زخمی آدمی نے پانی پی کر لمبا سانس چھوڑا۔

"یہاں قریب ہی ایک غار ہے" — اس آدمی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا — "میرا ایک ساتھی مجھ سے زیادہ زخمی حالت میں وہاں پڑا ہے۔ میں نے اُسے جا کر پانی پلانا ہے۔ وہ شاید زندہ نہ رہ سکے۔ وہ نہ رہا تو شاید میں بھی نہ رہوں"۔

"ہم تم دونوں کو ساتھ لے جائیں گی" — میمونہ نے کہا — "چلو ہم تمہیں سہارا دے کر لے چلتی ہیں"۔

ماں بیٹی نے اُسے دائیں بائیں ہو کر اٹھایا اور اسے پہلوؤں سے سہارا دے کر آگے کو چل پڑیں۔ زخمی کو اتنا ہی سہارا چاہئے تھا۔

"صرف ایک دُکھ ہے" — زخمی آدمی نے کہا — "میرے ہاتھوں میرے بھائی قتل ہوئے ہیں۔ میں سرکاری فوج کے خلاف لڑا تھا۔ اس فوج میں میرے بھائی بھی تھے' وہ کوئی غیر تو نہیں تھے۔ دیر بعد پتہ چلا یہ فتنہ باطنیوں نے کھڑا کیا تھا۔ زندہ رہنے کی خواہش صرف اس لئے ہے کہ میں حسن بن صباح کو قتل کروں گا"۔

یہ جواں سال آدمی اس قدر زخمی تھا کہ میمونہ اور شمونہ اسے جہاں بھی ہاتھ رکھتی تھیں' وہ کہتا تھا کہ ہاتھ ذرا نیچے یا اوپر رکھنا' یہاں زخم ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں ساتھی بُری طرح زخمی ہیں اور اگر انہوں نے مرنا ہوتا تو دو چار دن پہلے ہی مر چکے ہوتے۔ اُس نے پُر عزم لہجے میں کہا کہ وہ ابھی تک شاید اس لئے زندہ ہیں کہ اللہ نے ان سے کوئی اور کام کروانا ہے۔ ایسے ہی باتیں کرتے کرتے زخمی ماں بیٹی کے سہارے ایک چٹان کے پہلو کی طرف گیا اور وہاں ایک کشادہ غار دیکھا جو زیادہ لمبا نہیں تھا۔ ایک آدمی جس کے کپڑے خون سے لال سرخ تھے' لیٹا ہُوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا جسم جگہ جگہ سے کٹا ہُوا ہو۔ وہ پہلو کے بل لیٹا ہُوا تھا اور باہر کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔

"مزمل بھائی!" — زخمی جوان نے اسے پکارا اور کہا — "یہ لوگ تمہارے لئے پانی لے آئے ہیں اور دیکھو' اللہ نے ہمارے لئے گھوڑے بھی بھیج دیئے ہیں"۔

میمونہ اور شمونہ نے مزمل کا نام سنا تو چونک اٹھیں۔ اُدھر غار میں زمین پر پڑے

ہوئے زخمی نے کروٹ بدلی تو اس کا چہرہ سامنے آ گیا۔ وہ مزمل آفندی تھا۔ اس کے سر پر بھی کپڑا لپٹا ہُوا تھا۔ شمونہ اُس پر اس طرح جھپٹی جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ وہ اس پر جا پڑی اور پھر "مزمل' مزمل" کہتی ہوئی اسے اٹھانے لگی۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ مزمل ہوش میں تھا اور اس نے شمونہ اور میمونہ کو پہچان لیا۔ وہ بیٹھ گیا اور شمونہ نے پانی کی چھاگل کا منہ کھولا اور چھاگل اس کے منہ کے ساتھ لگا دی۔

مزمل نے پانی پی لیا تو اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن بول نہ سکا۔ وہ بہت ہی کمزور ہو گیا تھا اور اس کے جسم میں خون کے چند ہی قطرے رہ گئے تھے۔ شمونہ اسے بازوؤں میں لے کر دیوانوں جیسی حرکتیں کر رہی تھی جیسے ماں کو اپنا وہ گمشدہ بچہ مل گیا ہو جس کے ملنے کی امید دم توڑ گئی تھی۔

میمونہ اور شمونہ نے ایک گھوڑے پر مزمل کو اور دوسرے پر اس کے ساتھی کو اٹھا کر بٹھایا اور یہ قافلہ شہر کی طرف چل پڑا۔

○

مزمل کے ساتھی کا نام رحیم ابن یونس تھا اور وہ بن یونس کے نام سے مشہور تھا۔ میمونہ اور شمونہ نے دیکھ لیا تھا کہ ان دونوں کے جسموں سے کافی خون نکل گیا ہے اور یہ صرف پانی پیتے رہے ہیں اور کھانے کو انہیں کچھ نہیں ملا۔ ان کی حالت بتاتی تھی کہ مرو تک مشکل سے ہی پہنچیں گے۔

"شمونہ بیٹی!" — میمونہ نے شمونہ کے قریب ہو کر آہستہ سے کہا — "ان کا علاج معالجہ شاہی طبیب اور جراح ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی عام طبیب ان کے جسموں میں جان نہیں ڈال سکے گا"۔

"میں انہیں سلطان کے محل میں لے جاؤں گی" — شمونہ نے کہا — "ان کی مرہم پٹی اور علاج سلطان کا طبیب کرے گا"۔

سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب چار گھوڑے سلطان کے محل کے باہر والے دروازے میں داخل ہوئے۔ دربان شمونہ اور اس کی ماں میمونہ کو جانتے تھے اس لئے انہیں روکا نہ گیا۔ نہ روکنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ دو گھوڑوں پر دو زخمی اس حال میں سوار تھے کہ وہ زینوں پر بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ آگے کو پیٹ کے بل ہو گئے تھے اور غالباً وہ ہوش میں بھی نہیں تھے۔

Scanned by iqbalmt

شمونہ گھوڑے سے کود کر اتری اور محل میں داخل ہو گئی۔ وہ سلطان برکیارق کا پوچھ رہی تھی لیکن اسے بتایا گیا کہ سلطان بھی نہیں' وزیراعظم سمیری بھی نہیں اور محمد اور سنجر بھی نہیں ہیں۔ یہ پتہ چلا کہ برکیارق کی ماں اپنے کمرے میں ہے۔ شمونہ دوڑتی ہوئی اس کمرے میں پہنچی۔ شمونہ نے روزینہ کو سلطان برکیارق کے ہاتھوں قتل کرا کے محل میں بڑا اونچا مقام حاصل کر لیا تھا۔ برکیارق کی ماں نے شمونہ کو دیکھا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بازو پھیلا کر شمونہ کو گلے لگا لیا۔

"مادرِ محترم!" —— شمونہ نے سلطان کی ماں کے بازوؤں سے نکلتے ہوئے اور روتے ہوئے کہا —— "مزمل آفندی مر رہا ہے..... اللہ کی راہ میں اسے بچائیں..... اس کا ایک ساتھی بھی ہے..... دونوں اتنے زخمی ہیں کہ ان کے جسموں میں خون رہا ہی نہیں۔ اپنے طبیب کو بلائیں"۔

سلطان کی ماں شمونہ کے ساتھ باہر کو دوڑی۔ اس نے دیکھا کہ دو زخمی گھوڑوں پر بے ہوش پڑے ہیں۔ ماں نے حکم دیا کہ طبیب اور جراح کو فوراً لایا جائے۔

سلطان کی ماں کے کہنے پر کئی آدمی دوڑے آئے اور وہ دونوں زخمیوں کو گھوڑوں سے اتار کر اور اٹھا کر ایک کمرے میں لے گئے۔ طبیب اور جراح بھی آ گئے اور انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی شروع کر دی..... سلطان برکیارق کی ماں میمونہ اور شمونہ کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ میمونہ نے اسے سنایا کہ شمونہ نے کس طرح دو باطنیوں کو چشمے پر قتل کیا ہے۔

○

جس وقت ان زخمیوں کی مرہم پٹی ہو رہی تھی' اس وقت قلعہ الموت میں حسن بن صباح اپنے اُس خصوصی باغیچے میں ٹہل رہا تھا جو اس نے اپنے لئے تیار کروایا تھا۔ اب حسن بن صباح کوئی جادوگر یا شعبدہ باز نہیں تھا نہ وہ اپنے آپ کو سلجوقیوں سے بھاگا ہوا مجرم سمجھتا تھا نہ اس کے دل پر کسی کا خوف یا ڈر سوار تھا' وہ تو اب خدا سے بھی نہیں ڈرتا تھا۔ اپنے پیرو مرشد اور استاد احمد بن عطاش سے بھی نظریں پھیر لیا کرتا تھا۔ اب وہ ایک طاقت بن گیا تھا۔ وہ سُلطانوں اور بادشاہوں جیسی حکمرانی نہیں کر رہا بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کا حکمران تھا۔ سلطان اور بادشاہ لوگوں کے جسموں کو غلام بناتے ہیں لیکن جن علاقوں پر حسن بن صباح قابض ہو گیا تھا ان علاقوں کے لوگ اسے ولی اور روحانی طور پر

چاہتے تھے۔ وہ اسے امام بھی کہتے تھے اور شیخ الجبل بھی اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اسے نبی مانتے تھے۔

وہ جب اپنے اس خاص باغیچے میں ٹہل رہا تھا' اس کے ساتھ اس کے دو مصاحب اور مشیر بھی تھے۔

"مرو سے آج بھی کوئی خبر نہیں آئی" —— حسن بن صباح نے اپنے مصاحبوں سے کہا —— "وہاں کی خانہ جنگی اب تک اور زیادہ پھیل جانی چاہئے۔ مرو تو خون میں ڈوب ہی رہا ہے' میں چاہتا ہوں کہ ابومسلم رازی کے شہررے کی گلیاں بھی خون کی ندیاں بن جائیں..... لیکن کیا بات ہے کہ اُدھر سے کوئی خبر نہیں آ رہی"۔

"آ جائے گی شیخ الجبل!" —— ایک مصاحب نے کہا —— "سلطنتِ سلجوقیہ کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے گھوڑے سلجوقیوں کی لاشوں کو روندتے' کچلتے اور مسلتے ہوئے مرو میں فاتحانہ چال چلتے ہوئے داخل ہوں گے"۔

سورج غروب ہو رہا تھا جب ایک گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ ٹاپوں کی آواز قریب آ رہی تھی۔ حسن بن صباح اس طرف دیکھنے لگا۔ ذرا ہی دیر بعد گھوڑا اور اس کا سوار نظر آئے۔ سوار قریب آ کر گھوڑے سے کود کر اترا اور تیزی سے چلتا حسن بن صباح کے پاس آیا۔

"مرو سے آئے ہو؟" —— حسن بن صباح نے پوچھا۔

"ہاں شیخ الجبل!" —— سوار نے کہا —— "مرو سے آیا ہوں"۔

قریب سنگ مرمر کا بنا ہوا ایک تخت سا تھا۔ حسن بن صباح اس پر بیٹھ گیا اور قاصد کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے سامنے بیٹھ جائے۔ قاصد اور دونوں مصاحب حسن بن صباح کے سامنے بیٹھ گئے۔

"کیا مرو والے ابھی تک ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں؟" —— حسن بن صباح نے شگفتہ سی آواز میں پوچھا۔

"یا شیخ الجبل!" —— قاصد نے کہا —— "میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا..... خانہ جنگی اچانک رک گئی تھی اور یہ سلطان برکیارق کے حکم سے روکی گئی تھی۔ اس کے فوراً بعد حکم ملا کہ جہاں جہاں کوئی باطنی نظر آتا ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ سب سے پہلے ہمارا طبیب اور اس کے ساتھی اپنے گھر میں قتل ہوئے۔ ان کے گھر پر چھاپہ پڑا تھا۔ ہمارے

Scanned by iqbalmt

آدمیوں کو بھاگنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ جس کے متعلق ذرا سا بھی شک ہُوا کہ یہ ہمارے فرقے کا آدمی ہے' اسے قتل کر دیا گیا"۔

"یہ ہُوا کیسے؟" — حسن بن صباح نے بڑی زور سے اپنا ایک پاؤں زمین پر مار کر پوچھا — "کیا وہ لڑکی روزینہ دھوکا دے گئی ہے یا مر گئی ہے؟"

"اسے سلطان برکیارق نے اپنے ہاتھوں قتل کر دیا تھا" — قاصد نے جواب دیا۔

"اگر تم سب کچھ جانتے ہو تو پوری بات سناؤ" — حسن بن صباح نے کہا۔

قاصد نے خانہ جنگی کی تفصیلات سنانی شروع کر دیں اور بتایا کہ دونوں طرفوں کے لشکر لڑتے لڑتے شہر سے کتنی دور چلے گئے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ رے کا امیر ابو مسلم رازی اپنا لشکر لے کر مَرو پہنچ گیا تھا اور وہ سرکاری فوج کے خلاف لڑا تھا۔ پھر اس نے بتایا کہ کس طرح خانہ جنگی اچانک رک گئی اور باطنیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

"یا شیخ الجبل!" — قاصد نے کہا — "میں خانہ جنگی رکتے ہی وہاں سے چل پڑا لیکن میں نے کچھ راز لیئے تھے۔ یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ خانہ جنگی کس طرح رُکی اور سلطان برکیارق نے یہ حکم کس کے کہنے پر یا کس کے دباؤ پر دیا تھا۔ بڑی مشکل سے راز حاصل کیے.....

"یہ تو بتا چکا ہوں کہ ہماری لڑکی روزینہ کو سلطان برکیارق نے اپنے ہاتھوں قتل کیا تھا۔ طبیب نے سلطان کے محل کے دو ملازم اپنے ہاتھ میں لے لئے اور انہیں مخبر بنا لیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ روزینہ کو ہماری ہی ایک مفرور لڑکی شمونہ نے قتل کروایا ہے۔ شمونہ روزینہ کی کنیز بن کر محل میں داخل ہوئی تھی۔ ان ملازموں کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ شمونہ نے کس طرح سلطان برکیارق کو اپنے اثر میں لے لیا اور روزینہ کو قتل کروا دیا تھا۔ البتہ یہ خبر ملی ہے کہ اس کارروائی میں سلطان کا وزیر اعظم عبدالرحمان سمیری بھی شامل تھا"۔

"یہ لڑکی شمونہ اب کہاں ہے؟" — حسن بن صباح نے پوچھا۔

"وہ مَرو میں ہی ہے" — قاصد نے جواب دیا — "اس کی ماں جس کا نام میمونہ ہے' وہ بھی اس کے ساتھ ہے"۔

"شمونہ ابھی تک وہاں سے اٹھائی کیوں نہیں گئی؟" — حسن بن صباح نے غصیلی آواز میں کہا — "میں کبھی کا حکم دے چکا ہوں کہ اس لڑکی کو زندہ میرے سامنے لاؤ!

جانے کیا میرے فدائی میرا یہ حکم بھول گئے ہیں یا ان میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی!"

"صرف شمونہ ہی نہیں یا شیخ الجبل!" — قاصد نے کہا — "ہماری ایک اور عورت جس کا نام رابعہ ہے' وہ بھی سلطان کے محل میں چلی گئی تھی۔ اس نے ایسے لوگوں کے نام اور پتے بتائے جو ہمارے خاص آدمی تھے۔ ان سب کو سلطان نے قتل کروا دیا ہے..... مجھے معلوم ہُوا ہے کہ ہمارے کچھ اور آدمیوں کو سلطان کی فوج نے پکڑ لیا تھا اور ان پر اتنا زیادہ تشدّد کیا گیا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی نشاندہی کر دی۔ اس طرح ہمارے آدمی مارے گئے.....

"اور یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ ہمارے فرقے کے قتلِ عام کا حکم ابو مُسلم رازی نے دلوایا ہے اور وزیرِ اعظم عبدالرحمان سمیری بھی اس کے ساتھ ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ سلطان برکیارق ان دونوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہُوا ہے..... پھر ایک خبر یہ بھی ہے کہ عبدالرحمان سمیری' ابو مسلم رازی اور سلطان برکیارق کی ماں نے سلطنتِ سلجوقیہ کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصّے کا سلطان برکیارق ہو گا اور دوسرا حصہ برکیارق کے چھوٹے بھائیوں' محمد اور سنجر' کو دے دیا گیا ہے لیکن برتری اور مرکزیت سلطان برکیارق کو حاصل ہو گی تاکہ دونوں حصوں کا اور ان کی فوجوں کا اتحاد قائم رہے"۔

"ابو مسلم رازی اور عبدالرحمان سمیری کو اب تک زندہ نہیں رہنا چاہئے تھا" — حسن بن صباح نے کہا — "رے میں ایک مشہور عالم ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی ہے۔ مجھے پہلے اطلاعیں مل چکی ہیں کہ یہ عالم ابو مُسلم رازی کا پیرو مرشد بنا ہُوا ہے اور رازی اس کے مشوروں اور تجویزوں پر عمل کرتا ہے۔ اس عالم کو بھی ان دونوں کے ساتھ ختم کرنا ہے..... میں کیسے بھول سکتا ہوں کہ میں رے میں گیا تو ابو مسلم رازی نے میری گرفتاری کا حکم دے دیا تھا۔ یہ تو مجھے بروقت پتہ چل گیا اور میں وہاں سے بھاگ کر مصر چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو بھی رازی نے میری گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اس کا بھی مجھے پہلے ہی پتہ چل گیا اور میں وہاں سے ایک بہروپ دھار کر بھاگ نکلا..... یہ شخص اسلام کا شیدائی اور سلجوقیوں کی سلطنت کا خیر خواہ بنا ہُوا ہے۔ اب اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ سب سے پہلے میں اس کا پتّا کاٹوں گا۔ اس کے پیرو مرشد ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی کو بھی صاف کرا دوں گا"۔

Scanned by iqbalmt

سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا۔ حسن بن صباح وہیں بیٹھنا چاہتا تھا اس لئے فانوس وہیں لائے گئے اور رات کو دن بنا دیا گیا۔ حسن بن صباح کے حکم سے شراب کی صراحی اور پیالے وہیں آ گئے۔ شراب پلانے کے لئے تین چار انتہائی خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں آ گئیں۔ ان کے نیم برہنہ جسموں کی خوبصورتی کو صرف جنت کی حوروں سے ہی تشبیہ دی جا سکتی تھی۔

حسن بن صباح نے چار پانچ آدمیوں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلایا جائے.....

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ یہ سب آدمی دوڑے آئے۔ حسن بن صباح نے انہیں بتایا کہ مرو میں کیا ہوا ہے اور اس کے جواب میں انہیں کیا کرنا ہے۔ یہ آدمی تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے باطنی تخریب کاروں، فدائیوں اور جاسوسوں کو سرگرم رکھتے اور ان سے اطلاعیں وصول کیا کرتے تھے۔

"ایک ایک باطنی کے بدلے دس دس مسلمانوں کو قتل کرنا ہے" ـــــ حسن بن صباح نے کہا ـــــ "لیکن سب سے پہلے ان کے سربراہوں اور قائدین کو ختم کرو..... تین نام یاد کر لو..... رے کا حاکم ابو مسلم رازی، سلطان برکیارق کا وزیر اعظم عبدالرحمان سمیری رے کا ایک عالم ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی..... سب سے پہلے ان تینوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ اس کے بعد بتاؤں گا کہ کس کی باری ہے"۔

مشہور تاریخ نویسوں ابن جوزی اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح صرف مرو یا رے کے مسلمانوں سے باطنیوں کے قتل عام کا انتقام نہیں لینا چاہتا تھا بلکہ اس کی نظریں اصفہان پر لگی ہوئی تھیں۔ دوسرے مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ وہ اصفہان کو اپنا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اصفہان میں بھی اپنا جال بچھا رکھا تھا۔ مورخوں کے مطابق اس نے اسی محفل میں ایک پلان بنا کر اپنے خاص کارندوں کو دے دیا تھا کہ اصفہان میں مسلمانوں کو ایسے خفیہ طریقوں سے قتل کیا جائے کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ انہیں کون قتل کر رہا ہے۔

تاریخوں سے ایک شہادت یہ بھی ملتی ہے کہ حسن بن صباح نے یہ حکم دیا تھا کہ اصفہان میں مسلمانوں کو قتل کر کے غائب کر دیا جائے۔ یہ پتہ ہی نہ چلے کہ جو آدمی غائب ہو گئے ہیں وہ زندہ ہیں یا مارے گئے ہیں۔

اس کی جنت دور دور تک مشہور ہو گئی تھی اور نوجوان اس جنت کو دیکھنے کے

لئے بڑی دور دور کا سفر کر کے قلعہ الموت جاتے تھے۔ وہاں حسن بن صباح کے تجربہ کار کارندے ان نوجوانوں پر نظر رکھتے اور ان میں سے اپنے مطلب کے لڑکے منتخب کر لیتے اور انہیں اس جنت میں داخل کر دیتے تھے۔

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو کوئی ایک بار اس جنت میں چلا جاتا تھا وہ دنیا کو بھول جاتا بلکہ اپنی اصلیت اور اپنی ذات بھی اسے یاد نہیں رہتی تھی۔ پہلے کسی باب میں بیان ہو چکا ہے کہ اس جنت میں حشیش تھی اور حوریں تھیں۔ قدرت نے اس خطے کو ایسا حسن دیا تھا کہ حشیش اور حسین لڑکیوں کے بغیر بھی وہ خطہ جنت نظیر تھا۔ اب تو اس جنت میں چشمے بھی پھوٹ پڑے تھے جن میں رنگین مچھلیاں چھوڑ دی گئی تھیں۔ اس جنت میں سے وہ فدائی تیار ہو کر نکل رہے تھے جو حسن بن صباح کے حکم سے دوسروں کو تو قتل کر ہی دیتے تھے، اپنے آپ کو بھی قتل کر دینے میں وہ فخر محسوس کرتے تھے۔ ان فدائیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں پھیلایا جا رہا تھا۔

حسن بن صباح کے ہاں تبلیغ بہت کم اور زیادہ تر قتل و غارت گری تھی۔ اس کا اصول اور طریقہ کار یہ تھا کہ علماء اور دیگر قائدین کو قتل کر دیا جائے اور عوام کو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بنا کر انہیں ہانک کر اپنے زیر اثر لے لیا جائے۔

○

مرو میں امن قائم ہو چکا تھا۔ امن کا مطلب یہ ہے کہ اب وہاں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا لیکن جن گھروں کے جوان بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے، ان گھروں میں ابھی تک ماتم ہو رہا تھا۔ اگر انہوں نے کفار کی کسی فوج سے لڑائی لڑی ہوتی تو وہ لوگ فخر سے بتاتے کہ ان کا بیٹا حق و باطل کے اس معرکے میں شہید ہوا ہے لیکن وہاں تو بھائیوں نے بھائیوں کا خون بہا دیا تھا البتہ حسن بن صباح اور اس کے باطنی فرقے کے خلاف نفرت کا ایک طوفان اٹھ آیا تھا۔ ہر کسی کو معلوم تھا اور ہر کسی کو بتایا گیا تھا کہ یہ سارا فتنہ باطنیوں نے زمین دوز طریقوں سے شروع کیا تھا۔

ابو مسلم رازی ابھی مرو میں ہی تھا۔ اس نے اپنا لشکر اپنے شہر رے کو بھیج دیا تھا۔ وہ خود اس لئے رک گیا تھا کہ مرو میں تینوں بھائیوں، سلطان برکیارق، محمد اور سنجر ـــــ میں سلطنت کی تقسیم کے متعلق امور طے کرنے تھے۔ اس نے دو چار دنوں بعد وہاں سے رے کو روانہ ہونا تھا۔

Scanned by iqbalmt

مزمّل آفندی اور اس کا ساتھی بن یونس موت کے شکنجے سے نکل آئے تھے۔ انہیں دودھ اور شہد پلایا جا رہا تھا اور ایسی غذا دی جا رہی تھی کہ ان کا جو خون ضائع ہو گیا تھا وہ پورا ہونا شروع ہو گیا۔ زخم بھی ٹھیک ہو رہے تھے اور اب وہ دونوں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے تھے اور بڑی آسانی سے باتیں بھی کر لیتے تھے۔

سلطان برکیارق اور ابو مسلم رازی کو جب پتہ چلا تھا کہ مزمّل آفندی زخمی ہو کر آیا ہے تو دونوں بڑی تیزی سے محل میں آئے اور اسے دیکھا تھا۔ انہوں نے طبیب اور جراح سے کہا تھا کہ یہ بہت ہی قیمتی آدمی ہے اسے ہر قیمت پر زندہ رکھنا ہے اور پھر اس میں وہی روحانی اور جسمانی توانائی پیدا کرنی ہے جو زخمی ہونے سے پہلے ہوا کرتی تھی۔

"امیرِ محترم!" — مزمّل نے ابو مسلم رازی سے کہا — "میں آج ہی آپ کو بتا دیتا ہوں کہ پوری طرح صحت یاب ہو کر میں اپنے اس ساتھی بن یونس کے ساتھ قلعہ الموّت جاؤں گا اور حسن بن صباح کو قتل کر کے ہی واپس آؤں گا ورنہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی واپس نہیں آئے گا"۔

"پہلے صحت یاب ہو لو" — ابو مسلم رازی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا — "یہ تو ہم سب نے دیکھ لیا ہے کہ حسن بن صباح اور اس کے باطل فرقے کو ختم کرنے کے لئے ہمیں اپنی جانوں کی قربانیاں دینی پڑیں گی..... ابھی اپنے خون کو اتنا جوش نہ دو، پہلے تندرست ہو جاؤ"۔

دو تین دنوں بعد ابو مسلم رازی مَروُ سے رے کو روانہ ہونے لگا۔ سلطان برکیارق، اس کے بھائیوں اور اس کی ماں نے ابو مسلم رازی کو شاہانہ طریقے سے بڑے تپاک سے رخصت کیا۔ اس کی مزید تعظیم اس طرح کی گئی کہ وزیرِ اعظم عبدالرحمان سمیری اسے الوداع کہنے کے لئے شہر سے باہر تک اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ دونوں پہلو بہ پہلو گھوڑوں پر سوار چل پڑے۔ ان کے پیچھے آٹھ دس محافظوں کا دستہ تھا۔ اس کے پیچھے اونٹوں اور ایک خچر گاڑی پر سامان وغیرہ جا رہا تھا۔

"سمیری بھائی!" — چلتے چلتے ابو مسلم رازی نے سلطان کے وزیرِ اعظم سے کہا — "ان لڑکوں پر نظر رکھنا اور انہیں قابو میں رکھنا آپ کا کام ہے۔ بیشک برکیارق راستے پر آ گیا ہے لیکن جوان آدمی ہے، کہیں بھٹک نہ جائے اور دوسرے بھائی اس سے چھوٹے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عقل کی بجائے ذاتی جذبات سے سوچنا اور عمل کرنا شروع

کر دیں۔ حسن بن صباح کا قلع قمع اتنا آسان نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ انہیں کھلی جنگ اور حیلے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ میں الموّت کی بات کر رہا ہوں۔ ہمیں کچھ اور طریقے سوچنے پڑیں گے، بہرحال میں آپ سے آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ فرض آپ کا ہے 'ان لڑکوں پر بھروسہ نہ کرنا"۔

"آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے زمین کے نیچے نیچے کیسی کیسی کارروائیاں کی ہیں" — عبدالرحمان سمیری نے کہا — "میں آپ کا ہم خیال ہوں۔ آپ کے ساتھ رابطہ رکھوں گا۔ آپ نے بجا فرمایا ہے کہ یہ کام ہم جیسے تجربہ کار اور گہری سوچ و فکر والے آدمیوں کے کرنے کا ہے..... اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے....."

عبدالرحمان سمیری کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ایک غریب سا ادھیڑ عمر آدمی ان کے راستے میں سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کی خشخشی داڑھی تھی اور وہ بوسیدہ سا چغہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر اداسیوں کی گہری پرچھائیاں تھیں اور تاثر ایسا جیسے وہ مظلوم ہو اور التجا کرنا چاہتا ہو۔ ابو مسلم رازی بڑا ہی رحم دل آدمی تھا۔ عبدالرحمان سمیری بھی رحمدلی میں کم نہ تھا۔ دونوں نے گھوڑے روک لئے۔

"یا امیر!" — اس آدمی نے ہاتھ جوڑ کر ذرا آگے آتے ہوئے کہا — "ذرا رک جا اور ایک مظلوم باپ کی فریاد سنتا جا"۔

"کہو میرے بھائی!" — ابو مسلم رازی نے کہا — "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں تمہاری پوری مدد کروں گا پھر یہاں سے آگے قدم اٹھاؤں گا"۔

"یا امیر!" — اس مفلوک الحال آدمی نے زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے اور ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا — "لڑائی تو امیروں اور بادشاہوں کی تھی لیکن میرا ایک ہی ایک جوان بیٹا اس لڑائی میں مارا گیا ہے..... اگر میرا بیٹا کفار کے مقابلے میں لڑتا ہوا جان دے دیتا تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی بلکہ میں فخر سے اپنا سر اونچا کر کے کہتا کہ میں نے اپنا اکلوتا بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کر دیا ہے لیکن یہ کیسی لڑائی تھی!..... جس میں بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا اور....."

"تم اپنی فریاد سناؤ میرے بھائی!" — ابو مسلم رازی نے کہا — "وہ تو میں جانتا ہوں کہ یہ کیا ہوا تھا۔ تم جو چاہتے ہو وہ بتاؤ تاکہ میں تمہاری مدد کروں"۔

"اے رحمدل امیر!" — اس آدمی نے کہا — "تیرے متعلق جو سنا تھا تو ویسا ہی

Scanned by iqbalm

نکلا۔ اللہ نے تیرے دل میں رحم ڈالا ہے۔ کچھ رحم مجھ پر بھی کر دے" ــــ یہ آدمی جس نے گھٹنے پہلے ہی زمین پر ٹیکے ہوئے تھے سجدے میں چلا گیا اور سجدے میں بولا ــــ "میں جانتا ہوں کہ سجدہ صرف خدا کے آگے کیا جاتا ہے لیکن میں تیرے آگے سجدہ کرتا ہوں"۔

"کھڑے ہو کر بات کرو بھائی!" ــــ ابو مسلم رازی نے کہا ــــ "مجھے گناہگار نہ کرو ..... کہو کیا بات ہے!"

اس آدمی نے سجدے سے سر اٹھایا اور پھر ہاتھ جوڑ کر بولا ــــ "مجھے بتا اے امیرا میں کہاں جاؤں ..... میری فریاد کون سُنے گا ..... تو گھوڑے پر سوار ہے اور میں خاک نشین ہوں..... میری آواز تیرے کانوں تک نہیں پہنچ پائے گی"۔

ابو مسلم رازی کی رحمدلی اور انسان دوستی کا یہ عالم تھا کہ وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ وہ پہلے ہی یہ صدمہ دل پر لئے ہوئے تھا کہ اس آدمی کے بیٹے جیسے نہ جانے کتنے بیٹے خانہ جنگی میں مارے گئے ہیں۔ اب وہ دیکھ رہا تھا کہ ایک غریب آدمی جس کا اکلوتا بیٹا مارا گیا ہے' اس کے آگے سجدہ کر رہا ہے۔

ابو مسلم رازی اس کے قریب پہنچا تو وہ آدمی ایک بار پھر سجدے میں چلا گیا۔ رازی نے دیکھ لیا تھا کہ اس آدمی کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ اس نے اس مظلوم آدمی کے اوپر جھک کر اس کی دونوں بغلوں میں ہاتھ رکھے اور اسے اٹھنے کو کہا اور اسے اٹھانے بھی لگا۔ اُس وقت ابو مسلم رازی رکوع کی حالت میں اس آدمی کے اوپر جھکا ہوا تھا اور وہ آدمی اس کے نیچے تھا۔

اس آدمی نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھتے اٹھتے اپنے بوسیدہ چغے کے اندر کیا اور پھر بڑی تیزی سے ہاتھ باہر نکالا۔ پیشتر اس کے کہ ابو مسلم رازی یا کوئی اور دیکھ سکتا کہ اس آدمی کے ہاتھ میں خنجر ہے' خنجر ابو مسلم رازی کے سینے میں اتر چکا تھا۔ اس آدمی نے نیچے سے خنجر کا وار کیا تھا۔ ابو مسلم رازی تیزی سے سیدھا ہوا تو اس آدمی نے اٹھ کر دو بار پھر اس کے سینے میں خنجر مارے۔ ابو مسلم رازی تیورا کر گرا اور اس کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔

محافظ گھوڑوں سے کود کر اترے اور ابو مسلم رازی کی طرف دوڑے۔ عبدالرحمان سمیری بھی گھوڑے سے اتر آیا اور اس نے ابو مسلم رازی کو سہارا دیا لیکن ابو مسلم رازی کے گھٹنے زمین سے لگ چکے تھے۔

قاتل کو وہیں پکڑنا تھا لیکن قاتل نے چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنے خنجر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اپنے سر کے اوپر کر کے نعرہ لگایا ــــ "یا شیخ الجبل' تیرے نام پر اپنی جان قربان کر رہا ہوں..... تیرے حکم کی تعمیل کر دی ہے" ــــ اس نے خنجر زور سے پیچھے کو کھینچا اور اپنے دل میں اتار لیا۔ ذرا سی دیر وہ پاؤں پر کھڑا رہا پھر گر کر ایک طرف کو لڑھک گیا۔ محافظوں نے اسے اٹھانا چاہا لیکن وہ مر چکا تھا۔

چونکہ وزیراعظم اور رے کا امیر جا رہے تھے اس لئے لوگ راستے کے دونوں طرف اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ایک آدمی نے امیر رے کو قتل کر دیا ہے تو وہ قاتل پر ٹوٹ پڑے۔ اسے تلواروں اور خنجروں سے قیمہ کر دیا اور جس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا اس نے پتھر اٹھا اٹھا کر اسے مارے اور ذرا سی دیر میں قاتل کے جسم کے چیتھڑے کر دیئے۔

ابو مسلم رازی کی لاش گھوڑے پر ڈال کر واپس سلطان برکیارق کے محل میں لے جائی گئی۔ وہاں تو کہرام بپا ہو گیا۔

○

ابو مسلم رازی کی میّت کو مرو میں ہی آخری غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تھا۔ ایک قاصد کو رے کی طرف دوڑا دیا گیا تھا کہ وہ ابو مسلم رازی کے خاندان کو اس حادثے کی اطلاع دے دے اور یہ بھی بتائے کہ اس کی میّت لائی جا رہی ہے۔

ابو مسلم رازی ایک تاریخ ساز شخصیت تھی۔ حسن بن صباح نے اسے قتل کروا کر ایسا خلا پیدا کر دیا تھا جسے اب کوئی اور پورا نہیں کر سکتا تھا۔

جب ابو مسلم رازی کی میّت رے پہنچی تو سارا شہر ہی ٹوٹ پڑا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر کوئی جانتا تھا کہ اسے باطنیوں نے قتل کیا ہے۔ لوگ بلند آواز سے حلف اٹھا رہے تھے اور یہ عہد کر رہے تھے کہ وہ اپنے امیر کے خون کا انتقام لیں گے۔

اس قتل کی اطلاع شہر سے باہر دُور دُور تک پہنچ گئی تھی اور لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ جب جنازہ اٹھا تو رے کی فضا میں صرف آہ و بکا اور عورتوں کے بین سنائی دے رہے تھے۔ جنازہ گھڑ دوڑ کے میدان میں پڑھا گیا۔ عورتیں چھتوں پر کھڑی رو رہی تھیں اور بچے بھی جنازے میں شامل ہو گئے تھے۔ لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم کبھی کم ہی دیکھنے

Scanned by iqbalm

میں آیا تھا۔

جنازہ ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی نے پڑھایا۔ جنازے کے بعد اس نے لوگوں کو بیٹھ جانے کو کہا۔ پھر اس نے بڑی بلند آواز میں لوگوں کو مختصر سا خطاب کیا۔

"اے لوگو!" — ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی نے کہا — "ہوش میں آؤ اور اپنے دین و ایمان کو اور زیادہ مضبوط کرو..... ابو مسلم رازی کو اس ابلیس حسن بن صباح نے قتل کرایا ہے۔ اس سے ہماری قوم کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی صرف ابو مسلم رازی ہی کر سکتا ہے لیکن عہد کر لو کہ ہمیں ایک اور ابو مسلم رازی پیدا کرنا ہے۔ پروانے جل جل کر مرتے رہتے ہیں اور شمع جلتی رہتی ہے۔ ہمیں اسلام کی شمع کو جلتا رکھنا ہے اور اس پر اسی طرح جل جل کر مرنا ہے۔ انسان مرتے جاتے ہیں لیکن دین اور ایمان زندہ رہتے ہیں۔ کچھ اور انسان آتے ہیں جو پہلے انسانوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اب ہر آدمی اس عزم کو اپنے ایمان میں شامل کر لے کہ حسن بن صباح کو قتل کرنا ہے اور اس کے فرقے کا نام و نشان مٹا دینا ہے..... لیکن سوچنا عقل سے' جذبات کی شدت اور جوش سے نہیں"۔

لوگوں میں اس قدر جوش و خروش اور ایسا غم و غصہ تھا کہ انہوں نے اس عالم کی آگے کوئی بات نہ سنی اور نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اگر انہیں اشارہ بھی دے دیا جاتا کہ ابھی قلعہ الموت پر حملہ کرنا ہے تو سب اسی حالت میں چل پڑتے اور کچھ بھی نہ سوچتے..... فاضل اصفہانی نے ہاتھ کھڑے کر کے لوگوں کو خاموش کیا اور دعا پڑھنے لگا۔

لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھا اور ہجوم میں سے راستہ بناتا ہوا مجید فاضل اصفہانی کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس نے لوگوں کی طرف منہ کر لیا۔ وہ اس عالم کے پہلو کے ساتھ کھڑا تھا۔

"اے لوگو!" — اس آدمی نے کہا — "تم جوش میں آ کر نعرے لگا رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ حسن بن صباح کو قتل کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔ اس کے لئے صرف دو تین آدمیوں کی ضرورت ہے۔ میں اس کے لئے اپنے آپ کو اور اپنی جان کو پیش کرتا ہوں..... مجھے دو آدمیوں کی ضرورت ہے"۔

"تم ابھی بیٹھ جاؤ میرے عزیز!" — ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی نے اس آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "یہ معاملہ ایسا نہیں جو یہاں جذبات کے جوش میں طے کر

لیا جائے' اس پر بعد میں غور کیا جائے گا"۔

"میں نے غور کر لیا ہے" — اس آدمی نے کہا اور بڑی تیزی سے اپنے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالا' ہوا میں لہرایا اور اس کا یہ خنجر ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی کے سینے پر اس جگہ اتر گیا جہاں دل ہوتا ہے۔ اس شخص نے دو وار اور کئے اور پیشتر اس کے کہ لوگ اٹھ کر اسے پکڑ لیتے اس نے اپنا خنجر ہوا میں بلند کر کے نعرہ لگایا — "شیخ الجبل کے نام پر!" — اور خنجر اپنے دل میں اتار لیا۔ وہ گرا اور مر گیا۔ یہ ایک اور تاریخی شخصیت تھی جسے حسن بن صباح نے قتل کرایا تھا۔ مجید فاضل اصفہانی صرف عالم ہی نہیں تھا بلکہ وہ عمل کے میدان کا سپاہی تھا' حقیقت پسند اور کچھ کر کے دکھا دینے والا..... ابو مسلم رازی اور مجید فاضل اصفہانی کے قاتل دو تین دن پہلے قلعہ الموت سے آئے تھے۔

ابو مسلم رازی کو دفن کر دیا گیا اور اس کے پیر و استاد مجید فاضل اصفہانی کی میت کو اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ اگلے روز اسی بے پناہ اور بے قابو ہجوم نے اپنے اس عالم ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی کا جنازہ پڑھا۔ بے قابو اس لئے کہ ہر کوئی غم و غصے سے پھٹا جا رہا تھا لیکن یہ لوگ اب قیادت سے محروم ہو گئے تھے۔ سلطان برکیارق اور اس کا وزیر اعظم عبدالرحمان سمیری وہیں رکے رہے تھے۔ جنازے کے بعد عبدالرحمان سمیری نے لوگوں سے خطاب کیا اور کہا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں اور اپنی عقل پر پردہ نہ پڑنے دیں' انشاء اللہ ان عظیم شخصیتوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔

○

سلطان برکیارق' محمد' سنجر' ان کی ماں اور ان کا وزیر اعظم عبدالرحمان سمیری مرو چلے گئے۔ تاریخ میں ایسا کوئی حوالہ نہیں ملتا کہ رے کا شہر اور علاقہ ابو مسلم رازی کے بعد کس امیر کو دیا گیا تھا۔ ایک اشارہ ملتا ہے کہ سلطان برکیارق نے اس علاقے کو اپنی عملداری اور نگرانی میں رکھ لیا تھا۔

ان لوگوں کے دلوں پر بہت ہی بوجھ تھا۔ ایک تو صدمہ تھا اور دوسرے یہ سوچ اور فکر کہ حسن بن صباح کا ہاتھ کس طرح روکا جائے..... مرو پہنچتے ہی ان لوگوں نے اپنے سالاروں کو بلایا اور باقاعدہ اجلاس میں غور کیا گیا کہ باطنیوں کا قلع قمع کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

اس اجلاس میں کئی ایک طریقے سوچے گئے اور منصوبے بھی بنائے گئے اور اجلاس

Scanned by iqbalmt

برخواست ہو گیا۔ ایک فیصلہ یہ ہُوا کہ سلطنت کو تو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے لیکن فوج کو ابھی تقسیم نہ کیا جائے ورنہ ہمارا دشمن اتنا شعبدہ باز اور چالاک ہے کہ وہ ان دونوں حصّوں کو الگ الگ الجھا کر نقصان پہنچائے گا۔

جب اجلاس برخواست ہُوا تو سلطان برکیارق اور عبدالرحمان سمیری کو دربان نے اطلاع دی کہ تین آدمی بڑی دور سے آئے ہیں اور وہ انہیں ملنا چاہتے ہیں۔

"پہلے ان کی تلاشی لو" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "تلاشی بڑی سختی سے لی جائے' ان کے پاس چھوٹا سا چاقو بھی نہیں ہونا چاہئے"۔

کچھ دیر بعد یہ تین آدمی کمرے میں لائے گئے اور بتایا گیا کہ یہ بالکل نہتے ہیں اور بہت دور سے آئے ہیں..... انہوں نے کہا کہ وہ ایک شہر ابہر کے رہنے والے ہیں اور تجارت پیشہ ہیں۔ وہ جو مسئلہ لے کر آئے تھے' وہ یوں تھا کہ اس شہر کے قریب ایک قلعہ وسم کوہ پر تھا۔ وسم کوہ ایک پہاڑی تھی جس پر یہ قلعہ بنا ہُوا تھا۔ ان آدمیوں نے بتایا کہ اس قلعے پر باطنی فدائی قابض ہو گئے ہیں اور وہاں انہوں نے کسی مسلمان کو زندہ نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس قلعے کے قریب سے چھوٹے بڑے قافلے اور اِکے دُکے آدمی یا پورے پورے خاندان گزرتے رہتے ہیں۔ یہ باطنی فدائی انہیں لُوٹ لیتے ہیں اور سارا مال قلعے میں لے آتے ہیں اور یہاں سے یہ مال قلعہ الموُت جاتا ہے۔

یہ آدمی عقلمند معلوم ہوتے تھے اور جنگی امور سے بھی کچھ واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ان فدائیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں اور وہ باقاعدہ فوجی بھی نہیں۔ ان میں صرف یہ طاقت تھی کہ اپنی جان پر کھیل جاتے تھے لیکن عسکری طریقوں سے بالکل ناواقف تھے۔

"اگر آپ فوج لے کر آئیں تو آپ کو وہاں کے لوگوں کی مدد بھی مل سکتی ہے" —— اس وفد کے ایک آدمی نے کہا —— "وہاں سے قلعہ اَلمُوت بہت دُور ہے۔ ان قلعہ بند باطنیوں کو کہیں سے مدد یا کمک نہیں مل سکتی..... اگر اس قلعے پر قبضہ کر لیا جائے تو اتنے زیادہ باطنی ہاتھ آئیں گے جنہیں قتل کیا جائے اور مال و متاع اور زر و جواہرات کا تو کوئی حساب ہی نہیں"۔

کچھ بحث و تمحیص کے بعد سالار اوریزی نے کہا کہ وہ اس قلعے کا محاصرہ کرے گا اور انشاء اللہ کامیاب بھی ہو گا..... قلعہ کچھ دور تھا۔ سلطان برکیارق اور عبدالرحمان سمیری

نے اسے اجازت دے دی اور محاصرے کا منصوبہ تیار ہونے لگا۔

دو ہی دنوں بعد سالار اوریزی نے مطلوبہ فوج تیار کر لی اور رخصت ہونے لگا۔ وزیرِاعظم عبدالرحمان سمیری نے اس فوج کو رخصت کرنا تھا جیسا کہ اُس زمانے میں رواج تھا۔ سمیری گھر سے نکلا اور اُس جگہ کی طرف چل پڑا جہاں فوج تیار کھڑی تھی۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس عورت زمین پر بیٹھی تڑپ رہی ہے اور زمین پر ماتھا مار رہی ہے۔ وہ روتی اور بَین کرتی تھی۔

ایک آدمی اس کے پاس بیٹھ کر اسے بہلانے لگا لیکن عورت ایک ہی رٹ لگائے جا رہی تھی —— "میرا بچہ..... میرا بچہ مجھے واپس لا دو..... سلطان مر گیا ہے جو میرے بچے کو واپس نہیں لاتا"۔

عبدالرحمان سمیری نے گھوڑا روک لیا اور اس آدمی سے پوچھا کہ عورت کی یہ حالت کیوں ہو رہی ہے۔

"اس بیچاری کا ایک کم سن بچہ باطنی اُٹھا کر لے گئے ہیں" —— اس آدمی نے بتایا —— "یہ کہتی ہے کہ اُن لوگوں کو جانتی ہے اور وہ ابھی شہر میں ہی ہیں لیکن اس کی فریاد کوئی نہیں سنتا"۔

عبدالرحمان سمیری سے اس عورت کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ وہ گھوڑے سے اترا' وہ اس عورت کو تسلّی دلاسہ دینا چاہتا تھا کہ اس کے بچے کو برآمد کرا لیا جائے گا۔ سمیری اس عورت کے قریب گیا اور اس پر جھکا۔ اس عورت کے پاس جو آدمی بیٹھا ہُوا تھا اس نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور عبدالرحمان سمیری کی پیٹھ میں اتار دیا' پھر اسے سیدھا نہ ہونے دیا اور دو تین وار اور کئے۔ وزیرِاعظم سمیری وہیں گر پڑا۔

لوگ قاتل کو پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن قاتل نے بھاگنے کی ذرا سی بھی کوشش نہ کی۔ اس نے دو بار خنجر پوری طاقت سے اس عورت کی پیٹھ میں مارا اور پھر خنجر اپنے دل کے مقام پر اتنی زور سے مارا کہ آدھے سے زیادہ خنجر اس کے سینے میں چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ عورت اس قاتل کی ساتھی تھی اور اسے عبدالرحمان سمیری کو جال میں لانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ اگر یہ باطنی اس عورت کو قتل نہ کرتا تو اس سے کچھ راز مل سکتے تھے۔

یہ ایک اور تاریخی شخصیت تھی جسے حسن بن صباح کے حکم سے ایک فدائی نے

Scanned by iqbalm

قتل کر دیا..... پانچویں ہجری ختم ہونے میں پانچ سال باقی تھے۔

سالار اوریزی نے اپنی پیش قدمی ملتوی نہ کی۔ وہ قلعہ وسم کوہ کی طرف کوچ کر گیا۔ یہاں سے قتل و غارت کا ایک اور دور شروع ہو گیا جس نے تاریخ پر لرزہ طاری کر رکھا تھا۔

سالار اوریزی نے یہ فوج اندھا دھند تیار نہیں کی تھی اور اس نے کوچ کا جو حکم دیا تھا' وہ بھی کوئی رسمی سا حکم نہیں تھا۔ اس نے اس فوج کی تیاری کے دوران دانشمندانہ کارروائیاں کی تھیں۔

پہلی کارروائی یہ تھی کہ اس نے اس فوج میں منتخب لڑاکے اور جانباز شامل کئے تھے۔ اُس نے اپنے جو نائب کمانڈار ساتھ لئے تھے' وہ بھی چُنے ہوئے تھے اور لڑائیوں کا تجربہ بھی رکھتے تھے اور ان میں حسن بن صباح اور اُس کے فرقے کی نفرت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سالار اوریزی نے ایک احتیاطی تدبیر اختیار کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ حسن بن صباح تک یہ خبر نہ پہنچ جائے کہ وہ قلعہ وسم کوہ پر فوج کشی کے لئے جا رہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ گلی گلی' کوچہ کوچہ حسن بن صباح کے جاسوس موجود ہیں اور وہ روز بروز قلعہ الموت تک خبریں پہنچا رہے ہیں۔

سالار اوریزی نے اپنی اصل مہم پر پردہ ڈالے رکھنے کا یہ انتظام کیا تھا کہ وہ جب اپنی فوج تیار کر رہا تھا' اُس نے چند آدمی شہر پھیلا دیئے تھے جو یہ خبر مشہور کر رہے تھے کہ سالار اوریزی قلعہ ملاذخان پر حملہ کرنے جا رہا ہے.... قلعہ ملاذخان فارس اور خوزستان کے درمیان واقعہ تھا۔ چند سال پہلے باطنیوں نے یہ قلعہ دھوکے میں اپنے قبضے میں لے لیا تھا.... قلعہ وسم کوہ قلعہ ملاذخان سے کم و بیش ایک سو میل دور کسی اور ہی طرف تھا۔

حسن بن صباح کو یہ اطلاع دی گئی کہ سالار اوریزی اتنی نفری کی فوج سے قلعہ ملاذخان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو رہا ہے۔ یہ سن کر حسن بن صباح نے قہقہہ لگایا۔

"پگلے سلجوقی" —— حسن بن صباح نے کہا —— "اگر وہ قلعہ ملاذخان لے بھی لیں

Scanned by iqbalmt

گے تو کیا کرلیں گے؟..... وہ ابھی تک نہیں سمجھے کہ ان کی قسمت اور ان کی جانیں میری مٹھی میں ہیں۔ میں یہاں تصور میں جس کا گلا دباؤں گا وہ مَرو میں یا رے میں یا وہ جہاں کہیں بھی ہُوا مارا جائے گا..... جب اوریزی مَرو سے کوچ کرے اُسی وقت ایک آدمی وہاں سے میرے پاس پہنچ جائے اور بتائے کہ اس کے ساتھ کتنی پیدل اور کتنی سوار نفری ہے اور اُس نے کس وقت کُوچ کیا ہے"۔

حسن بن صباح نے دو تین آدمیوں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلایا جائے۔ وہ آدمی فوراً پہنچے۔ یہ اُس کے جنگی مشیر تھے۔ اُس نے انہیں قلعہ ملاذخان کے دفاع کے متعلق ہدایات دینی شروع کر دیں اور ساتھ یہ بھی کہا کہ مَرو سے ملاذخان تک جگہ جگہ اوریزی کے لشکر پر شب خون مارے جائیں اور گھات لگا کر بھی انہیں نقصان پہنچایا جائے۔ اس نے کہا کہ کہیں بھی جم کر نہیں لڑنا' ضرب لگا کر وہاں سے نکل آئیں۔

"وہ راستے سے ہی واپس چلے جائیں گے" —— حسن بن صباح نے کہا —— "اگر وہ واپس نہ گئے اور ملاذخان تک پہنچ بھی گئے تو ان کی نفری آدھی رہ چکی ہو گی اور وہ ایسی حالت میں ہوں گے کہ محاصرہ بھی مکمل نہیں کر سکیں گے۔ ملاذخان میں ہماری نفری تھوڑی ہے۔ وہاں آج ہی جاں بازوں کی خاصی نفری بھیج دو۔ انہیں یہ بتا دینا کہ جونہی وہ سلجوقیوں کے لشکر کو آتا دیکھیں تو قلعے سے نکل کر اور دور کا چکر کاٹ کر پہلوؤں سے اُس پر ٹوٹ پڑیں اور سپاہی سے لے کر سالار تک کوئی ایک بھی بندہ زندہ واپس نہ جائے"۔

سالار اوریزی رے میں ابو مسلم رازی اور ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی کے جنازے پڑھ کر آیا تھا۔ اب اُس کا لشکر کوچ کے لئے تیار تھا اور وہ عبدالرحمٰن سمیری کے انتظار میں تھا کہ اس نے آ کر انہیں الوداع کہنا تھا لیکن اسے اطلاع ملی کہ سمیری کو ایک باطنی نے قتل کر کے خودکشی کر لی ہے۔ اس خبر سے سالار اوریزی کو بھڑک اٹھنا چاہئے تھا اور اس پر جذبات کا غلبہ ہونا ایک قدرتی بات تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو ذہنی اور جذباتی لحاظ سے قابو میں رکھا اور ٹھنڈے دل سے سوچا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اگر وہ دوڑا ہُوا وہاں جا پہنچتا جہاں عبدالرحمٰن سمیری کو قتل کیا گیا تھا تو وہ ماتم کرنے رک جاتا اور اُس کی فوج جو کُوچ کے لئے تیار تھی' انتظار میں کھڑی رہتی یا اسے واپس بلا لیا جاتا۔

"سلطنتِ اسلامیہ کے پاسبانو!" —— سالار اوریزی نے اپنی فوج سے یوں خطاب کیا —— "باطنی ایک اور وار کر گئے ہیں۔ ابھی ابھی قاصد اطلاع دے گیا ہے کہ ہمارے

وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن سمیری کو ایک باطنی نے اسی طرح دھوکے سے قتل کر دیا ہے جس طرح امیر ابو مسلم رازی اور ہمارے پیر و مُرشد اور عالم ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی کو قتل کیا تھا۔ ہم اب کسی کے جنازے کے لئے نہیں رکیں گے۔ اب ہم ان مقتولوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لیں گے۔ اب ہمیں پیچھے نہیں دیکھنا بلکہ آگے بڑھنا ہے۔ اب دل میں عہد کر لو کہ حسن بن صباح اور اُس کے اس باطل فرقے کو ختم کرنا ہے یا خود ختم ہو جانا ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر جس میں ابلیس ہمارے عمائدین کا خون بہاتے پھریں۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگاؤ اور آگے بڑھو اور اس جذبے سے آگے بڑھو کہ ہم نے اب واپس اپنے گھروں کو نہیں آنا"۔

لشکر نے جب اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تو یوں لگا جیسے آسمان کا سینہ پھٹ گیا ہو اور زمین ہل گئی ہو۔ اس نعرے میں ایمان کی گرج تھی۔

سالار اوریزی گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ لشکر کے آگے آگے نہ چلا بلکہ وہیں کھڑا رہا۔ راستے سے ذرا ہٹ کر زمین کا تھوڑا سا اُبھار تھا۔ اوریزی اپنا گھوڑا اس اُبھار پر لے گیا اور اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے لشکر کو دیکھنے لگا۔ لشکر کلمہ طیبّہ کا بلند وِرد کرتا ہُوا جا رہا تھا..... تاریخ میں ایسے اعداد و شمار نہیں ملتے کہ اس لشکر کی نفری کتنی تھی اور اس میں پیادے کتنے اور سوار کتنے تھے۔ بہرحال یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ اس لشکر میں وہی جوش و خروش تھا جس کی اُس صورتِ حال میں ضرورت تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سالار اوریزی نے چُن چُن کر جذبے والے مجاہد اس لشکر میں رکھے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں اسلام کے مجاہدین تھے۔ انہیں تنخواہوں کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور مالِ غنیمت کا بھی ان کے ذہنوں میں کوئی خیال نہ تھا۔ ان میں انتقام کا جذبہ تھا۔ تھوڑے سے عرصے کی خانہ جنگی نے کئی گھر اجاڑ دیئے تھے اور بھائیوں نے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ ان لوگوں کو جب پتہ چلا تھا کہ اس خانہ جنگی کے پیچھے باطنیوں کا ہاتھ تھا تو وہ نفرت اور انتقام کے جذبے سے اتنے بھر گئے تھے کہ بارود کے چلتے پھرتے پتلے بن گئے تھے۔ وہ اُس سے کئی گنا زیادہ باطنیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے جتنے خانہ جنگی میں اپنے آدمی مارے گئے تھے۔

سالار اوریزی کے پیچھے بارہ چودہ گھوڑ سوار محافظ کھڑے تھے۔ اب سالاروں اور دیگر سربراہوں کی حفاظت کے انتظام پہلے سے زیادہ سخت کر دیئے گئے تھے۔ لشکر گزر تا جا

Scanned by iqbalmt

رہا تھا اور سالار اوریزی اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک محافظ نے دیکھا کہ ایک درویش سا آدمی ایک طرف سے چلا آ رہا ہے اور اُس کا رخ سالار اوریزی کی طرف ہے۔ اس محافظ نے اپنے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا اور ہلکی سی ایڑ لگائی۔ گھوڑا اس درویش کے سامنے جا رُکا۔

اس شخص کا صاف ستھرا لباس، پُر اثر چہرہ اور انداز بتاتا تھا کہ یہ کوئی عالم ہے اور درویش بھی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور دوسرے ہاتھ میں عصا۔ اس کی داڑھی خاصی لمبی تھی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ نہیں بلکہ خود اعتمادی تھی۔

"میرے راستے میں مت آ اے سوار!" —— درویش نے محافظ سے کہا —— "میں اُس راستے پر جا رہا ہوں جو اللہ کی اس مقدس کتاب نے مجھے دکھایا ہے" —— اُس نے قرآن پاک اوپر کر کے کہا —— "یہ قرآن مجید ہے۔ گھوڑے سے اتر اور اس کی توہین نہ کر۔ مجھے سپہ سالار کے پاس جانے دے"۔

"آپ کا احترام دل و جان سے کروں گا اے عالم!" —— محافظ نے گھوڑے سے اتر کر کہا —— "لیکن آپ کی جامہ تلاشی لئے بغیر آگے نہیں جانے دوں گا۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ یکے بعد دیگرے تین شخصیتوں کو باطنیوں نے ایسے ہی دھوکے سے قتل کر دیا ہے۔ عالم اور درویش کا بہروپ تو کوئی بھی دھار سکتا ہے"۔

"میں تجھے فرائض سے کوتاہی نہیں کرنے دوں گا" —— درویش نے کہا —— "میری جامہ تلاشی لے لے۔ پھر بھی تجھے شک ہے کہ میں سپہ سالار کو قتل کر دوں گا تو میرے ہاتھ زنجیروں میں میری پیٹھ کے پیچھے باندھ دے۔ میں نے سپہ سالار کو اللہ کا نور دکھانا ہے۔ وہ ابلیس کو تہس نہس کرنے جا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سپہ سالار کے پاس جسم کی طاقت بھی ہے اور دماغ کی طاقت بھی لیکن میں اس کی روح کو تقویت دینا چاہتا ہوں.... جا' پہلے اس سے پوچھ کہ مجھے اپنے پاس آنے دے گا بھی یا نہیں!"

سالار اوریزی نے اس وقت تک اس درویش کو اور اپنے محافظ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ عالم ہے یا درویش، جو کوئی بھی ہے اُسے ملنا چاہتا ہے۔

"انہیں آنے دو" —— سالار اوریزی نے اپنے محافظ سے کہا —— "اپنا فرض پورا کر لو"۔

فرض سے مراد یہ تھی کہ اس کی جامہ تلاشی لے لو کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ

محافظ نے درویش کے کپڑوں کے اندر اچھی طرح دیکھ لیا اور اسے سالار اوریزی کی طرف بھیج دیا لیکن خود اس کے ساتھ رہا۔ دو اور محافظ گھوڑوں سے اتر آئے اور سالار اوریزی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ محافظ اس طرح کھڑے تھے کہ ایک درویش کے بالکل پیچھے، دوسرا اُس کے ایک پہلو کی طرف اور تیسرا دوسرے پہلو کی طرف تھا۔

"میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہے" —— درویش نے قرآن، سالار اوریزی کی طرف بلند کر کے کہا —— "اگر سالار گھوڑے سے اُتر آئے تو میں بھی قرآن مجید کی بے ادبی کے گناہ سے بچ جاؤں گا۔ قرآن مجید صرف تمہارے لئے لایا ہوں"۔

سالار اوریزی گھوڑے سے اتر آیا۔ یقیناً اُسے اور اُس کے محافظوں کو یہی توقع ہو گی کہ یہ درویش یا عالم اچھی نیّت سے نہیں آیا۔ باطنیوں نے پہلے تین عمائدین کو اسی طرح قتل کیا تھا اور اب یہ سالار اوریزی کو قتل کرنے آیا ہے۔ جب اوریزی گھوڑے سے اتر کر اُس کے سامنے کھڑا ہُوا تو تینوں محافظ درویش کے اور زیادہ قریب ہو گئے اور ان کی نظریں اس کے ہاتھوں پر جم گئیں۔

"میرے لئے کیا حکم ہے اے عالم؟" —— سالار اوریزی نے پوچھا۔

"حکم دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے" —— درویش نے کہا —— "مجھے کچھ نظر آیا تھا، وہ تجھے دکھانے آ گیا۔ تیری جسمانی اور تیری دماغی قوت پر مجھے کوئی شک نہیں لیکن تیری روح کو تقویّت کے لئے کچھ دینا ہے، میں تجھے قتل کرنے نہیں آیا۔ دیکھ لے میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہے اور دوسرے ہاتھ میں عصا۔ اگر میں سپاہی ہوتا تو آج تیرے ساتھ جاتا لیکن میری زندگی کا راستہ کوئی اور ہے۔ میں نے تیری فتح کے لئے رات بھر چلّہ کاٹا ہے۔ اللہ نے کرم کیا اور مجھے روشنی کی ایک کرن دکھا دی ہے۔ وہ تیری روح میں ڈالنے آیا ہوں.... تیرا پورا نام کیا ہے؟"

"ابن ہاشم اوریزی!" —— سالار اوریزی نے جواب دیا۔

"اور تو جا کہاں رہا ہے؟" —— درویش نے پوچھا۔

"قلعہ ملاذ خان!" —— سالار اوریزی نے جھوٹ بولا۔

درویش زمین پر بیٹھ گیا۔ وہاں زمین دھول والی تھی۔ اُس نے سالار اوریزی کو بھی اشارہ کر کے بٹھا لیا۔ پھر زمین پر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے خاصا بڑا ستارہ بنایا۔ ایک خانے میں اوریزی کا پورا نام لکھا اور اس کے بالمقابل خانے میں ملاذ خان لکھا۔ اس

Scanned by iqbalm

کے بعد اُس نے قرآن مجید کھولا اور تھوڑی سی ورق گردانی کر کے ایک آیت پر انگلی رکھی اور وہ آیت بلند آواز سے پڑھی۔ قرآن مجید بند کیا' آسمان کی طرف دیکھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا اور نیچے ستارے کو دیکھا۔ اس کے تمام خانوں میں کچھ نشان سے لگائے اور پھر سالار اوریزی کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"تیرے لشکر نے پہلے دو جگہوں پر شکست کا سامنا کیا ہے" ——— درویش نے کہا۔ "اب تو فتح یاب لوٹے گا" ——— درویش نے قرآن اُسی جگہ سے کھولا جہاں سے پہلے کھولا تھا اور قرآن مجید اوریزی کے ہاتھوں میں دے کر ایک آیت پر انگلی رکھی اور کہا ——— "یہ پڑھ اور اسے زبانی یاد کر لے"۔

سالار اوریزی نے وہ آیت پڑھی اور پھر چند مرتبہ پڑھ کر کہا کہ یہ اُسے یاد ہو گئی ہے۔

"اللہ بڑا یا ابلیس؟" ——— درویش نے پوچھا۔

"اللہ!" ——— سالار اوریزی نے جواب دیا۔

"جا... اللہ تیرے ساتھ ہے" ——— درویش نے اٹھتے ہوئے کہا ——— "تُو نے کہا ہے کہ تُو قلعہ ملاذ خان جا رہا ہے۔ اب یہ خیال رکھنا کہ راستے میں کسی اور طرف کا رخ نہ کر لینا۔ قلعہ ملاذ خان کو ہی محاصرے میں لینا اور اس قلعے کے دروازے تیرے لئے کھل جائیں گے.... یہ خیال رکھنا کوئی ایک بھی آدمی زندہ نہ رہے"۔

"ایسا نہیں ہو گا اے عالم!" ——— سالار اوریزی نے کہا ——— "میں نے قلعہ ملاذ خان کا قصد کیا ہے اور وہی میری منزل ہے"۔

درویش نے قرآن مجید سالار اوریزی کے سر سے ذرا اوپر ایک چکر میں گھمایا۔

"گھوڑا تیرا منتظر ہے" ——— درویش نے کہا ——— "یہی گھوڑا تجھے فتح یاب واپس لائے گا... میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اُسی کی ذات تیری حامی و ناصر ہے"۔

سپہ سالار اوریزی گھوڑے پر سوار ہُوا۔ گھوڑا لشکر کی طرف مُڑا۔ لشکر آگے نکل گیا تھا۔ اب اس کے سامنے سے وہ گھوڑا گاڑیاں' بیل گاڑیاں اور اونٹ گزر رہے تھے جن پر لشکر کا سامان وغیرہ لدا ہُوا تھا۔ اوریزی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بڑی اچھی چال دوڑنے لگا۔ اس کے محافظ اس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ ان محافظوں کا کمانڈر اپنے گھوڑے کو سالار اوریزی کے گھوڑے کے پہلو میں لے گیا۔

"سالار محترم!" ——— کمانڈر نے پوچھا ——— "کیا ہم واقعی قلعہ ملاذ خان جا رہے ہیں؟ آپ نے ہمیں قلعہ وسم کوہ کے متعلق بتایا تھا اور یہی بتاتے رہے ہیں کہ وسم کوہ کے قلعے کی ساخت کیا ہے اور اس کے ارد گرد کیا ہے' اس کے دروازے کیسے ہیں اور ہم اس قلعے کو کس طرح سر کریں گے۔ قلعہ ملاذ خان سے تو ہمارا لشکر واقف ہی نہیں"۔

"جہاں تک اس درویش کا تعلق ہے ہم قلعہ ملاذ خان ہی جا رہے ہیں" ——— سالار اوریزی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ——— "اور جہاں تک میرا تعلق ہے' میں قلعہ وسم کوہ جا رہا ہوں"۔

محافظوں کا کمانڈر کچھ اس طرح اپنا گھوڑا پیچھے لے آیا جیسے وہ اپنے سپہ سالار کی بات سمجھ ہی نہ سکا ہو اور سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

درویش سالار اوریزی کو خدا حافظ کہہ کر واپس چلا گیا اور اُس نے اپنی چال میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ وہ شہر میں داخل ہُوا اور پھر ایک گلی میں گیا اور ایک مکان کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر چار پانچ جواں سال آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

"وہ آ گیا" ——— ایک آدمی نے کہا پھر درویش سے پوچھا ——— "کیا خبر لائے؟"

"ملاذ خان ہی جا رہا ہے" ——— درویش نے بیٹھتے ہوئے کہا ——— "تصدیق کر آیا ہوں۔ اب ایک آدمی فوراً چل پڑے اور جس قدر جلدی ہو سکے قلعہ الموت پہنچے اور شیخ الجبل کو بتائے کہ سالار اوریزی اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ ملاذ خان کو ہی کوچ کر گیا ہے۔ شیخ الجبل نے حکم دیا تھا کہ آخری اطلاع اسے بہت جلدی ملنی چاہیے"۔

"میں تیار ہوں" ——— ایک جواں سال آدمی نے اٹھ کر کہا ——— "گھوڑا بھی تیار ہے' میں تمہارے انتظار میں تھا.... کوئی اور اطلاع؟"

"اور کچھ نہیں!" ——— درویش نے کہا۔

وہ جواں سال آدمی بڑی تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ اس کا گھوڑا تیار تھا۔ وہ کود کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور نکل گیا۔

اُس وقت عام خیال یہ تھا کہ اس شہر میں کسی باطنی کو زندہ نہیں رہنے دیا گیا لیکن حسن بن صباح کا بھیجا ہُوا یہ گروہ زندہ و سلامت تھا اور پوری طرح سرگرم تھا۔ انہوں نے اپنے اوپر ایسا دبیز پردہ ڈال رکھا تھا کہ ان پر کسی کو شک ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ سالار اوریزی کی گہری نظر تھی جس نے اس درویش کی اصلیت بھانپ لی تھی ورنہ وہ کون

Scanned by iqbalmt

مسلمان ہے جو قرآن سے متاثر نہیں ہوتے۔ سالار اوریزی نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ یہ درویش اُس کے پاس آگیا تھا۔ شکر اس لئے ادا کیا کہ حسن بن صباح کو مصدقہ اطلاع مل جائے گی کہ یہ لشکر قلعہ ملاذخان کو ہی جا رہا ہے۔

"راستے میں صرف ایک پڑاؤ ہو گا" — سالار اوریزی نے اپنے نائبین کو حکم دیا — "یہ پڑاؤ بھی ایک آدھ گھڑی کے لئے ہو گا' پوری رات کے لئے نہیں۔ باقی رات کوچ میں گزرے گی اور ہمیں بہت ہی جلدی وسم کوہ پہنچنا ہے"۔

○

مزمّل آفندی اور بن یونس زخمی حالت میں سلطان کے محل کے ایک کمرے میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی جانیں تو بچ گئی تھیں لیکن زخم زیادہ تھے اور خون اتنا بہہ گیا تھا کہ ان کا زندہ رہنا ایک معجزہ تھا۔ گو خطرہ ٹل گیا تھا لیکن ابھی تک دونوں بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں ہوئے تھے۔ اچانک شمونہ بڑی ہی تیزی سے دوڑتی ہوئی ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"مزمّل!" — شمونہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا — "وزیر اعظم عبدالرحمان سمیری بھی قتل ہو گئے ہیں.... لاش لائی جا رہی ہے"۔

مزمّل اور بن یونس ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھے اور اس کے ساتھ ہی دونوں کی کربناک آہیں نکل گئیں اور وہ پھر لیٹ گئے۔ اس خبر پر تو وہ اٹھ کر باہر نکل جانا چاہتے تھے لیکن زخموں نے انہیں بیٹھنے بھی نہ دیا اور وہ یوں لیٹ گئے جیسے گھائل ہو کر گر پڑے ہوں۔ ان دونوں نے شمونہ سے پوچھنا شروع کر دیا کہ سمیری کہاں قتل ہُوا ہے؟ کس طرح قتل ہُوا ہے؟ کس نے قتل کیا ہے؟.... شمونہ نے انہیں تفصیل سنائی۔

"اب میں اس شہر میں نہیں رہوں گی" — شمونہ نے غصے اور جذبات کی شدت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "میں قلعہ اَلمُوت جاؤں گی اور حسن بن صباح کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گی۔ تم دونوں کو اب گھروں میں بیٹھی ہوئی عورتوں کی طرح رونا نہیں چاہئے" — شمونہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا — "اب ہمیں کچھ کرنا پڑے گا۔ سالار اوریزی ایک لشکر لے کر قلعہ وسم کوہ کا محاصرہ کرنے چلے گئے ہیں لیکن میں کہتی ہوں کہ ایک قلعہ سر کر لینے سے کیا حاصل ہو گا؟ ہو سکتا ہے یہ قلعہ سر نہ ہی ہو سکے۔ پہلے ہمارے لشکر شکست کھا کر آ چکے ہیں"۔

"ہم سمیری کی شہادت پر آنسو نہیں بہا رہے شمونہ!" — مزمّل نے کہا — "اپنی اس حالت پر رو رہے ہیں کہ جب ہمیں میدان میں ہونا چاہئے تھا ہم یہاں اس قابل بھی نہیں کہ اپنا وزن بھی سہار سکیں.... اور تم اتنی زیادہ جذباتی نہ ہو جاؤ کہ عقل سے کام لینا بھی چھوڑ دو۔ کیا میں نے تمہارے ساتھ عہد نہیں کر رکھا کہ ہم نے حسن بن صباح کو قتل کرنا ہے"۔

"ہمیں اتنا سا ٹھیک ہونے دو کہ چل پھر سکیں" — بن یونس نے کہا — "حسن بن صباح ہمارے ہاتھوں مرے گا"۔

شمونہ ان کے پاس بیٹھ گئی اور وہ بہت دیر یہی منصوبے بناتے رہے کہ حسن بن صباح کو کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے۔

"تم دونوں نے دیکھ لیا ہے" — شمونہ نے کہا — "باطنی اور حسن بن صباح کے فدائی زمین کے اوپر نہیں زمین کے نیچے ملتے ہیں۔ وہ میدان میں لڑنے والے لوگ نہیں بلکہ دوسروں کو میدان میں لا کر ایک دوسرے سے لڑا سکتے ہیں اور انہوں نے یہ کام کر دکھایا۔ میں حسن بن صباح کے پاس رہی ہوں۔ مزمّل بھی ان کے ہاں رہ چکا ہے لیکن جو میں جانتی ہوں وہ مزمّل' تم بھی نہیں جانتے۔ ہمیں زمین کے نیچے نیچے سے حسن بن صباح تک پہنچنا ہے"۔

یہ باتیں تھیں' ان باتوں میں ایک عزم تھا' عہد تھا اور یہ اُن کا ایمان تھا لیکن اس وقت حقیقت یہ تھی کہ حسن بن صباح کا فرقہ آکاس بیل کی طرح پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اسلام کا ہرا بھرا شجر سُوکھ جائے گا اور اس کی نشوونما رُک جائے گی۔ سلطان کے محل کی سرگوشیاں بھی قلعہ اَلمُوت میں حسن بن صباح کو سنائی دیتی تھیں۔

حسن بن صباح کو جب یہ مصدقہ اطلاع ملی کہ سالار اوریزی اپنے لشکر کو قلعہ ملاذخان کے محاصرے کے لئے لے گیا ہے اُس وقت سالار اوریزی قلعہ وسم کوہ کو محاصرے میں لے چکا تھا۔ حسن بن صباح اس اطلاع پر ذرا سا بھی پریشان نہیں ہُوا تھا۔ اُس نے قلعہ ملاذخان کے دفاع کا انتظام پہلے ہی اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ سالار اوریزی جتنا لشکر اپنے ساتھ لے گیا تھا اس سے دُگنا لشکر بھی قلعہ ملاذخان کو فتح نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے وہاں اپنے ایک ہزار جانباز بھیج دیئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے قلعہ ملاذخان سے کچھ دور دو تین جگہوں پر گھات کا بندوبست بھی کر دیا تھا۔

Scanned by iqbalmt

سالار اوریزی کو توقع تھی کہ وہ قلعہ وسم کوہ کو بڑی آسانی سے لے لے گا لیکن اس نے جب محاصرہ کیا تو قلعے کی دیواروں پر ہزاروں انسانوں کا ہجوم نظر آنے لگا۔ اس ہجوم نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ سالار اوریزی اپنے لشکر کو پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو گیا اور قلعہ توڑنے کے منصوبے سوچنے لگا۔ وہ اتنا جان گیا کہ یہ قلعہ آسانی سے نہیں لیا جا سکے گا اور محاصرہ طول کھینچے گا۔

مستند تاریخوں میں آیا ہے کہ حسن بن صباح کا انداز ایسا تھا جیسے اسے کوئی غم نہیں کہ کوئی قلعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اُس نے اپنے خاص آدمیوں سے کہا کہ اپنے دشمن کے مذہبی اور معاشرتی سربراہوں کو ختم کر دو۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اسے یہ توقع ذرا کم ہی تھی کہ اس کے فدائی اُبو مسلم رازی اور وزیرِ اعظم عبدالرحمان سمیری جیسے اہم ترین سربراہوں کو اتنی آسانی سے قتل کر دیں گے۔ فدائیوں نے یہ کارنامہ کر دکھایا تو حسن بن صباح نے حکم دیا کہ یہی کام جاری رکھو اور دشمن کے کسی بھی حکمران کو اور کسی عالمِ دین کو زندہ نہ رہنے دو..... حسن بن صباح اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا لیکن وہ جب دشمن کا لفظ استعمال کرتا تھا تو اس سے اس کی مُراد مسلمان ہی ہوتی تھی۔ وہ کسی کے قتل کا حکم دیتا تو اس انداز سے بولتا تھا جیسے اس کی زبان سے خدا بول رہا ہو۔ اس کے پیروکار مان گئے تھے کہ اُس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اُسے ہر حکم خدا کی طرف سے ملتا ہے۔

ابو مسلم رازی، ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی اور عبدالرحمان سمیری کے قتل کے فوراً بعد جو اہم ترین شخصیتیں باطنیوں کے ہاتھوں قتل ہوئیں اگر داستان گو ہر قتل کو تفصیل سے بیان کرنے لگے تو یوں نظر آئے گا کہ جیسے ایک ہی واردات ایک ہی جیسے الفاظ میں دوہرائی جا رہی ہے۔ باطنیوں کا طریقہ قتل ایک ہی جیسا تھا۔ یہ وہی طریقہ تھا جس سے ابو مسلم رازی اور دوسرے سربراہوں کو قتل کیا گیا تھا۔ مشہور و معروف تاریخ نویس ابنِ جوزی نے لکھا کہ چند دنوں میں ہی حسن بن صباح کے فدائیوں نے حاکم دیار بقرا اتابک مودود کو قتل کیا اور اس کے فوراً بعد ابو جعفر، شافعی رازی، ابو عبید مستوفی، ابوالقاسم کرخی اور ابوالفرج قراتکین کو قتل کیا۔ کچھ دنوں کا وقفہ آیا اور پھر ابلیس کے فدائیوں نے قاضی کرمان، امیر بلکابک سرامر اصفہانی اور قاضی عبداللہ اصفہانی کو قتل کیا۔ قتل کی ہر واردات میں طریقہ قتل ایک ہی استعمال کیا گیا۔ وہ اس طرح کہ فدائی بھیس بدل کر کسی بہانے مقتول تک رسائی حاصل کرتا اور اچانک خنجر نکال کر اسے قتل کر دیتا۔

بیشتر اس کے کہ اُسے پکڑا جاتا وہ خودکشی کر لیتا۔

اس کے بعد باطنی فدائیوں نے ایک طریقہ اور اختیار کیا۔ دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح کے فدائیوں نے سلجوقی فوج کے سالاروں اور نائب سالاروں کو یوں وارننگ دی کہ ان کے گھروں میں رُقعے پھینک دیئے جن پر تحریر تھا کہ شیخ الجبل امام حسن بن صباح کی اطاعت قبول کر کے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لو ورنہ تمہارا حشر وہی ہو گا جو پہلے کچھ حاکموں، امیروں اور علماء دین کا کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی سالار یا ماتحت کماندار نے حسن بن صباح کی اطاعت قبول نہیں کرنی تھی۔ ان سب نے یہ تحریریں جو ان کے گھروں میں پھینکی گئی تھیں، سلطان برکیارق کو دکھائیں۔

"ان ابلیسوں کی دھمکیوں کو کھوکھلے الفاظ نہ سمجھنا" —— سلطان برکیارق نے سالاروں سے کہا —— "ایک احتیاط یہ کرو کہ کوئی سالار اکیلا کہیں بھی نہ جائے۔ اس کے ساتھ تین چار محافظ ہونے چاہئیں۔ رات کو اپنے گھروں کے گرد پہرے کھڑے کر دو۔ اپنے آپ کو کسی بھی وقت غیر مسلح نہ رکھو..... دوسرا طریقہ یہ ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ کہ ہم ان کے قلعوں پر قبضہ کریں گے۔ تم جانتے ہو کہ سالار اوریزی وسم کوہ کو گیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے باطنیوں کا جو قتلِ عام کروایا ہے، وہ کافی نہیں یہ تحریریں جو تم سب تک پہنچائی گئی ہیں، ثبوت ہیں کہ باطنی یہاں موجود ہیں اور زمین کے نیچے نیچے پوری طرح سرگرم ہیں۔ میرے مخبر اپنا کام کر رہے ہیں، تم اپنے مخبروں کو سرگرم کر دو"۔

تاریخوں میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ تمام سالاروں، ان کے نائبین اور اہم قسم کے ماتحت کمانداروں نے اپنے آپ کو رات کے وقت بھی مسلح رکھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے گھروں پر پہریدار مقرر کر دیئے جو رات بھر مکانوں کے اِرد گِرد گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ سالاروں نے اپنے مخبر سارے شہر میں پھیلا دیئے تھے۔

پچھلے کسی باب میں ایک سپہ سالار ابو جعفر حجازی کا تفصیلی ذکر آیا ہے۔ مقتولین کی مندرجہ بالا فہرست میں بھی ایک ابو جعفر کا نام شامل ہے۔ یہ ابو جعفر کوئی عالمِ دین تھا اور حسن بن صباح کے خلاف عملی طور پر سرگرم رہتا تھا۔ ایک فدائی نے اس کا مرید بن کر اسے قتل کر دیا تھا۔ اب داستان گو جس ابو جعفر حجازی کا ذکر کر رہا ہے، یہ سلطان کی فوج کا یعنی سلطنتِ سلجوقیہ کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ سلطان برکیارق

Scanned by iqbalmt

کا خوشامدی تھا اور اس کا ہر غلط حکم بھی بسرو چشم مانتا اور اس کی تعمیل کرتا تھا۔ سالار اوریزی کے ساتھ تو اس کی خاص دشمنی تھی اور اوریزی کو اُس نے گرفتار تک کر لیا تھا۔ یہ ساری تفصیل پہلے ابواب میں بیان ہو چکی ہے۔

سلطان برکیارق کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے روشنی دکھائی اور وہ راہ راست پر آگیا تو اس نے وہ اہمیت جو وہ کبھی سپہ سالار حجازی کو دیا کرتا تھا' سالار اوریزی کو دینی شروع کر دی تھی۔

"سلطانِ محترم!" —— ایک روز خانہ جنگی کے کچھ دن بعد سپہ سالار حجازی سلطان برکیارق کے ہاں گیا اور کہا —— "گستاخی کی معافی پہلے ہی مانگ لیتا ہوں' ایک بات جو دل میں کھٹک رہی ہے' وہ ضرور کہوں گا.... ایک وقت تھا کہ آپ چھوٹی سے چھوٹی بات سے لے کر سلطنت کے بڑے سے بڑے مسئلے کے بارے میں میرے ساتھ بات کرتے اور میرے مشورے طلب کیا کرتے تھے مگر میں اب وہ وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے مجھے بالکل ہی نظرانداز کر دیا ہے اور یوں پتہ چلتا ہے کہ سالار اوریزی نہ ہُوا تو سلطنتِ سلجوقیہ کی بنیادیں ہل جائیں گی"۔

"محترم ابو جعفر!" —— سلطان برکیارق نے کہا —— "آپ میرے والد مرحوم کے وقتوں کے سالار ہیں۔ میرے دل میں آپ کا درجہ روحانی باپ جیسا ہے۔ آپ کا شکوہ بجا ہے کہ میں اب آپ کو وہ قدر و منزلت نہیں دیتا جو کسی وقت دیا کرتا تھا۔ آپ نے دل کی بات کہی ہے اور صاف صاف کہی ہے اور یہ بات مجھے پسند ہے۔ ایسے ہی میں دل کی گہرائیوں سے بات نکالوں گا اور آپ سے کروں گا.... آپ جس وقت کی بات کرتے ہیں' اُس وقت میں گمراہ ہو گیا تھا یا گمراہ کر دیا گیا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ ایک حسین و جمیل اور پُرکشش لڑکی نے مجھ پر اپنے حسن و جوانی کا جادو اور حشیش کا نشہ طاری کر دیا تھا۔ اُس وقت آپ نے مجھے جھنجھوڑا نہیں' بیدار نہیں کیا بلکہ میری خوشامد کی اور میرا ہر وہ حکم بھی بسرو چشم مانا جو سلطنت کے مفاد کے خلاف تھا۔ اللہ نے مجھے اور میری روحانی قوتوں کو بیدار کر دیا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ سیاہ اور وہ سفید ہے' یہ غلط اور وہ صحیح ہے اور اُس وقت مجھے پتہ چلا کہ مجھے گمراہ کئے رکھنے میں آپ کا بھی ہاتھ ہے۔ میرے دل میں اگر آپ کا احترام نہ ہوتا تو میں کبھی کا آپ کو جلاد کے حوالے کر چکا ہوتا۔ میں آپ سے توقع رکھوں گا کہ میرے دل میں آپ اپنا یہ احترام قائم رکھنے کی کوشش کریں گے۔ میں آپ

کو صرف ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں جو آپ فوراً سمجھ جائیں گے۔ وہ یہ ہے کہ دل میں خوشنودی اللہ کی رکھیں' اپنے حاکم کی یا اپنے سلطان کی نہیں۔ کیا آپ نے یہ حدیث مبارکہ نہیں سنی کہ بہترین جہاد جابر سلطان کے منہ پر کلمۂ حق کہنا ہے' مگر آپ نے جابر سلطان کو خوش رکھنے کے جتن کئے اور اللہ کی ذاتِ باری کو نظرانداز کئے رکھا.... یہ گناہ تھا میرے بزرگوار!"

"کیا آپ میرے بدلے ہوئے کردار کو قبول کریں گے؟" —— سپہ سالار ابو جعفر حجازی نے کہا —— "میں آپ کا یہ الزام تسلیم کرتا ہوں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ پر کوئی سا جادو چلایا جا رہا تھا لیکن یہ میری لغزش تھی یا گناہ تھا کہ میں نے آنکھیں بند کئے رکھیں اور آپ کی خوشامد میں لگا رہا' لیکن سلطانِ محترم! اس خانہ جنگی نے اور خون کے اس دریا نے جو ہم لوگوں نے ایک دوسرے کا بہایا ہے' میری روح کو اسی طرح بیدار کر دیا ہے جس طرح آپ کی روح بیدار ہوئی ہے۔ مجھے موقع دیں' میں اب آپ کو نہیں اللہ کی ذاتِ باری کو راضی کروں گا"۔

اس کے بعد سپہ سالار حجازی نے جیسے عہد کر لیا ہو کہ وہ کسی باطنی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ باطنیوں کا جو قتلِ عام کیا گیا تھا' اس میں سپہ سالار حجازی کا خاصا ہاتھ تھا۔ اس میں قومی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔

○

ابو جعفر حجازی سپہ سالار تھا اور وہ جس مکان میں رہتا تھا وہ چھوٹا سا ایک محل تھا۔ وہاں دو تین نوکر تھے' ایک ملازمہ تھی اور دو یا تین سائیس تھے۔ حجازی نے بھی اپنی حفاظت کے انتظامات بڑے سخت کر دیئے تھے اور رات کے وقت دو چوکیدار اس کے مکان کے اِردگِرد گشت کرتے رہتے تھے۔ اُس نے فوج کے تربیت یافتہ مخبروں کو سارے شہر میں پھیلا رکھا تھا اور انہیں سختی سے کہہ رکھا تھا کہ زمین کے نیچے سے بھی باطنیوں کو نکال کر لاؤ اور میرے سامنے کھڑے کر دو۔ اُس نے کئی ایک باطنیوں کو اپنے سامنے قتل کرا لیا تھا لیکن باطنی جو بچ گئے وہ زمین کے نیچے چلے گئے تھے۔ حجازی اب انہیں زمین کے نیچے سے نکالنے کے لئے سرگرم ہو گیا تھا۔

ایک روز اُس کا ایک مخبر اس کے پاس آیا اور بتایا کہ اس کے سائیسوں میں ایک سائیس مشکوک ہے۔ اس مخبر کو تین آدمیوں نے بتایا تھا کہ یہ سائیس باطنی معلوم ہوتا

Scanned by iqbalmt

ہے۔ ان آدمیوں نے اس کے متعلق کچھ اور باتیں بھی بتائی تھیں۔ وہاں یہ عالم تھا کہ زیادہ گہرائی سے تحقیقات کی ہی نہیں جاتی تھیں۔ بہت سے آدمی تو محض شک میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ سپہ سالار حجازی نے اپنے اس مخبر سے کہا کہ اس سائیس کے متعلق کچھ اور شہادت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ ہی حجازی نے اپنے ذاتی اصطبل کے دو سائیسوں کو بلا کر کہا کہ وہ اس سائیس پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ وہ جب گھر جاتا ہے تو اس کے گھر کے اندر کیا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بھی معلوم کیا جائے کہ اس کے گھر کا ماحول کیسا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا سارا کنبہ باطنی ہو۔ یہ سائیس حجازی کا ذاتی سائیس تھا۔ اُس کے اصطبل میں چھ سات گھوڑے تھے جن میں ایک گھوڑا اسے بہت ہی پسند تھا اور وہ عموماً اس پر ہی سواری کیا کرتا تھا۔ وہ سائیس اس گھوڑے پر مقرر تھا اور اس پر حجازی کو پورا پورا بھروسہ تھا۔ وہ تجربہ کار سائیس تھا۔ اس سائیس کا باطنی ہونا کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ وہاں تو کوئی بھی شخص باطنی ہو سکتا تھا۔ حسن بن صباح کا طلسم دُور دُور تک اور کونوں کھدروں تک بھی پہنچ گیا تھا۔

حجازی اصطبل میں اتنا زیادہ نہیں جایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی جا نکلتا اور گھوڑوں کو دیکھ کر واپس آ جاتا تھا۔ اُس نے اپنی حفاظت کا اتنا سخت انتظام کر رکھا تھا کہ وہ اصطبل تک جاتا تو بھی اُس کے ساتھ دو محافظ ہوتے تھے۔ باہر نکلتا تو کئی محافظ اس کے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں اس کے ساتھ چلتے تھے۔ کوئی اجنبی اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ اسے قتل کرنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ ان حالات میں جب اسے یہ اطلاع دی گئی کہ اس کا ذاتی سائیس باطنی ہے اور وہ کسی بھی وقت وار کر سکتا ہے، وہ چوکس ہو گیا۔ اس نے اپنی حفاظت کے جو انتظامات کئے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ گھر کا کوئی ملازم اور سائیس اپنے پاس کوئی ہتھیار نہیں رکھ سکتا بلکہ چھوٹا سا ایک چاقو بھی رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

سائیس جب صبح اصطبل میں آتے تھے تو پہنے ہوئے کپڑے اتار کر کام والے کپڑے پہن لیا کرتے تھے۔ ایک روز سپہ سالار حجازی تیار ہو کر باہر نکلا ہی تھا کہ ایک آدمی دوڑا آیا۔ وہ اس کے گھر کا ہی ایک خاص ملازم تھا بلکہ معتمد خاص تھا۔ اس نے حجازی کو بتایا کہ اس کا ذاتی سائیس آج پکڑا گیا ہے۔ بتایا یہ گیا کہ وہ اپنے کپڑے اتار کر

الگ رکھ رہا تھا تو ایک سائیس نے اس کے کپڑوں میں خنجر دیکھ لیا۔

"محترم سپہ سالار!" — اس معتمد ملازم نے کہا — "اسے ابھی پتہ نہیں چلنے دیا گیا کہ اس کا خنجر دیکھ لیا گیا ہے۔ آپ خود چل کر دیکھیں"۔

سپہ سالار ابو جعفر حجازی اُسی وقت ملازم کے ساتھ چل پڑا۔ اصطبل میں جا کر اس نے اپنے سائیس کو بلایا اور اسے کہا کہ اپنا خنجر اس کے حوالے کر دے۔

"خنجر؟" — سائیس نے حیرت زدگی کی کیفیت میں پوچھا — "محترم سپہ سالار! کون سا خنجر؟ کیسا خنجر؟"

"وہ خنجر جو تم نے اپنے کپڑوں میں چھپا رکھا ہے" — حجازی نے کہا — "خود ہی وہ خنجر لے آؤ"۔

"میں آپ کا بڑا ہی پرانا خادم ہوں سپہ سالار!" — سائیس نے کہا — "آپ کا حکم ہے کہ کوئی سائیس یا دوسرا ملازم اپنے پاس کوئی ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ مجھے اپنے پاس خنجر رکھنے کی کیا ضرورت تھی.... اگر آپ کو شک ہے تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میرے کپڑے کہاں رکھے ہیں، خود چل کر دیکھ لیں"۔

سپہ سالار حجازی اُس کے ساتھ چل پڑا۔ سائیس نے اپنے کپڑے اُس کمرے میں رکھے ہوئے تھے جہاں باقی سائیس اپنے کپڑے اتار کر رکھتے اور کام والے کپڑے پہنتے تھے۔ سائیس نے اپنے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اس کے کپڑے پڑے ہیں، دیکھ لئے جائیں۔

حجازی خود گیا اور اس کے کپڑے اٹھائے تو ان میں سے ایک خنجر نکلا۔ حجازی نے خنجر نیام سے نکال کر دیکھا۔ اُس نے حسن بن صباح کے فدائین کے خنجر دیکھے تھے۔ غالباً ان پر کوئی نشان ہوتا ہو گا جو حجازی نے دیکھ لیا۔ اس سے اسے یقین ہو گیا کہ اُس کا سائیس باطنی ہے اور آج وہ اسے قتل کرنے کے لئے خنجر لایا تھا۔

سائیس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا کہ یہ خنجر اس کا نہیں نہ وہ اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کسی دشمن نے یہ خنجر اس کے کپڑوں میں رکھ دیا ہے۔

"یہاں تمہارا دشمن کون ہو سکتا ہے؟" — حجازی کے ایک محافظ نے اس سے پوچھا — "کیا تم اپنا کوئی دشمن دکھا سکتے ہو؟"

سائیس نے اب رونا شروع کر دیا تھا اور وہ حجازی کے قدموں میں گر پڑا اور اس

Scanned by iqbalm

کے پَیروں پر ماتھا رگڑنے لگا۔ وہ رو رو کر کہتا تھا کہ یہ خنجر اُس کا نہیں لیکن حجازی اُسے بخشنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔

حجازی نے خنجر اپنے ایک محافظ کو دیا اور اشارہ کیا۔ محافظ اشارہ سمجھ گیا۔ وہ سائیس کی طرف بڑھا۔ سائیس کے چہرے پر خوف و ہراس کے تاثرات نمودار ہوئے اور اُس کی آنکھیں اور زیادہ کھل گئیں۔ محافظ نے دو تین قدم تیزی سے اٹھائے اور یکے بعد دیگرے سائیس کے سینے میں خنجر کے دو وار کئے۔ سائیس گرا اور ذرا سی دیر بعد اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ حجازی نے کہا کہ اس کی لاش شہر سے دور جنگل میں پھینک دی جائے۔

دو دن گزرے ہوں گے کہ سپہ سالار حجازی کو اطلاع دی گئی کہ ایک آدمی اسے ملنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تجربہ کار سائیس ہے اور کچھ عرصہ فوج میں گھوڑ سوار کی حیثیت سے ملازمت بھی کر چکا ہے۔ حجازی کو ایک سائیس کی ضرورت تھی اس لئے اُس نے اس آدمی کو بلا لیا۔ محافظوں نے اس آدمی کی جامہ تلاشی اچھی طرح کی اور حجازی کے پاس لے گئے۔ حجازی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کتنا کچھ تجربہ رکھتا ہے۔

اس شخص نے حجازی کو بتایا کہ وہ فوج میں گھوڑ سوار کی حیثیت سے ملازمت کر چکا ہے اور اُس نے دو لڑائیاں بھی لڑی تھیں۔ اُس نے اپنے جسم پر تلواروں کے زخموں کے دو نشان دکھائے اور کہا کہ ان زخموں کی وجہ سے وہ فوج کے قابل نہیں رہا تھا لیکن سائیس کا کام خوش اسلوبی سے کر سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ اُس شخص نے حجازی کو قائل اور متاثر کر لیا اور حجازی نے حکم دے دیا کہ اسے اصطبل میں رکھ لیا جائے۔

اس نئے سائیس نے اتنا اچھا رویّہ اختیار کیا کہ اصطبل کے دوسرے سائیس اس کی تعریفیں کرنے لگے۔ وہ خوش طبع، خوش اخلاق اور حلیم قسم کا آدمی تھا۔ ہر کسی کے ساتھ پیار سے بات کرتا تھا اور اپنے کام میں تو وہ بہت ہی ماہر تھا۔

دو تین دنوں بعد سپہ سالار حجازی اصطبل میں گھوڑے دیکھنے کے لئے گیا۔ اُس نے اپنا وہ گھوڑا دیکھا جو اس کا منظورِ نظر تھا۔ سائیس نے اس گھوڑے کی دیکھ بھال بڑی محنت سے کی تھی۔ حجازی نے اس گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ نیا سائیس اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور اس گھوڑے کی صفات بیان کرنے لگا۔ اچانک سائیس نے اپنے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالا اور پیشتر اس کے کہ حجازی کے دونوں محافظ اُس تک پہنچتے اُس کا

خنجر حجازی کے دل میں اُتر چکا تھا۔

سائیس محافظوں سے بچنے کے لئے دوڑ کر گھوڑے کی دوسری طرف ہو گیا اور خون آلود خنجر اپنے دل میں اتار لیا۔ تب پتہ چلا کہ یہ تو باطنی تھا۔

مَرو شہر کا وہی مکان تھا جس میں وہ درویش داخل ہُوا تھا جس نے سالار اوریزی کو قرآن مجید کھول کر ایک آیت پڑھائی اور کہا تھا کہ یہ یاد رکھنا اور اس کا وِرد کرتے ہوئے جانا، فتح تمہاری ہو گی۔ اس مکان کے اندر وہی درویش اپنے تین چار ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہُوا تھا کہ باہر والا دروازہ بڑی زور سے کھلا اور اُن کا ایک ساتھی دوڑتا ہُوا کمرے میں داخل ہوا۔

"لو بھائیو!" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "کام ہو گیا ہے۔ ہمارے فدائی نے سپہ سالار ابو جعفر حجازی کو قتل کر کے اپنے آپ کو بھی مار لیا ہے"۔

پہلے سائیس کو مروانے والے باطنی ہی تھے۔ اس سائیس کے کپڑوں میں خنجر باطنیوں نے ہی رکھوایا تھا اور پھر دوسرا سائیس صرف باطنی ہی نہیں بلکہ فدائی تھا۔

یہ ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ تاریخوں میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں۔ مَرو کے معاشرے میں کئی سرکردہ افراد تھے جو باطنیوں کے خلاف سرگرم ہو گئے تھے۔ انہیں قتل کرنا ضروری تھا لیکن ان سب نے اپنی حفاظت کے انتظامات کر لئے تھے اور وہ جہاں بھی جاتے ان کے ساتھ محافظ ہوتے تھے۔ اس صورتِ حال میں انہیں قتل کرنا آسان نہیں تھا۔ ان کے قتل کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا جو حجازی کو قتل کرنے کے لئے آزمایا گیا تھا۔ کوئی فدائی کسی سرکردہ آدمی کے ہاں مظلوم اور غریب بن کر ملازمت حاصل کر لیتا اور موقع پا کر اپنے شکار کو قتل کر دیتا تھا۔ دیہی علاقوں میں قبیلوں کے سردار تھے جو حسن بن صباح کی اطاعت قبول نہیں کرتے تھے نہ اپنے قبیلے کے کسی شخص کو ایسی اجازت دیتے تھے۔ کسی پر شک ہو جاتا کہ اس کا ذہنی رجحان باطنیوں کی طرف ہو رہا ہے تو قبیلے کا سردار اسے قتل کروا دیتا تھا۔ ان سرداروں نے بھی اپنے ساتھ محافظ رکھے لئے تھے۔ انہیں قتل کرنے کا بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔

○

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ حسن بن صباح اصفہان کو اپنا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ تاریخوں کے مطابق، اس نے اپنے بے شمار فدائی اور دیگر پیروکار اصفہان بھیج دیئے تھے۔ حسن بن

Scanned by iqbalmt

صباح نے اصفہان میں مسلمانوں کو قتل کرنے کا ایک اور طریقہ اپنے فدائین کو بتایا۔ ...ں اس نے دیکھ لیا تھا کہ ایک مسلمان قتل ہوتا تھا تو اس کے بدلے تین باطنیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ حسن بن صباح نے اپنے فدائین کو یوں سمجھایا کہ وہ ایک ایک مسلمانوں کو ایسے قتل کریں کہ ان کی لاشیں نہ ملیں اور پتہ ہی نہ چلے کہ وہ قتل ہو گئے ہیں۔

اصفہان کے ایک حصے میں مکان بہت ہی پرانے تھے جن میں کافی لوگ رہتے تھے گلیاں تنگ تھیں اور مکانوں کی دیواریں اور چھتیں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ ایک گلی کے سرے پر ایک اندھا کھڑا نظر آنے لگا۔ وہ اپنے قریب سے گزرتے کسی آدمی کی آہٹ پا سنتا تو اُسے روک لیتا اور کہتا کہ اللہ کے نام پر اسے اس گلی میں ایک جگہ تک پہنچا دے۔ وہ آدمی اسے اندھا سمجھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیتا اور آگے آگے چل پڑتا۔ اندھا اسے کہتا کہ آگے ایک گلی دائیں کو مڑتی ہے، اسے اس گلی کے ایک مکان تک پہنچا دیں۔

یوں وہ شخص اس اندھے کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس گلی کے وسط تک جاتا، ایک مکان سے دو تین آدمی نکلتے اور اس آدمی کو پکڑ کر مکان کے اندر لے جاتے اور اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالتے۔ وہ شخص اندھا نہیں ہوتا تھا۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے آدمیوں کو دیکھ سکتا تھا اور پہچان لیتا کہ یہ باطنی نہیں مسلمان ہے۔ اس طرح ایک آدمی کو مروا کر وہ کہیں اور چلا جاتا اور اسی طرح کسی اور آدمی کو اپنا ہاتھ پکڑوا کر اس کے پیچھے چل پڑتا۔ اس کے بعد وہ آدمی کسی کو نظر نہ آتا۔

ایک مہینے میں بے شمار مسلمان لاپتہ ہو گئے اور شہر بھر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ کسی گھر کا کوئی آدمی شام تک واپس گھر نہیں پہنچتا تھا تو وہاں صفِ ماتم بچھ جاتی تھی۔ اس کے گھر والے یہ سمجھ لیتے کہ وہ غائب ہو گیا ہے لیکن اس سوال کا جواب کہیں سے نہیں مل رہا تھا کہ یہ اتنے زیادہ آدمی کہاں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ اُس زمانے میں بھی روحانی عامل، قیافہ شناس اور نجومی موجود تھے۔ لوگ ان سے پوچھتے تھے کہ وہ اپنے علم کے ذریعے معلوم کریں کہ کیا ان لوگوں کو جنات اٹھا کر لے گئے ہیں یا وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ روحانی عاملوں کو کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ صرف ایک عامل نے بتایا کہ جتنے آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں لیکن وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکا کہ وہ آدمی موت تک کس طرح پہنچے اور موت کی آغوش میں انہیں

کون لے گیا تھا۔

ایک روز ایک اندھا ایسے ہی ایک آدمی کو روک کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ آدمی بھی اس دھوکے میں آگیا تھا کہ یہ اندھا بے چارہ مجبور ہے اس لئے اسے اس کے ٹھکانے تک پہنچانا کارِ ثواب ہے۔ اس کے بعد یہ آدمی کسی کو نظر نہیں آیا لیکن ایک بات یوں ہوئی کہ ایک آدمی نے اسے اس اندھے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک گلی کے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُس نے کئی لوگوں کو بتایا کہ گم ہونے والے شخص کو ایک اندھا اپنی راہنمائی کے لئے ایک گلی کے اندر لے گیا تھا۔

اُسی روز یا اگلے روز اس آدمی نے جس نے اُس بد قسمت آدمی کو اندھے کے ساتھ دیکھا تھا، تین چار آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور انہیں ایک جگہ چھپا کر اکیلا آگے گیا اور اندھے کے قریب سے گزرا۔ اندھے نے اسے روک لیا اور کہا کہ وہ اس گلی میں جانا چاہتا ہے لیکن وہ خود راستہ نہیں دیکھ سکتا، اللہ کے نام پر اسے اس کے گھر تک پہنچا دیا جائے۔ اس شخص نے اس کا بازو پکڑ لیا اور گلی میں داخل ہو گیا۔ اُس کے جو ساتھی پیچھے چھپے ہوئے تھے، وہ دیکھ رہے تھے۔ جب اندھا اس آدمی کے ساتھ گلی کے اندر چلا گیا تو یہ سب آدمی اس گلی تک آ گئے اور گلی میں اُس وقت داخل ہوئے جب اندھا اس آدمی کو یہ کہہ رہا تھا کہ دائیں طرف والی گلی میں جانا ہے۔ وہ شخص اُسے اس گلی میں لے گیا۔

اس شخص کے ساتھی دبے پاؤں وہاں تک پہنچ گئے جہاں سے گلی دائیں کو مُڑتی تھی۔ جب اندھا اس مکان تک پہنچا تو رک گیا۔ اندر سے تین آدمی نکلے اور اس شخص کو پکڑ لیا۔ اس کے چھپے ہوئے ساتھی تلواریں نکال کر دوڑتے ہوئے پہنچے اور ان آدمیوں کو تلواروں پر رکھ لیا۔ وہ سب اندر کو بھاگ رہے تھے لیکن وہ تینوں اور اندھا بھی تلواروں سے کٹ مرے۔ مکان کے اندر گئے تو صحن میں ایک جگہ لکڑی کے تختے رکھے ہوئے تھے اور ان پر کچھ سامان پڑا ہُوا تھا۔

وہ بہت ہی پرانے زمانے کا مکان تھا۔ اندر اس قدر بدبُو تھی کہ ٹھہرا نہیں جا سکتا تھا لیکن یہ بدبُو بتا رہی تھی کہ اس مکان میں مُردار گل سڑ رہے ہیں یا انسانوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ مکان بالکل خالی تھا۔ کمروں میں دیکھا گیا لیکن کچھ سراغ نہ ملا۔ ایک آدمی کے کہنے پر لکڑی کے تختے ہٹائے گئے تو دیکھا کہ ان کے نیچے ایک گہرا گڑھا کھُدا ہُوا تھا جس میں بے انداز لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اوپر والی لاشیں تازہ لگتی تھیں اور بدبُو سے پتہ چلتا تھا

کہ ان کے نیچے لاشیں گل سڑ رہی ہیں اور مکان میں ان کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

ایک تو یہ طریقہ تھا کہ اس سے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو غائب کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ کی لاشیں اس گڑھے سے ملیں اور کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ کتنے مکانوں میں ایسے اور گڑھے ہوں گے جن میں لاپتہ ہونے والے مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوں گی۔

مسلمانوں کے غائب ہونے کا سلسلہ رُکا نہیں بلکہ چلتا رہا۔ کچھ سراغ نہیں ملتا تھا کہ وہ کہاں غائب کئے جا رہے ہیں۔ مسلمان اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ شہر میں انہیں کوئی نابینا نظر آتا تھا تو اسے قتل کر دیتے تھے۔ پھر بھی مسلمان غائب ہوتے رہے۔ ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا گیا جس کا سراغ مل گیا۔ سراغ یوں ملا کہ ایک آدمی علی الصبح فجر کی اذان سن کر مسجد کو جا رہا تھا تو اسے یوں نظر آیا جیسے دو تین آدمی کسی آدمی کو گھسیٹ کر ایک مکان کے اندر لے جا رہے ہوں۔ وہ نہتّہ تھا اس لئے اس نے اس آدمی کو چھڑانے کی کوشش نہ کی' اس کی بجائے اس نے یہ کارروائی کی کہ مسجد میں جب نمازی اکٹھے ہوئے تو اس نے نمازیوں کو بتایا کہ ایک مکان پر اسے شک ہے اور اُس نے جو دیکھا تھا انہیں بتایا۔ نماز کے بعد یہ خبر مسلمانوں کے محلّوں میں پھیل گئی اور ایک ہجوم اس مکان کے سامنے اکٹھا ہو گیا۔

اس ہجوم میں زیادہ تر آدمی تلواروں سے مسلح تھے۔ دروازے پر دستک دی گئی لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر یہ لوگ اندر چلے گئے۔ یہ قدیم وقتوں کی حویلی تھی جو غیر آباد نظر آتی تھی۔ اس کے تمام کمروں میں جا کر دیکھا' وہاں کوئی نہیں تھا اور یوں لگتا تھا جیسے یہ مکان ایک مدت سے غیر آباد ہے۔ وہاں بھی بدبُو تھی جو صاف پتہ چلتا تھا کہ انسانی لاش یا لاشوں کی ہے۔

"اِدھر آؤ" —— ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا —— "اس کنوئیں میں دیکھو"۔

حویلی کا صحن خاصا کشادہ تھا اور اس کے ایک کونے میں کُنواں تھا۔ کنوئیں میں جھک کر دیکھا تو آدھا کُنواں لاشوں سے بھرا پڑا تھا۔ اوپر سے دو تین لاشیں نکالی گئیں۔ یہ ابھی خراب نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں ایک لاش کا خون بالکل تازہ تھا۔ یہ وہی آدمی ہو گا جسے اس شخص نے دیکھا تھا کہ گھسیٹ کر اندر لے جا رہے ہیں۔ ان چند ایک لاشوں کے بعد کوئی اور لاش نہ نکالی گئی کیونکہ دانشمند بزرگوں نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ نیچے لاشوں کی حالت بہت ہی بُری معلوم ہوتی ہے' نہ ہی نکالی جائیں تو بہتر ہے ورنہ ان کے پسماندگان

ے دلوں کو بہت ہی صدمہ پہنچے گا۔ چنانچہ اس کنوئیں کو مٹی سے بھر دیا گیا۔ یہ تو بتایا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ اس کنوئیں میں کتنے سو لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔

○

اس دوران باطنیوں نے جن اہم شخصیتوں کو قتل کیا ان کے نام یہ ہیں —— امیر اسد ملک شاہی' امیر بخش اور امیر سیاہ پوش۔ یہ تینوں مختلف علاقوں کے امیر تھے اور انہوں نے حسن بن صباح کے خلاف اپنا اپنا محاذ قائم کر رکھا تھا۔ امیر سیاہ پوش ہمیشہ کالے رنگ کے کپڑے پہنتا اور دن رات کا زیادہ تر وقت عبادت اور تلاوتِ قرآن میں گذارتا تھا۔ باطنیوں کو قتل تو کیا جا رہا تھا لیکن امیر سیاہ پوش پہلا امیر اور عالمِ دین تھا جس نے باقاعدہ فتویٰ دیا تھا کہ حسن بن صباح اور اس کے پیروکاروں کا قتل گناہ نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔

اس کے بعد حسن بن صباح کے حکم سے چند اور شخصیتوں کو قتل کیا گیا۔ ان میں امیر یوسف کے معتمد خاص طغرل بک' امیر ارغش اور ہادی علی گیلانی خاص طور پر شامل ہیں۔ پھر انہوں نے سنترقہ والی دہستان اور سکندر صوفی قروینی کو بھی قتل کر دیا۔

مندرجہ بالا مقتولین میں ایک خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ سلطان ملک شاہ مرحوم کا غلام ہُوا کرتا تھا۔ ملک شاہ نے جب حسن بن صباح اور اس کے فرقے کے خلاف انسدادی مہم شروع کی تھی تو اس غلام نے کسی کے حکم کے بغیر ہی اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بہت سے باطنیوں کو قتل کیا تھا اور ایسے طریقے وضع کئے کہ باطنیوں کے لئے کم از کم مرو میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا۔ سلطان ملک شاہ مرحوم نے دیکھا کہ اس شخص کو اس نے غلام بنا رکھا ہے لیکن اس میں عقل و دانش خصوصی طور پر قابلِ تعریف ہے۔ ملک شاہ نے اسے چھوٹے سے ایک علاقے کا امیر بنا دیا۔ اس نے اپنے علاقے میں کسی باطنی کو زندہ نہ چھوڑا اور اپنا سارا علاقہ ان ابلیسوں سے پاک کر دیا لیکن حسن بن صباح نے اس کے قتل کا خصوصی حکم دیا اور ایک فدائی نے اسے ایک مسجد میں دھوکے میں قتل کر دیا اور خودکشی کر لی۔

اصفہان میں ایک مشہور و معروف عالمِ دین تھے جن کا نام شیخ مسعود بن محمد خجندی فقیر شافعی تھا۔ اس کے پیروکاروں کا حلقہ بہت دُور دُور تک پھیلا ہُوا تھا۔ اس کا وعظ اور خطبہ سننے کے لئے لوگ اکثر دور کا سفر کر کے آیا کرتے تھے۔ اس عالمِ دین اور فقیر نے جب دیکھا کہ باطنی علماء کو قتل کر رہے ہیں تو اس نے ایک خطبے میں انتقامی وار کا اعلان کر

Scanned by iqbalmt

دیا۔ یہ دوسرا عالم دین تھا جس نے خطبے میں یہ فتویٰ دیا کہ حسن بن صباح اور اس کے پیروکاروں کا قتل ہر مسلمان پر فرض ہے اور اگر کوئی مسلمان اس فرض کی ادائیگی میں پس و پیش کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابلیس کی جان کا محافظ ہے۔ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔

اس عالم دین نے یہ انتظامی کارروائی کی کہ شہر کے باہر چار پانچ جگہوں پر کشادہ اور گہرے گڑھے کھدوائے۔ ان سب میں لکڑیاں پھینک کر آگ لگا دی اور یہ آگ ہر وقت جلتی رہتی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں شیخ مسعود نجندی کا احترام بلکہ عقیدت اس قدر زیادہ تھی کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو لوگ برحق سمجھتے اور اس کے کہے ہوئے ہر لفظ کو حکم کا درجہ دیتے تھے۔ لوگوں نے اپنے کام کاج چھوڑ کر یہ گڑھے کھودے اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لائے اور ان گڑھوں میں پھینکیں اور آگ لگائی۔

اگلا کام یہ تھا کہ شہر میں مخبر اور جاسوس پھیلا دیئے گئے جو باطنیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ اصفہان میں باطنی کوئی تھوڑی تعداد میں نہیں تھے۔ ایک مؤرخ نے تو لکھا ہے کہ اصفہان کی "تقریباً" آدھی آبادی باطنیوں کی تھی۔ مسلمانوں کو جہاں پتہ چلتا کہ یہاں باطنی رہتا ہے' وہاں جا ہلّہ بولتے اور باطنی ایک ہاتھ آ جائے' دو آ جائیں یا اس سے زیادہ پکڑے جائیں' ان سب کو گھسیٹتے دھکیلتے آگ کے کسی قریبی گڑھے تک لے جاتے اور انہیں زندہ آگ میں پھینک دیتے۔ شیخ مسعود نجندی نے شہر کا قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس کے حکم سے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی کیونکہ باطنی بھاگ رہے تھے۔ مسلمانوں نے کسی باطنی کو بھاگنے نہ دیا۔ کوئی بھی بھاگنے کی کوشش کرتا اُسے پکڑ کر آگ میں پھینک دیتے تھے۔ اُس کا بھاگنا ہی ایک ثبوت ہوتا تھا کہ وہ باطنی ہے۔

شیخ مسعود نجندی کو کوئی سرکاری حیثیت حاصل نہیں تھی اس لئے اسے سرکاری طور پر محافظ نہیں دیئے گئے تھے لیکن مرید از خود ہی اس کے محافظ بن گئے تھے۔ مسجد میں جب وہ وعظ کر رہا ہوتا یا امامت' اس کے پیچھے چھ سات آدمی محافظ ہوتے تھے۔

حسن بن صباح نے جب دیکھا کہ اصفہان میں اس کے فرقے اور فدائیوں کا صفایا ہو رہا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ عراق کی طرف توجہ دی جائے اور عراق کے دار الخلافہ بغداد کو اپنا مرکز بنانے کی پوری کوشش کی جائے۔ اس حکم میں یہ خاص طور پر شامل تھا کہ وہاں بھی سب سے پہلے علمائے دین کو قتل کیا جائے۔

بغداد میں بھی ایک مشہور عالمِ دین تھا جسے روحانی پیشوا کا درجہ حاصل تھا۔ اس کا نام

امام شیخ الشافعیہ اُبُوالفرج رازی ردیانیؒ تھا۔ اسے صاحب البحر کا خطاب دیا گیا تھا۔ وہ اپنے نام کے ساتھ صاحب البحر لکھنے کی بجائے اہلِ سنت لکھا کرتا تھا۔ اسے شہرت اور مقبولیت میں شیخ مسعود بن محمد نجندی سے زیادہ اونچی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی مریدی اور عقیدت مندی کا حلقہ بھی بہت ہی وسیع تھا۔

اصفہان کی طرح عراق میں بھی مسلمان اس طرح قتل ہونے لگے کہ قاتل کا سراغ نہیں ملتا تھا نہ قتل کی وجہ معلوم ہوتی تھی۔ یہ قتلِ عام نہیں تھا بلکہ اکا دکا مسلمان قتل ہو جاتا یا لاپتہ ہو جاتا تھا۔ یہ خبریں بغداد تک پہنچیں تو فوج کے کچھ دستوں کو مختلف علاقوں میں بھیج دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی سرکاری مخبروں اور جاسوسوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قتل کی ان وارداتوں کا سراغ لگائیں۔ اصفہان میں باطنیوں نے جو خون خرابہ کیا تھا' اس کی خبریں بغداد میں بھی پہنچی تھیں۔ آخر وہاں کے حکمران کو یقین کرنا پڑا کہ یہ باطنی ہیں جو مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ خبر بغداد کے مسلمانوں کے گھروں تک پہنچ گئی اور اس طرح لوگ چوکنے ہو گئے۔

امام شیخ الشافعیہ نے جامعہ مسجد میں اپنے ایک خطبے میں لوگوں سے کہا کہ صرف چوکس اور چوکنا ہو جانا کافی نہیں۔ ان باطنیوں کا سراغ لگاؤ اور جہاں کہیں کوئی باطنی نظر آتا ہے اُسے کسی حکم کے بغیر اور قانون سے ڈرے بغیر قتل کر دو۔ لوگوں کے لئے اپنے امام کے یہ الفاظ ایسے تھے جیسے یہ اللہ کا حکم اُترا ہو۔ انہوں نے باطنیوں کا سراغ لگا کر انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ امام شیخ الشافعیہ کے چند ایک معتقد اُس کے محافظ بن گئے اور وہ جدھر بھی جاتا' یہ محافظ اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ مسجد میں جب وہ امامت کے لئے کھڑا ہوتا تو اس کے پیچھے اس کے سات آٹھ محافظ کھڑے ہوتے اور پہلی صف کے دوسرے نمازی ان محافظوں کے دائیں بائیں کھڑے ہوتے تھے۔ کسی اور کو اجازت نہیں تھی کہ وہ پہلی صف میں امام کے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

جمعہ کا مبارک دن تھا۔ امام شیخ الشافعیہ نے خطبہ شروع کیا۔ باہر مسجد کے دروازے پر کسی نمازی نے بڑی ہی بلند اور پُرجوش آواز میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام نمازیوں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور امام شیخ الشافعیہ نے اپنا خطبہ روک لیا۔ سب نے دیکھا کہ ایک آدمی مسجد میں نعرہ لگا کر داخل ہُوا ہے اور اس کے کپڑوں پر خون لگا ہُوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر تھا۔

Scanned by iqbalmt

"میں امام شیخ الشافیعہ" کے حکم سے ابھی ابھی تین ابلیسوں کو قتل کرکے آرہا ہوں!" ـــــ وہ نمازیوں کے اوپر سے گزرتا اگلی صف کی طرف بڑھا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا ـــــ "یا امام! گواہ رہنا میں نے آج بہت بڑا ثواب کمایا ہے"۔

"میرے ملّتِ حُقت بھائیو!" ـــــ اُس نے خنجر والا ہاتھ بلند کرکے نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہا ـــــ "میں نے اپنے اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنے امام کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ میں تم سب کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے پانچ چھوٹے بچے ہیں اور ان کی ماں ہے۔ میری زندگی دو چار دن کی رہ گئی ہے کیونکہ باطنی اپنے ساتھیوں کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے۔ میں اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو تم سب کے سپرد کرتا ہوں۔ ان کی روزی اور باعزت زندگی کی ذمہ داری تمہیں سونپتا ہوں"۔

نمازیوں نے جزاک اللہ جزاک اللہ کا بڑا ہی بلند وِرد شروع کر دیا اور اس شخص کو خراج تحسین پیش کرنے لگے۔ کئی آوازیں اٹھیں کہ تمہارے بچوں کی روزی کے ذِمّہ دار ہم ہیں۔ امام شیخ الشافیعہ منبر سے اتر آیا اور اس آدمی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔

"ہر ذی روح کی روزی کا ذمہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے" ـــــ امام نے بلند آواز سے کہا ـــــ "یہ ضروری نہیں کہ تم قتل ہو جاؤ گے' اگر ایسا ہو بھی گیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے بچوں اور تمہاری بیوی کو اس کا پورا پورا اجر دیں گے.... یہ کپڑے تبدیل کرکے اور غسل کرکے آؤ۔ یہ باطنیوں کا خون ہے جو خنزیر کے خون کی طرح نجس اور ناپاک ہے"۔

ابھی امام شیخ الشافیعہ یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ اس شخص نے اس کی طرف گھوم کر خنجر امام کے سینے میں اتار دیا اور بڑی تیزی سے دو مرتبہ خنجر امام کے سینے میں مارا۔ امام کے محافظ جو اگلی صف میں بیٹھے تھے بڑی تیزی سے اٹھے۔ امام گر پڑا۔ محافظ اسے سنبھالنے لگے تو قاتل منبر کے اوپر جا کھڑا ہوا اور اپنا خنجر ہوا میں بلند کرکے زور سے نیچے کو کھینچا اور اپنے دل میں اُتار لیا۔

"یا امام شیخ الجبل!" ـــــ اس نے خنجر اپنے سینے سے نکال کر کہا ـــــ "تیرے حکم کی تعمیل کرکے تیری جنت سے اللہ کی جنت میں جا رہا ہوں" ـــــ اُس نے ایک بار پھر خنجر اپنے سینے میں دل کے مقام پر مارا پھر خنجر وہیں رہنے دیا اور ہاتھ آسمان کی طرف کر دیئے۔ وہ منبر سے گرا اور فرش پر آن پڑا۔

امام شیخ الشافیعہ مر چکا تھا کیونکہ خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا تھا۔ محافظوں نے خنجروں اور تلواروں سے قاتل کے جسم کا قیمہ کر دیا لیکن وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اُس کے کپڑوں پر اور خنجر پر کسی انسان کا خون نہیں تھا بلکہ یہ گہرا لال رنگ تھا۔ اس نے ایسا دھوکہ دیا تھا جسے کوئی بھی قبل از وقت سمجھ نہ سکا۔

اصفہان کے حاکم اور لوگ مطمئن ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنے شہر کو باطنیوں سے پاک کر دیا ہے لیکن ایک روز وہاں کے ایک اور عالم دین قاضی ابو العلاء صاعد بن ابو محمد نیشاپوری جامعہ مسجد میں امامت کرانے کے لئے گئے۔ وہ بھی جمعہ کا مبارک دن تھا اور قاضی ابو العلاء خطبے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے بالکل ایسے ہی جیسے بغداد میں ہُوا تھا' ایک آدمی نے مسجد میں داخل ہو کر نعرہ لگایا اور کہا کہ وہ چار باطنیوں کو قتل کرکے آیا ہے۔ اُس کے بھی کپڑوں پر خون تھا اور اس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر تھا۔ اُس نے بالکل ویسا ہی ناٹک کھیلا اور قاضی ابو العلاء تک پہنچ گیا اور نمازیوں سے مخاطب ہو کر ویسے ہی الفاظ کہے جو امام شیخ الشافعیہ کے قاتل نے کہے تھے اور اس کے فوراً بعد قاضی العلاء کے سینے میں خنجر کے تین وار کیے۔ قاتل منبر پر چڑھ گیا اور اس نے خنجر سے خود کُشی کر لی۔

ان تاریخی واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باطنی تعداد میں بہت ہی زیادہ ہو گئے تھے لیکن بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ یوں اہم دینی اور معاشرتی شخصیتوں کو قتل کرتے پھرتے' وجہ یہ تھی کہ ان میں حسن بن صباح نے ایسا سفاکانہ جذبہ بھر دیا تھا کہ اس کا ایک فدائی ایک ہجوم میں داخل ہو کر اپنے مطلوبہ شکار کو قتل کر دیتا تھا اور پھر اپنے آپ کو بھی مار لیتا تھا۔

یہ حسن بن صباح کی اُس جنت کا کمال تھا جو اس نے قلعہ اَلمُوت میں بنائی تھی۔ پہلے اس جنت کی پوری تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ اس جنت سے جسے نکال کر کسی کے قتل کے لئے بھیجا جاتا اسے یقین دلایا جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہے گا۔ اسے یہ بھی بتا دیا جاتا تھا کہ وہ قتل کرکے اپنے آپ کو قتل کر دے گا لیکن اسے یہ یقین بھی دلایا جاتا تھا کہ وہ اس دنیا کی جنّت سے نکل کر اللہ کی جنّت میں چلا جائے گا جو اس سے کہیں زیادہ حسین ہو گی اور وہاں اُسے جو حُوریں ملیں گی وہ اس جنّت کی حوروں سے بہت زیادہ خوبصورت ہوں گی۔